قصص الاولین عبرۃ للآخرین

ہندوستان

# شاہانِ مغلیہ کے عہد میں

جس میں سلاطینِ مغلیہ کا نظامِ حکومت، تعلیمی حالت، عدل و انصاف، ہندو مسلم تعلقات اور ہندوستان کی خوش حالی، صنعتی و تجارتی ترقی، یورپین اقوام کی آمد، ایسٹ انڈیا کا تسلط، دولتِ مغلیہ کا زوال اور اس کے حقیقی اسباب پر مفصل بحث کی گئی ہے

از

مولانا سید محمد میاں صاحب

ناشر

مکتبہ برہان اردو بازار جامع مسجد دہلی

طبع دوم

شعبان المعظم ۱۳۹۸ھ مطابق جولائی ۱۹۷۸ء

قیمت عمدہ فل پارچہ مجلد نو روپے

تعداد - - - - - - - ۶۷۵

مطبوعہ - - - - - - جمال پریس دہلی،

# فہرست مضامین ہندوستان شاہان مغلیہ کے عہد میں


| عنوان | صفحہ | عنوان | صفحہ | عنوان | صفحہ |
|---|---|---|---|---|---|
| نظام حکومت | ۵ | ریشم | ۶۵ | کشمیر | ۷۰ |
| منصب دار | ۱۳ | نسنز | ۶۶ | سوتی قالین | ۷۱ |
| عہد مغلیہ میں تعلیمی حالت | ۲۰ | نیل | ″ | شیشہ کے ظروف و آلات | ″ |
| عدل و انصاف | ۲۳ | ہیرے | ۶۷ | لوہے کا کام اور اسلحہ سازی | ″ |
| یکساں شہری حقوق رعایا | ۲۷ | شکر | ″ | اسلحہ سازی کے مرکز | ۷۴ |
| حقوق ملازمت | ۲۸ | لاکھ | ″ | ہندوستان کے بحری بیڑے | ″ |
| داد و دہش | ۳۲ | سرکہ | ۶۸ | اور صنعت جہاز سازی | |
| مذہبی حقوق کی حفاظت | ۳۴ | ادرک | ″ | خوشحالی اور فارغ البالی | ۷۸ |
| ہندو مسلم تعلقات | ۳۶ | گھی | ″ | آثار انحطاط دولت مغلیہ | ۸۴ |
| صنعت و حرفت | ۵۷ | شورہ | ″ | (ہر کمانے راز دانے) | |
| برآمد | ۶۱ | افیون | ″ | ہندوستان میں یورپی اقوام کی آمد | ۸۸ |
| سوت اور روئی | ″ | مرچیں | ″ | ڈنمارک | ۹۴ |
| موٹے سوتی کپڑے | ۶۲ | موم اور کالا نمک | ۷۰ | فرانس | ″ |
| بافتہ | ۶۳ | کاغذ | ″ | انگریزوں کی آمد | ۹۵ |
| چھینٹیں | ۶۵ | چمڑے کی صنعت | ″ | شاہان مغلیہ اور یورپین | ۱۱۱ |

| عنوان | صفحہ |
| --- | --- |
| عہد جہانگیر ۱۰۱۴ھ ۱۶۰۵ء تا ۱۰۳۶ھ ۱۶۲۷ء | ۱۱۵ |
| عہد شاہجہاں ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۸ء تا ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۸ء | ۱۱۸ |
| عہد عالمگیر ۱۰۶۸ھ ۱۶۵۸ء تا ۱۱۱۸ھ ۱۷۰۹ء | ۱۲۳ |
| نتیجۂ درخواست | ۱۳۰ |
| مراحم خسروانہ | ۱۳۳ |
| ترجمہ فرمان شاہی اورنگ زیب بنام ایسٹ انڈیا کمپنی | ۱۳۴ |
| خاتمۂ کلام | ۱۳۷ |
| **داستان بربادی** | |
| زوالِ دولت مغلیہ اور اسکے حقیقی اسباب | ۱۳۹ |
| وجہ تالیف | ۱۴۲ |
| داستانِ بربادی کی سرگزشت | ۱۴۵ |
| مغل بادشاہوں کے متعلق جہانبانی کا زاویہ نظر | ۱۴۷ |
| سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی وفات اور اسکے جانشین | ۱۴۸ |
| سید بننے کا شوق | ۱۵۰ |
| تیموری زوال کا پہلا اور بنیادی سبب | ۱۵۳ |
| شاہ عالم کے جانشین اور معز الدین | ۱۵۸ |
| جہاندار شاہ کی سلطنت | |
| معز الدین جہاندار شاہ کی معزولی اور موت | ۱۶۱ |
| قتل اور سزائیں اور وزارتوں کی تقسیم | ۱۶۵ |
| شیعہ و سنی وزراء | ۱۶۷ |
| بادشاہ اور ارکان حکومت کا کردار اور فرخ سیر کی عام حالت | ۱۷۲ |
| فرخ سیر کی معزولی ۱۱۳۱ھ ۱۷۱۹ء اور مرہٹوں کی سب سے پہلی چڑھائی | ۱۸۱ |
| شاہی خزانوں کی بربادی | ۱۸۶ |
| ایک سال میں تین بادشاہ | ۱۸۷ |
| نیکوسیر کی بادشاہت اور قلعہ آگرہ کی لوٹ | ״ |
| نتائج | ۱۸۹ |
| زوالِ مغلیہ کا ایک سبب | ۱۹۲ |
| مرزا روشن اختر ابو الفتح ناصر الدین محمد شاہ | ۱۹۵ |
| ارکین دولت اور دربار | ۱۹۷ |
| تحفظات اور عہدے | ۲۰۳ |
| سلطان محمد ابراہیم اور سید عبد اللہ قطب الملک | ۲۰۴ |
| محمد شاہ کے زمانے کے اہم واقعات | ۲۰۵ |
| دربار کی حیثیت | ״ |
| ہندوستان کے صوبے اور صوبیدار | ۲۰۸ |
| نوابان روہیلکھنڈ | ״ |
| وجہ تسمیہ | ۲۰۹ |
| داؤد خاں روہیلہ | ״ |
| علی محمد خاں کی سرداری | ۲۱۲ |
| روہیلوں کا حکومت دہلی سے تصادم | ۲۱۳ |
| محمد شاہ بادشاہ کا حملہ | ۲۱۴ |
| دوبارہ روہیلکھنڈ پر تسلط | ۲۱۵ |
| نوابان اودھ | ۲۱۷ |
| ترپوش کی حکومت کا خصوصی نشان | ۲۱۸ |
| نوابان بنگالہ و بہار | ۲۱۹ |
| خصائل اور اوصاف | ۲۳۱ |
| سراج الدولہ | ۲۳۲ |
| نظام دکن | ۲۳۳ |
| نظام الملک آصف جاہ | ״ |
| مرہٹہ | ۲۳۸ |
| محمد شاہ بادشاہ کے حالات کی طرف رجوع | ۲۴۳ |
| نظام الملک کی دربار سے ناراضگی | ۲۴۸ |
| نظام الملک کی نئی تدبیر | ۲۵۰ |
| نادر شاہ کا حملہ اور قتل عام | ۲۵۶ |
| تعارف | ״ |
| ہندوستان پر حملہ کے اسباب | ۲۵۷ |
| قتل عام کے اسباب | ۲۶۱ |
| نادر شاہ کی موت | ۲۶۲ |
| احمد شاہ درانی | ۲۶۷ |
| نادر شاہی کے بعد | ״ |
| روہیلوں سے جنگ | ۲۶۸ |
| احمد شاہ کا ہندوستان پر پہلا حملہ | ۲۶۹ |
| محمد شاہ کی وفات | ۲۷۱ |
| احمد شاہ کی برائے نام سلطنت | ״ |

# نظامِ حکومت

سلطان اور سلطنت کی اصلاح آسان ہے اگر جمہور میں انقلاب کی طاقت ہو، نظام حکومت شخصی ہو یا جمہوری۔ اگر جمہور میں یہ طاقت موجود ہے تو ہر ایک نظام کو اپنی مرضی کے مطابق بنایا جا سکتا ہے۔ ورنہ جمہوریت کا عنوان ابلہ فریبی دھوکہ اور مکر ہے۔

شاہانِ مغلیہ کے عہد حکومت میں جمہور کی اس طاقت کا اندازہ لارڈ میکالے کے مندرجہ ذیل بیان سے ہوتا ہے:-

"پرانے حکام کے زمانہ میں ان کے ہاتھ میں ایک علاج تھا۔ وہ یہ کہ جب ظلم ناقابل برداشت ہو جاتا تو وہ بغاوت کر کے حکومت کو توڑ دیتے تھے۔ مگر انگریزی حکومت ہلائے نہیں ہل سکتی تھی۔ یہ حکومت وحشیوں کی سی حد درجہ ظالمانہ حکومت ہونے کے ساتھ جدید تہذیب کے آلات کی طاقت سے مضبوط تھی۔ (ماخوذ از مضامین میکالے نسبت لارڈ کلایو)[1]

ہندوستان کا نظام حکومت جب تک ایک مرکز پر مبنی و متفق نہ ہو پورے ہندوستان میں امن و امان ممکن نہیں۔ اس نظریہ کے ماتحت ہندوستان

---

[1] بحوالہ حکومت خود اختیاری ص ۹

کا ہر ایک مسلمان تاجدار وحدت ہند کی جدوجہد کرتا رہا سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس نظریہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ طاقتوں کو فنا کر کے لاچاروں اور بے بسوں کا اتحاد و اتفاق مقصود نہ تھا۔ بلکہ مختلف طاقتوں کو (اپنی قوت برقرار رکھتے ہوئے) ایک مرکز پہ جمع کرنے کے لئے سب کچھ کیا گیا تھا۔

شاہان دہلی ہندوستان کے دوسرے ہندو اور مسلم بادشاہوں راجاؤں اور فرمانروایانِ حکومت سے برسر پیکار رہے۔ مگر ان کے تمام جنگ و جدال کا خاتمہ صرف اس نقطہ پر ہو جاتا تھا کہ وہ سلطنت دہلی کی مرکزیت کو تسلیم کر لیں۔

تاریخ کا معمولی مبصر بھی اگر انصاف و صداقت سے بے بہرہ نہیں ہے تو تسلیم کرے گا کہ شاہان دہلی اس فیڈریشن یا متحدہ نظام میں جس طرح ہندو ریاستوں کو شامل کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ اسی طرح افغانستان، تبت حتیٰ کہ ایران اور چینی ترکستان کو بھی اس وحدانی نظام میں داخل کرنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ بیشک دوران جنگ میں بدعنوانیاں ہوتی تھیں مگر یہ بدعنوانیاں بھی ہر ایک کے لئے ایسی ہی مساوی تھیں۔ جیسے رحم و کرم، عفو و بخشش ہر ایک قوم، ہر ایک ملک اور ہر ایک ملت کے لئے عام تھے۔ کسی جماعت یا کسی ملت کے لئے کسی تخصیص کا دعویٰ سراسر بہتان ہے۔ مغلوں نے، افغانوں کو، مرزاؤں کو، شاہان جنوبی ہند کو، راجپوتوں کو، مرہٹوں کو مغلوب و مقہور کیا۔ مگر کس طرح ؟

کسی قوم کا جو کچھ نظام ہے وہ اس کو بدستور باقی رکھے، جو طاقت ہے اس کو مضبوط سے مضبوط تر کرے۔ اور اس متحدہ نظام کا جزین جائے۔

عموماً یہی ہوا کہ فتح کے بعد اس علاقہ کے بادشاہ/راجہ یا زمیندار کو شاہ دہلی کی بارگاہ میں پیش کیا گیا۔ اس نے اپنی فروتنی کا اظہار کیا، شاہنشاہ نے اس کو اپنے امراء اور منصبداران عالی مرتبت کی صف میں داخل کر لیا۔ اور پھر اس کو اسی علاقہ کا فرمانروا بنا کر بھیج دیا۔ نہ وہاں اسلحہ کی ضبطی ہوتی تھی نہ پنچایتوں کو معطل کیا جاتا تھا۔ نہ معاشرت کے طریقوں میں تبدیلی ہوتی تھی، نہ عدل و انصاف یا تحصیل محاصل کے قوانین میں ترمیم و تنسیخ ہوتی تھی، نہ اسٹامپ لگائے جاتے تھے نہ کورٹ فیس کا کوئی ضابطہ وضع کیا جاتا تھا۔

یہی سبب تھا کہ مسلمانوں کی صدہا سالہ حکومت کے باوجود جس کا مدار قوت پر تھا، راجپوت اور مرہٹوں کی حکومتیں اور ان کی اندرونی طاقتیں بحال رہیں۔ صرف فرق آیا تو اتنا کہ انتشار کے بجائے متحدہ نظام کا جزبن گئیں اور صدہا سالہ سلطنت کے دوران میں جو دو چار ریاستیں تباہ کی گئیں وہ اس وقت کہ جب بار بار ان سے غداری اور نقض عہد کا تجربہ ہو چکا۔ مگر ان ریاستوں کے عوام کی پنچایتی طاقت پھر بھی نہیں توڑی گئی۔ یعنی اُن کا مذہبی و معاشی نظام جوں کا توں رہا۔

پھر یہ بادشاہ اور راجہ کہنے کو تو خودمختار ہوتا تھا مگر عملاً وہ ہر ہر قدم پر رعایا کی عام رائے کا تابع ہوتا تھا۔ فوج کشی یا مقابلہ کے وقت کسی فرقہ یا مذہب کے خلاف کوئی بے عنوانی ہو جانا دوسری بات تھی مگر تسلط ہو جانے کے بعد ہر حکمراں کا یہی معمول تھا کہ وہ اپنی رعایا کے ہر فرقہ کی دلدہی اور دلداری کرتا، انھیں بڑے سے بڑے عہدے دینے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کرتا تھا، حتیٰ کہ ان حکمرانوں کے جن کو آج متعصب ترین

سمجھا جاتا ہے فرمان اب تک موجود ہیں جن سے دیگر مذاہب کے پیشواؤں یا پجاریوں کو جاگیریں اور روزینے عطا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اور جس کے کچھ کچھ آثار اب بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ دوسری خاص بات پرانے نظام میں یہ تھی کہ اوپر کے طبقہ میں اگرچہ بظاہر شخصی حکومت تھی مگر اسی کے ساتھ ادنیٰ طبقہ میں بڑی حد تک جمہوریت تھی۔ اس کا پتہ اس امر سے چلتا ہے کہ زمانہ سابق میں گاؤں میں دیہاتی پنچایتیں ہوتی تھیں، جو اپنے معاملات کا خود انتظام کرتی تھیں۔ اور ان پر کسی قسم کے بیرونی اثرات نہ تھے مرکزی حکومت ان کے اندرونی انتظام میں کوئی مداخلت نہ کرتی تھی دیہات میں اس قسم کی حکومت کے نشانات کچھ دنوں پہلے تک پائے جاتے تھے۔ اکثر دیہات کے واجب العرض کے مطالعہ سے جو پہلے بندوبست کے وقت مرتب ہوئے معلوم ہوتا ہے کہ دیہات کے عہدہ داروں کی تقسیم کس طرح پر کی گئی تھی، کس طرح سے مواضع کے حصہ داروں اور نمبرداروں کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ بدچلن اشخاص کو گاؤں سے خارج کر دیں اور یہ کہ کن طریقوں سے امن قائم رکھا جاتا تھا۔ اور یہ حالت اس وقت بھی تھی جبکہ دیہات کی اندرونی زندگی پر کمپنی کا اثر پڑ چکا تھا۔

اب ہم پچھلے زمانہ پر یعنی اٹھارہویں صدی کے آخری حصہ پر نظر ڈالتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بھی یہ دیہاتی پنچایتیں مکمل حالت میں تھیں۔ اس کا اندازہ ایک ایسے شخص کی تحریر سے ہوگا جو کوئی سیاح نہ تھا۔ اور نہ کوئی انگریزوں کا مخالف تھا، جس نے ان چیزوں کو مخالفانہ نظر سے دیکھا ہو، بلکہ کمپنی کا معتمد ملازم تھا۔ اس کا تقرر ایسٹ انڈیا کمپنی کی مالگذاری کی پالیسی کی تحقیقات کرنے کے لئے ہوا تھا۔ اس افسر کا نام

طامس منرو تھا جس نے اراضی کے مسئلہ کا مطالعہ کرکے دوامی بندوبست کی سفارش کی۔ اسلنے اپنی رپورٹ میں حسب ذیل ریمارک کیا ہے:۔

"ہر موضع مع اپنے بارہ پودوں کے مثل ایک چھوٹی سی ریاست کے ہے جس میں اس کے مقدم پٹیل یا رادمیؔ بطور اس کے سردار کے ہیں اور ہندوستان اسی قسم کی ریاستوں کا ایک بڑا مجموعہ ہے۔ جنگ کے زمانہ میں باشندوں کی نظر اپنے گاؤں کے سردار کی طرف ہوتی ہے۔ جب تک کہ انکا موضع محفوظ اور سالم رہے گاؤں کے باشندے سلطنتوں کے ٹوٹنے اور تقسیم ہونے کے بارے میں اپنے آپ کو کوئی تکلیف نہیں دیتے۔ وہ اس امر کی پرواہ بالکل نہیں کرتے کہ ملک کس کے ہاتھ میں منتقل ہوتا ہے۔ ان کا اندرونی نظام غیر مبدل رہتا ہے اور ان تمام حالات میں گاؤں کا سردار بدستور اپنے گاؤں کا کلکٹر مجسٹریٹ اور کاشتکاروں کا سردار رہتا ہے۔

منو کے زمانے سے آج ۱۸۰۰ء تک بندوبست موضع کے سردار کے ساتھ یا اس کے مشورہ سے کئے گئے ہیں۔ جب مال گذاری بہت زیادہ سمجھی جاتی اور موضع کا سردار اس سے متفق ہو جاتا تو اُسے بالعموم رعایا کے ساتھ معاملہ طے کرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا۔ اگر مال گذاری بہت کم ہوتی اور موضع کا سردار اسے بڑھانے کے متعلق اعتراض کرتا تو عملدار اس کی موجودگی میں رعایا کے ساتھ طے کرتا۔ یہ نظام صدیوں کے تجربہ میں کامیاب ثابت ہوا۔ اور چونکہ اس حالت میں تمام صوبجات نہایت سرسبز و شاداب رہے اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ وہ زراعت کی ترقی کا بڑا ذریعہ تھا۔

---

ؔ آجکل کی بول چال میں ریڈی

موضع کے نیچوں کو چھوڑ کر کاشتکاروں سے تعلقات رکھنا، بعد کے زمانہ کی ایجاد ہے۔ اور مرکزی حکومت کے اس طرز عمل نے دیہاتی پنچایتوں کی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔

اب پرانے عہدہ داروں کے نام صرف کہنے کو باقی رہ گئے ہیں۔ نمبرداروں کے فرائض بغیر ان کے حقوق کے موجود ہیں اور دیہاتی پنچایتوں کا سارا انتظام پارہ پارہ ہو چکا ہے۔

بہرحال مندرجہ بالا تحریر سے ظاہر ہے کہ پہلے زمانہ میں دیہاتی زندگی مکمل تھی۔ انھیں اس کی کوئی پروا نہ تھی کہ بادشاہ کون ہے کس قوم کا ہے، اس کا مذہب کیا ہے، ان کا تعلق بادشاہ سے صرف اس قدر تھا۔ کہ وہ معیّن مال گذاری بطور خراج کے اس کو دیدیں وہ اپنے مجسٹریٹ خود مقرر کرتے تھے جو اپنی ذاتی واقفیت کی بناء پر بے گناہ اور مجرم میں تمیز کر سکتے تھے۔ [1]

شہری علاقوں میں کوتوالوں کو ہدایت تھی۔

آباد گھروں اور راستوں میں سے ایک ایک کو لکھو۔ آپس میں ایک دوسرے کی امداد کا عہد و پیمان لو۔ اور لازمی کر دو کہ ایک دوسرے کی شادی غمی میں وہ شریک ہوں۔ چند گھروں کا ایک محلہ بناؤ۔ اور کسی بزرگ کو وہ محلہ سپرد کر دو۔ آنے جانے والوں کے روزنامچوں پر اور جو واقعات پیش آئیں۔ ان کی تحریر پر اس (میر محلہ) کے دستخط ہوں اور کسی اجنبی شخص کو اس محلہ کی جاسوسی پر معین کر دو۔ جو واقعات کی روئداد قلم بند کرتا ہے اور ہر ایک معاملہ کو غور سے سمجھے۔

(آئین اکبری۔ ص۱۹۰ ج ۱۔ آئین کوتوال)

---

[1] حکومت خود اختیاری: ص ۲ ص ۳

جن جگہوں میں مقدمات پیش ہوتے اور تصفیہ کیا جاتا تھا۔ وہ مقدس سمجھے جاتے تھے۔ "سر آسکن پیری" نے ایک کمیٹی کے روبرو بیان دیتے ہوئے کہا کہ :۔ "تجارتی بہی کھاتوں کی وہ حرمت تھی کہ کسی متنازعہ لین دین کے بارہ میں ان کا پیش ہوجانا ناقابل تردید شہادت سمجھی جاتی تھی۔ (صفحہ ۱۹۴ دادا بھائی)، اور سب سے زیادہ حیرت خیز بات یہ کہ ڈاکو اور مجرم تک جان دیدینا قبول کر لیتے تھے مگر جھوٹ بولنے سے محترز رہتے تھے۔ کرنل سلیمن جس نے ٹھگوں کی سرکوبی میں کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، لکھتا ہے :۔

میرے تجربہ میں صدہا مثالیں ایسی آچکی ہیں کہ ایک آدمی کی دولت
آزادی اور زندگی جھوٹ سے بچ سکتی تھی مگر وہ جھوٹ ہی نہ بولا
(ایک ہندوستانی افسر کے تجربے اور سیاحت۔ دادا بھائی)

اور ہندوستانیوں میں بچوں کے سامنے سچ بولنے کی عادت اس قدر زیادہ تھی کہ اب جبکہ ان کی تمام خوبیاں زائل ہوچکی ہیں، اب بھی دیہات میں زیادہ لوگ ایسے ہیں جو اپنی برادری کے بچوں کے سامنے سچ ہی بولتے ہیں۔

غرضیکہ بالفاظ سر طامس رو۔ "تمام ہندوستان ایسی ہی چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر مشتمل تھا[1] مختصر یہ کہ بستی کی ضروریات احتیاج اور تقسیم عمل کے اصول پر لوگوں کی نظر اس طرح رہتی تھی جس سے ایک مختصر جمہوری نظام حکومت کا نقشہ قائم ہوتا تھا۔[2]

مسٹر ہالول ان چند انگریزوں میں سے ہیں جو کلکتہ کے بلیک ہول کی قید سے بچ کر زندہ نکلے تھے۔ مگر جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے ایک ریاست کو اپنے قبضہ میں کر لینے کا ارادہ کیا تو انھوں نے لکھا کہ فی الواقع وہاں کے خوش حال

---

[1] حکومت خود اختیاری صفحہ ۱۰ و ۱۱۔ [2] دیلز گورنمنٹ آف برٹش انڈیا مصنفہ مسٹر ماتھا صفحہ ۱۶ بحوالہ مالیات عامہ صفحہ ۲۹ و ۳۰

لوگوں کو پریشان کرنا تقریباً ظلم کی حد تک پہنچ جائے گا۔ کیونکہ اس ضلع میں ہی قدیم ہندوستان کی حکومت کی خوبصورتی، تقویٰ، باقاعدگی اور انصاف کے نقش پا موجود ہیں۔ یہاں لوگوں کی ملکیتیں اور ان کی آزادیاں موجود ہیں۔ یہاں کسی قسم کی لوٹ مار سننے میں نہیں آتی۔ ایک مسافر کے پاس خواہ سامان تجارت ہو یا نہ ہو، وہ فوراً گورنمنٹ کی نگرانی میں آجاتا ہے جس کے لئے بغیر کسی قسم کے خرچہ کے محافظ مقرر کردیئے جاتے ہیں جو اسے منزل بمنزل پہنچاتے ہیں اور یہ جان و مال کی حفاظت اور قیام کے جوابدہ ہوتے ہیں۔ پہلی منزل کے ختم ہونے پر وہ چند خوشگوار مراسم کے بعد دوسرے محافظوں کے سپرد کردیا جاتا ہے۔ جو اس مسافر سے چند سوالات پچھلے محافظوں کے برتاؤ کے متعلق پوچھ کر انھیں اس برتاؤ کی سند اور مسافر کو رسید دے کر رخصت کردیتے ہیں۔ یہ سند پہلی منزل کے افسر اعلیٰ کے پاس پہنچتی ہے اور وہ اسے اپنے راجہ کے پاس بھیج دیتا ہے۔ اس طریقہ سے مسافر ملک میں سے گزارا جاتا ہے۔ اور کھانے، سواری اور قیام، سامان تجارت کی باربرداری میں اس پر کسی قسم کے صرفہ کا بار نہیں ڈالا جاتا بجز اس صورت کے کہ وہ تین دن سے زیادہ قیام کرے۔ البتہ اگر بیمار ہو جائے یا کوئی حادثہ پیش آجائے تب بھی اس سے خرچہ نہیں لیا جاتا۔ اگر کوئی چیز اس علاقہ میں مثل روپے کی تھیلی کے گم ہو جائے تو جو شخص اس کو پاجائے وہ اسے پاس کے درخت پر لٹکا دیتا ہے اور قریب کی چوکی پر اطلاع کردیتا ہے اور اس کا چوکی افسر فوراً اس کی منادی بذریعہ ڈھول پٹوا کے کرادیتا ہے (ماخوذ از رسالہ بالول) [۱]

---

[۱] حکومت خود اختیاری مشرقی

شاہی ٹیکس جو تاجر کو دینا پڑتا تھا وہ بہت ہی کم تھا۔ تجارتی مال پر مسلمانوں سے ۲ فیصدی ٹیکس لیا جاتا تھا اور عیسائیوں سے ۳ یا ۳ ½ فیصدی۔ لیکن مسلمانوں کو ایک دوسرا ٹیکس دینا پڑتا تھا جو پانچ فیصدی تھا۔ کپتان ہملٹن نے اس کو "پال ٹیکس" لکھا ہے۔ یہ پال ٹیکس عیسائیوں سے نہیں لیا جاتا تھا۔ یعنی مجموعی حیثیت سے ٹیکس کے معاملہ میں مسلمانوں کے ساتھ کوئی رعایت نہیں کی جاتی تھی۔ مزید براں انگلستان کے تجار پر ابتداءً اس قدر اعتبار کیا جاتا تھا کہ جب وہ مال ساحلِ ہندوستان پر اتارتے تھے تو فوراً محصول ان سے نہیں لیا جاتا تھا۔ بلکہ آخر سال میں جس قدر مال واقعی فروخت ہوتا تھا اُس پر انھیں کے خیالی عمل پر اعتبار کر کے محصول لیا جاتا تھا۔[1]

**منصبدار** یہ دیہات جو بقول سرطامس منرو، چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ یا کسی ریاست کا جز ہوتے تھے۔ ورنہ کسی منصبدار کی جاگیر میں ہوتے تھے۔

جاگیروں کی صورتیں مختلف ہوتی تھیں۔ جن کی تفصیل طوالت طلب ہے عام طور پر جاگیروں کی مثال آجکل کی مستاجری سے دی جا سکتی ہے جس کا رواج ریاستوں میں اب بھی ہے۔

ہر ایک گاؤں کا رقبہ، اس کی آمدنی وغیرہ مرکزی حکومت کے رجسٹر میں درج رہتا تھا، چنانچہ آئین اکبری میں زمانہ اکبر کے تمام دیہات کے نام مع تحصیل آمدنی۔ رقبہ سرکار وصوبہ وغیرہ درج ہیں۔

منصبداروں کی تنخواہوں اور ان کے دیگر مصارف کا ایک تخمینہ

---

[1] ہند عہد اورنگ زیب میں ص ۳۲

ہوتا تھا۔ تنخواہوں اور مصارف کی ادائگی نقد روپے کے ذریعے بہت کم ہوتی تھی بلکہ ان کی تنخواہ اور مصارف کے بموجب ان کو جاگیر دے دی جاتی تھی۔

دیہات کی آمدنی مقرر کرنے میں عموماً پوری رعایت کی جاتی تھی جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے۔ گاؤں کے سردار کے مشورہ سے آمدنی مقرر کی جاتی تھی۔

عہد اکبری میں فی بیگہ کی سرکاری مالگذاری مقرر کرنے میں حسب ذیل تناسب قائم کیا گیا تھا۔

اعلیٰ قسم کے ایک بیگہ میں پیداوار گندم ۱۸ من
متوسط قسم " " " " ۱۲ "
معمولی ۸ ۳۵ سیر
کل پیداوار ـــــــــ ۳۸ من ۳۵ سیر

تناسب پیداوار کا ایک تہائی مقرر کیا گیا۔ یعنی ۱۲ من ۳۸ سیر ایک پاؤ۔ اور اس کی ایک تہائی ۴ من ۱۲ سیر ۳ پاؤ پارج جہانبانی قرار دیا گیا۔

اسی طرح ہر ایک غلہ کی پیداوار کا علیحدہ علیحدہ تناسب قائم کیا گیا تھا۔ اور اس کے بموجب پارج جہانبانی مقرر کیا گیا تھا۔

سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے شرعی قاعدہ کے بموجب پیداوار کا دسواں حصہ مقرر کیا جس میں اگرچہ حکومت کا نقصان تھا مگر

---

لہ عہد برطانیہ میں تناسب مالگذاری کے متعلق حکومت خود اختیاری کا مندرجہ ذیل فقرہ قابل ملاحظہ ہے (باقی اگلے صفحہ پر)

کاشتکار کے لئے فائدہ تھا۔ لیکن کاشتکار کی خوشنودی نے عہد عالمگیری میں حکومت کے نقصان کو فائدے سے بدل دیا۔ چنانچہ آمدنیوں کے گوشوارے جو کتب تاریخ میں درج ہیں وہ شاہد ہیں کہ تخفیف کے باوجود عہد عالمگیر میں آمدنی کا اوسط عہد اکبری کے مقابلہ میں بہت زیادہ رہا۔

یہ لازمی نہیں تھا کہ کاشتکار روپیہ ہی ادا کرے وہ جنس خام بھی ادا کرسکتا تھا۔ یہ اس کے لئے مزید سہولت تھی۔[1] چونکہ قانون یہ تھا کہ منصبدار کے انتقال پر اس کی جملہ املاک ضبط کرلی جائیں۔ سلطان عالمگیرؒ نے اس میں یہ ترمیم کی کہ زمانہ منصبداری کی پیدا کردہ ملکیت ضبط کی جائے۔ بہرحال اس قانون کی موجودگی میں کوئی منصبدار بھی ضرورت سے زیادہ رعایا سے نہیں لے سکتا تھا۔

یہ کوشش ضرور کی جاتی تھی کہ حکومت کی آمدنی میں اضافہ ہو مگر ٹیکسوں کے اضافہ سے نہیں بلکہ اراضی کی آبادی اور پیداوار کے اضافہ سے

---

(بقیہ صفحہ ۱۴) سہارنپور کے قواعد مالگزاری (مرتبہ ۱۸۵۵ء) کو اصولاً تمام ہندوستان کے لئے تسلیم کرلیا گیا تھا۔ اور یہ کہ پچاس فیصدی سے زیادہ مالگزاری نہ لگائی جائے مگر کچھ عرصہ بعد اس کی خلاف ورزی بھی شروع کردی گئی اور ابواب کے نام سے مزید محصول لگایا گیا جس کی مقدار مختلف صوبجات میں مختلف ہے۔ صوبہ متحدہ میں ابواب کی شرح ابتداءً ۲/۱ ۲ فیصدی اور آخر میں دس فیصدی مقرر کی گئی۔ اور اب بھی یہی ۱۰ فیصدی شرح جاری ہے اور چندہ شفاخانہ اس کے علاوہ ہے (حکومت خود اختیاری صفحہ ۲۰)

[1] در افزونی گزیں جنس کوشد۔ و برائے افزائش لختے از دستور کم سازد۔۔۔۔ و ریعود (؟) دوربینی ودادگری فرامش دارد۔۔۔۔ نقد گرفتن خواہند۔ غلہ نیز بر ستانند (آئین اکبری ج ۱ صفحہ ۱۹۹، صفحہ ۱۹۵)

لہذا ہر ایک منصبدار کوشش کرتا تھا کہ اس کی جاگیر میں زراعت کی ترقی زیادہ سے زیادہ ہو۔ اس کے لئے حکومت کی طرف سے تقاوی پر روپیہ تقسیم ہوتا تھا۔ آب پاشی کی حدود میں توسیع کی جاتی تھی۔ کاشتکار کے لئے ہر قسم کی سہولت کا بند و بست کیا جاتا تھا۔

ترقی زراعت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عہد اکبری میں ایک بیگہ کی کم سے کم پیداوار ۸ من ۳۵ سیر تھی۔ درانحالیکہ آج سنہ ۱۹۴۲ء میں صرف ۲ من ہے۔

یہ منصبدار اپنے علاقہ میں خود مختار فرمانروا کی حیثیت رکھتے تھے۔ لہذا ہر ایک صوبہ اپنے اپنے مقام پر خود مختار تھا۔ اسی طرح ریاستیں خود مختار تھیں اور چونکہ اسلحہ کی آزادی، اور باقاعدہ پنچایتی نظام کے باعث انقلاب کی طاقت جمہور کے قبضہ میں ہر وقت رہتی تھی لہذا ہر ایک صوبہ دار اور ہر ایک منصبدار کے لئے باشندگان علاقہ کی دلداری ضروری تھی اور اس طرح ہر ایک باشندۂ ملک محبوبۂ آزادی سے ہمکنار رہتا تھا۔ مزید براں ادنیٰ حکام سے لیکر بادشاہوں تک کے یہاں عام و خاص دربار ہوتے تھے جن میں ہر شخص کو اظہار رائے کا موقع ملتا تھا۔ چنانچہ سر بارٹل فریر نے لکھا ہے:۔

> ایک دیسی شہزادہ کا دربار بھی کونسل کے مشابہ ہوتا ہے۔ ایک اچھے حکمراں کے زیر اثر اس دربار میں سب کی رسائی ہوتی ہے۔ اور ہر ایک کو تقریر کرنے کی بڑی آزادی حاصل ہوتی ہے، اور یہی ذریعہ ہے جس سے وہ رعایا پر کسی قانون کے اثر کو محسوس کر سکتا ہے۔ اور وہ اس طرح بے چینی کو پہلے ہی معلوم کر لیتا ہے۔[1]

---

[1] رپورٹ آئینی اصلاحات۔ مانٹیگو چمسفورڈ ص ۳۸ بحوالہ روشن مستقبل ص ۳

مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ زمانۂ سابق میں موجودہ زمانہ کی کونسلوں کی جگہ بادشاہوں اور امراء کے دربار تھے حکام کے مقابل رعایا کی بے قدری نہ تھی اور یہ واقعہ ہے کہ رعایا کو اس قدر قوت حاصل تھی کہ اس کی وجہ سے حکومت میں تبدیلی بہت آسان تھی۔

شاہجہاں بادشاہ نے جب سرینگر کا دورہ کیا تو وہاں کی غریب اور مزدور رعایا نے کچھ شکایتیں بارگاہ سلطانی میں پیش کیں شکایات کے انسداد کے لئے ایک مفصل فرمان صادر ہوا اور اسکو پتھر پر کندہ کرا کے مسجد کے پھاٹک پر نصب کرا دیا گیا وہ فرمان آج بھی اسی طرح ہے۔ اگرچہ فرماں روا عرصہ ہوا ختم ہو چکا۔ فرمان کے ایک فقرہ کا خلاصہ یہ ہے:۔

"مابدولت کو معلوم ہوا کہ زعفران کی پتی چننے والوں اور شال پر سوئی کا کام کرنے والوں کو بعض اوقات پوری مزدوری نہیں دی جاتی۔ لوگ اس کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس قسم کا کام کرنے والوں کی نگاہ پر کس قدر زور پڑتا ہے۔ آئندہ اس قسم کی کوئی تکلیف مابدولت کے کانوں تک نہ پہنچے۔" [۱]

اندازہ فرمایئے کہ اس شاہنشاہ تک عوام کی رسائی کس طرح ہوئی۔ اور پھر کس طرح اس رحمدل بادشاہ نے فوری توجہ فرمائی۔

مذکورہ بالا منصبداروں پر لازم تھا کہ وہ اپنی فوج رکھیں جس کی تعداد منصب کے اعتبار سے معین ہوتی تھی۔ اور اسی طرح فوج کے جملہ ادوات کی تعداد مقرر تھی۔

مثلاً عہد عالمگیر میں ہفت ہزاری منصبدار پر لازم تھا کہ ۹۰۴ گھوڑے ۱۲۰

---

[۱] ہند عہد اورنگزیب میں صفحہ ۱۰۳۔

۴۱ ہاتھی ۱۱۰ اشتر ۲۷ خچر ۲۲۰ چھکڑا گاڑی رکھے۔ تنخواہ ینتالیس ہزار روپیہ ماہانہ۔ پنجہزاری درجہ اول کی تنخواہ تیس ہزار۔ درجہ دوم کی ۲۹ ہزار درجہ سوم کی ۲۸ ہزار۔ ماہانہ اور ۳۴۰ گھوڑے۔ ۱۱۵ فیل۔ سو اونٹ بیس خچر ۱۶۰ گاڑیاں رکھنی ہوتی تھیں۔

عہد عالمگیر میں منصبداروں کے انیس درجے تھے۔ سب سے اعلیٰ ہفت ہزاری اور سب سے ادنیٰ "یوزباشی" جس کی تنخواہ درجہ اول کی سات سو روپیہ درجہ دوم کی چھ سو روپیہ اور درجہ سوم کی پانسو روپیہ ماہانہ تھی۔ دس گھوڑے ۳ ہاتھی ۲ شتر اور ۵ گاڑیاں رکھنی ہوتی تھیں۔

تمام منصبدار اپنے قبیلہ، اپنی قوم، اپنے جتھے میں سے چھانٹ چھانٹ کر نوجوانوں کی فوجیں مقرر کرتے تھے۔ اس طرح ہر قبیلہ، ہر قوم اور ہر جتھے کا نظام نہایت شوکت اور شان کے ساتھ باقی تھا۔

یہ تھا وہ پسندیدہ اور حیات بخش نظام، جس کی بنا پر ہر ایک قوم زندہ اور منظم تھی۔ اور اس کی حریت اور آزادی میں اس کے سوا کوئی فرق نہ آیا تھا کہ طوائف الملوکی، انتشار اور پراگندگی کے بجائے ایک وسیع نظام کا جزء بن گئی تھی۔ جو پورے ہندوستان کو ایک مرکز پر متحد کرنا چاہتا تھا۔

صوبہ کی مذکورہ بالا مقامی فوج کے علاوہ ایک اور فوج ہوتی تھی۔ جو اس مقامی فوج سے تعلق نہیں رکھتی تھی۔ وہ بادشاہی سپاہ کہلاتی تھی۔ اور صوبہ میں اس کی خاص تعداد رہتی تھی۔ وہ خزانہ شاہی سے تنخواہ پاتی تھی کچھ بادشاہی فوج ایسی بھی ہوتی تھی کہ اس کو گھوڑے اور وردی اور

---

لہ آئین اکبری میں منصبوں کے ۶۶ درجات بیان کئے گئے ہیں اور جب ہر منصبدار کے تین درجے ہوں، تو عہد عالمگیری میں ۱۹ منصبداروں کے ستاون درجات ہوں گے۔ محمد میاں۔

سازو سامان بادشاہوں کی سرکار سے ملتا تھا مگر زیادہ سپاہ ایسی ہوتی تھی کہ وہ اپنے ہتھیار اور گھوڑے اپنے گھر سے لاتی اور ان کے چھوٹے بڑے گروہ اپنے اپنے سرداروں سمیت آتے تھے۔ الگ الگ سپاہی نوکر ہوتا تھا۔

جب کسی صوبہ میں شر و فساد برپا ہوتا تو بادشاہی سپاہ کمک کے لئے بھیجی جاتی تھی۔ اس سپاہ کا ایک اعلیٰ افسر ہوتا تھا۔ اور اگر یہ سپاہ بہت ہوتی تو اس کا افسر صوبہ کے حاکم کا ہمسر اور برابر سمجھا جاتا تھا۔ وہ خاص بادشاہ کے سامنے جوابدہ ہوتا تھا۔

کبھی کبھی ضرورت کے وقت بادشاہ صوبوں کے حاکموں کے نام فراہمی سپاہ کا فرمان صادر کرتا۔ صوبہ دار اپنے علاقہ کے زمینداروں سے مدد لیتا۔ اپنے خاص صوبے کی سپاہ سے مدد کرتا۔ اور اگر خزانہ میں روپیہ ہوتا تو نئی بھرتی کرتا۔ [1]

جب کسی دوسرے ملک پر حملہ کرنا ہوتا تو جو صوبہ اس سے متصل ہوتا اس سے مدد لی جاتی۔ اور اسی صوبے سے سامان رسد وغیرہ فراہم کیا جاتا۔ جو افسر اس ملک پر حملہ کرنے کے لئے مقرر ہوتا اسی کو اس متصل صوبہ کا صوبہ دار بنادیا جاتا تھا۔

مثلاً شاہزادہ اورنگ زیب بہادر کو قندھار پر حملہ کے لئے نامزد کیا گیا تو اس کو صوبہ ملتان اور سندھ کا صوبہ دار بنادیا گیا۔ یہاں سے اس نے سپاہ اور سامان رسد فراہم کیا۔ اپنے خزانہ سے مصارف جنگ برداشت کئے۔

---

[1] تاریخ ہندوستان حصہ ۳ صفحہ ۲ ج ۵۔

# عہد مغلیہ میں تعلیمی حالت

تقریباً سنہ ۱۶۹۹ء میں کپتان ہملٹن خلیج فارس سے ہوتے ہوئے ساحل ہندوستان پر آئے ہیں۔ سب سے پہلے انھوں نے اُس حصہ ہندوستان کو دیکھا ہے جو سندھ کے نام سے موسوم ہے۔ سندھ میں ایک شہر تھا جس کا نام "ٹھٹھ" تھا۔ ہندوستان کا یہ پہلا شہر تھا جو ان کو پہلے پہل نظر آیا۔ وہ لکھتے ہیں :-

"ٹھٹھ شہر علوم فقہ، فلسفہ و سیاسیات کے لئے مشہور ہے۔ ان علوم میں لڑکوں کو تعلیم دینے کے لئے تقریباً چار سو کالج یہاں ہیں" (جلد اول صفحہ ۱۲۷)۔ [۱]

پروفیسر ماکس میلر سرکاری کاغذات کی بنا پر لکھتا ہے :-

برطانوی حکومت سے قبل بنگال میں اسّی ہزار دیسی مدارس تھے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے یہ معنی ہوئے کہ آبادی کے ہر چالیس افراد کے لئے ایک مدرسہ قائم تھا [۲]

تمام ہندوستان کے شہروں اور ضلعوں کی تعلیمی حالت کا اندازہ ریونٹ وارڈ سنہ ۱۸۱۲ء کے مندرجہ ذیل فقرہ سے ہوتا ہے :-

"انڈیا ڈسٹرکٹ اسکولوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہاں ہر ۳۱ لڑکوں پر ایک اسکول ہے" [۳]

دیہات میں تو چالیس افراد پر ایک مدرسہ پڑتا تھا۔ لیکن شہروں میں

---

[۱] عہد اورنگ زیب میں صفحہ ۵ [۲] تعلیمی ہند صفحہ ۲ [۳] ایضاً صفحہ ۳

مدارس کے لحاظ سے افراد کا اوسط کم ہو جاتا ہے اور صرف ۳۱ باقی رہتا ہے۔

خاص دارالسلطنت آگرہ اور دہلی کے علمی مذاق کا اندازہ حسب ذیل عبارتوں سے ہوتا ہے۔

آگرہ میں متعدد مدارس قائم تھے۔ یہاں کی تعلیم گاہوں کے لئے شیراز سے علماء بلائے جاتے تھے۔ لالہ سیل چند جو ۱۸۲۵ء کے قریب ہوئے ہیں۔ اپنی کتاب تفریح العمارات میں لکھتے ہیں۔

"در عہد جلال الدین محمد اکبر شاہ جابجا مدرسہ ہا بود ند۔ استادان فارس و شیراز تعلیم می فرمودند چنانچہ تاحال مدرسہ عالی اساس کہ رونق افزائے بوستان سخنوریست دریں دارالخلافہ علمت اساس دارد۔ و مشاہدہ مکانا آں تخم حیرت در دیدہ قریب می کارد[1]"

جہانگیر اپنی تزک میں لکھتا ہے :- کہ

"آگرہ کی آبادی صناعوں اور طلبار علوم سے بھری ہوئی ہے۔ ہر مذہب و ملت کے علماء اس شہر میں آباد ہیں۔"[2]

جہانگیر نے یہ قانون وضع کیا تھا کہ :-

"حدود مملکت میں جہاں بھی کوئی مالدار رئیس یا پردیسی تاجر بغیر کسی جانشین یا وارث کے مرجائے تو اس کی تمام جائداد و املاک بنام سلطنت منتقل ہو کر مدرسوں اور خانقاہوں پر صرف ہو۔" (منتخب اللباب خوانی خاں)[3]

دہلی کی جامع مسجد عہد شاہجہانی کی صرف تعمیری یادگار نہیں، بلکہ اس سلسلہ میں اوراق تاریخ پر چند اور رفاہ عام کی عمارتیں بھی

---

[1] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں صفحہ ۲۲ [2] ایضاً صفحہ ۲۳ [3] ایضاً صفحہ ۲۳۔

ہمیشہ یادگار زمانہ رہیں گی۔ جیسا کہ "اسٹیفن" نے لکھا ہے کہ:۔

مسجد کے شمالی رخ پر شاہی شفاخانہ قائم تھا۔ جہاں غربا اور مسکینوں کے لئے علاج کے تمام اسباب و سامان مہیا کئے گئے تھے۔ مفت علاج کیا جاتا تھا۔ اور دوائیں بھی بلا قیمت تقسیم کی جاتی تھیں۔ مسجد کے جنوبی رخ پر شاہی مدرسہ تھا۔ اس مدرسہ کا سال بنا تخمیناً ۱۰۶۰ھ عہد شاہجہانی تھا۔ اور اس کا نام دار البقاء تھا۔ [1]

یہ سفید فام درندے جو آج تہذیب و اخلاق کا نقارہ پیٹ رہے ہیں کبھی کبھی اپنی کسی خاص مصلحت سے سچی بات بھی کہہ جاتے ہیں۔ چنانچہ مسٹر لڈلو اپنی کتاب تاریخ برطانوی ہند میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کے ہر گاؤں میں جو اپنی قدیم شان اور حیثیت کو قائم کئے ہوئے تھا، عام طور پر بچے لکھ پڑھ سکتے تھے۔ اور حساب میں ان کو خاص مہارت ہوتی تھی۔ لیکن ہم نے بنگال کی طرح جہاں جہاں دیسی سسٹم فنا کر دیا ہے اس جگہ دیسی مدرسے بھی فنا ہو گئے ہیں" [2]

سر طامس منرو نے برطانوی قبضہ سے قبل ہندوستان کی حالت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

ہندوستانیوں کا طریقہ کاشتکاری بے مثل۔ ان کی قابلیت کاشتکاری کے معاملہ میں اعلیٰ۔ ہر قریہ میں ایسے مدارس کی موجودگی جن میں نوشت و خواند اور حساب کی تعلیم ہوتی ہو۔

---

[1] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں صفحہ ۶۷۔ [2] تعلیمی ہند صفحہ ۲۔

ہر شخص میں مہمان نوازی اور خیرات کرنے کا مبارک جذبہ موجود ہو۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ صنف نازک پر پورا اعتماد کیا جاتا ہو۔ اس کی عزت و عصمت اور عفت کا پوری طرح لحاظ رکھا جاتا ہو یہ ایسے اوصاف ہیں جن کے ہوتے ہوئے ہم ان کو غیر مہذب اور غیر متمدن نہیں کہہ سکتے۔ ایسی صفات کی موجودگی میں ہندوستانیوں کو یورپی اقوام سے کسی طرح کمتر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اگر انگلستان اور ہندوستان کے درمیان تہذیب و تمدن کی تجارت کی جاوے تو مجھے یقین کامل ہے کہ ہندوستان سے تمدن کی جو کچھ درآمد انگلستان میں ہوگی اس سے انگریزوں کو بہت فائدہ پہنچے گا۔[۱]

ایک ہندوستانی مؤرخ لکھتا ہے:۔

"ہر بستی میں ایسے مدارس ہوتے تھے۔ جن کے لئے زمینیں وقف ہوتی تھیں"[۲]

**عدل و انصاف**

رعایا کے لئے عدل و انصاف کے اس زمانہ میں دو طریقے تھے۔ ایک رعایا کی طرف سے دوسرا بادشاہ کی طرف سے اور دونوں طریقوں میں رعایا کا ایک پیسہ کا خرچ نہ تھا۔ رعایا کی طرف سے گاؤں گاؤں پنچائتیں تھیں جو بمنزلہ حکومت خود اختیاری کے تھیں۔ ان

---

۱ تعلیمی ہند صـ۲ ۲ ملاحظہ ہو دیئر گورنمنٹ ان برٹش انڈیا۔ مصنف مسٹر ماتھا حصہ دوم۔ بحوالہ مالیات عامہ صـ۲۹ ۔ ۳ سر ہنری اسٹریچی صاحب جج کلکتہ ہائی کورٹ نے لکھا تھا: "ہندوستان جیسے آباد اور مہذب ملک میں انصاف اور معدلت کا نفاذ صرف اسی ملک کے باشندوں کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے۔" صـ۱۲۲ دت جلد اول بحوالہ حکومت خود اختیاری صـ۴ لارڈ سیلسبری نے فرمایا تھا کہ جو لوگ ہندوستان سے سب سے زیادہ واقف ہیں ان کی متفق رائے یہ ہے کہ چند چھوٹی چھوٹی دیسی ریاستیں (باقی صـ۲۴ پر)

پنچایتوں کی نوعیت مختلف صوبہ جات میں مختلف تھی مگر اصولاً سب ایک حیثیت رکھتی تھیں۔ ان پنچایتوں میں بالعموم ہر پیشہ کا ایک ایک آدمی لیا جاتا تھا اور سب یکجا بیٹھ کر مقدمہ کا فیصلہ کرتے تھے۔ اور کبھی کسی کے ذہن میں بھی نہ آسکتا تھا کہ پنچایت کی گدی پر جس پر خدا کا سایہ ہوتا ہے بیٹھ کر کوئی شخص ایمان اور ضمیر کو بیچ سکتا ہے۔ پنچایتوں کا یہ نظام ہندوستان میں ہزاروں سال سے چلا آتا تھا۔ اور مسلمانوں کی حکومت کے زمانہ میں بھی بجنسہ رہا۔

(پنچایتوں کے متعلق سر طامس منرو کا مفصل بیان پہلے نقل کیا جا چکا ہے)

رعایا کی طرف سے انتظام کے بعد چند الفاظ شاہی عدالتوں کی نسبت لکھنے مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ یہ عدالتیں نام کو تو شاہی تھیں۔ مگر ان پر بادشاہ کا اثر نہ تھا۔ ان میں مسلمانوں کے معاملات قرآن شریف کی رو سے اور ہندوؤں کے معاملات دھرم شاستروں کی رو سے طے ہوتے تھے۔ اور ان کی طاقت کی یہ کیفیت تھی کہ ذاتی امور میں بادشاہ بھی مفتیوں کے فتاوی اور شرعی فیصلوں کے تابع ہوتے تھے۔

اس مضمون کو انگلستان کے مشہور مقرر ایڈمنڈ برک نے اپنی پارلیمنٹ کی ایک تقریر میں خوب واضح کیا تھا جس میں سے چند الفاظ یہ ہیں۔

جناب والا! میں ایشیا کی حکومتوں کی نسبت جرأت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان میں سے کسی کو خودسری کے اختیارات حاصل نہ تھے اور اگر کسی کو تھے تو وہ انھیں کسی دوسرے

---

(بقیہ صفحہ ۲۳) جن کا نظم و نسق عمدہ ہو۔ ہندوستانیوں کے سیاسی اور اخلاقی ارتقا کے لئے حد درجہ مفید ہیں۔ (چیمبرز جلد ۱۵۵ صفحہ ۱۰۴۳)۔

کو سپرد نہ کر سکتا تھا......

میں پُرزور الفاظ میں کہتا ہوں کہ مشرقی ممالک کی حکومتیں خودمختارانہ اختیارات کا نام تک نہیں جانتیں۔

ایشیا کا بڑا حصہ مسلمان حکمرانوں کے تحت میں ہے اور مسلمان حکومت کے معنی ہی قانونی حکومت کے ہیں۔

عیسائی بادشاہوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے قانون میں بدرجہا زیادہ مضبوطیاں ہیں۔ ان کا اپنے قانون کی نسبت یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔ اس لئے رعایا سے لے کر بادشاہ تک سب کے سب یکساں طریقے پر قانون اور مذہب دونوں کے پابند ہیں۔ اور اگر کوئی شخص قرآن کی ایک آیت بھی اس مضمون کی دکھا دے کہ اس کی رو سے کسی کو خودمختارانہ اختیارات حاصل ہیں تو میں تسلیم کروں گا کہ میں نے بے کار اس کا اور ایشیا کے حالات کا مطالعہ کیا ہے۔ قرآن شریف میں ایک لفظ بھی اس بارہ میں نہیں ہے۔

بلکہ برخلاف اس کے اُس قانون کا ہر ہر حرف ظالموں کے خلاف گرج رہا ہے۔ اُس قانون کی شرح کرنے والے علماء یا قاضیوں کا طبقہ موجود ہے جو اس کا محافظ قرار دیا گیا ہے۔ اور جو بادشاہ کی ناراضی سے محفوظ ہے اور جسے بادشاہ ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ اُن کے بادشاہوں تک کو حقیقی اعلیٰ طاقت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ وہاں کی حکومت ایک حد تک جمہوری ہے[۱]

---

[۱] تقریر ایڈمنڈ برک (انگریزی جلد اول ص۲۲ و ص۵ ایجوا روشن مستقبل ص۲۳)

کپتان الگزینڈر ہملٹن نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے :-

اس ملک کی رعایا فرامین کی اس قدر پابندی کرتی ہے کہ ڈاکہ و قتل کی خبریں بہت کم سنی جاتی ہیں - ایک غیر ملک کا باشندہ اس ملک میں کہیں چلا جائے کوئی یہ کبھی نہیں پوچھتا کہ وہ کہاں جاتا ہے اور کیوں جاتا ہے - (جلد اول صفحہ ۲۰۹)

کپتان صاحب موصوف کو پچیس سال کی سیاحت میں صرف ایک مرتبہ ڈاکوؤں سے دو چار ہونا پڑا - ایک قافلہ کے ساتھ شہر سورت کو جب کپتان صاحب اور ان کے ہمراہی وملازمین جا رہے تھے کہ چند قزاقوں کے گروہ نے قافلہ کو روکنا چاہا - یہ ڈاکو حدود ہندوستان سے خارج بلوچستان سے آ گئے تھے ) کپتان صاحب اور ان کے ملازمین نے بڑی بہادری سے مقابلہ کرکے ان کو بھگا دیا - یہ خبر اڑتی اڑتی شہر سورت میں پہنچی - کپتان صاحب لکھتے ہیں کہ جب ان کا قافلہ سورت کے قریب پہنچا تو اہالیان شہر نے مٹھائیوں اور تحفوں کے ساتھ اُن کا استقبال کیا اور جب کپتان صاحب نے گورنر سورت سے ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کی تو گورنر نے چند گھوڑے زیور سے آراستہ پیراستہ اور ایک باڈی گارڈ استقبال کے لئے روانہ کیا - اور جب وہ قریب آئے تو خلاف معمول و خلاف دستور کپتان صاحب کی سواری کو اپنے خیمہ تک آنے کی اجازت دی - ان کے تمام مال و اسباب کا محصول معاف کر دیا - اور بہ نفس نفیس خود فوج کا ایک دستہ لے کر اُن قزاقوں کو سزا دینے کے لئے روانہ ہوا - (جلد اول صفحہ ۱۱۹) اور ان کی دعوت کے لئے ایک گائے پانچ بھیڑیں، پانچ بکریاں، بیس مرغیاں

پچاس کتو برا در بہت سی مٹھائی اور پھل بھیجے۔ (جلد اول ص۱۱۸ دفعہ ۱۲۰ فقرہ ۱)

اس قدر خاطر مدارات کی غالباً یہ وجہ تھی کہ بادشاہ وقت اورنگزیب کو حفظِ امن کا بیحد خیال تھا۔ اور جب کبھی کسی مقام پر اس قسم کا واقعہ ہو جاتا تھا تو اس کی تمام ذمہ داری گورنر صوبے کے سر ہوتی تھی ایک مرتبہ جب اورنگ زیب کو اطلاع ہوئی کہ سورت میں ڈاکہ پڑا ہے تو فرمان شاہی صادر ہوا کہ شہر کے گرد چہار دیواری بنا دی جائے۔ (جلد اول ص۱۴۵)

**یکساں شہری حقوق اور مساوات** سر ولیم بینٹنگ ابتدا میں مدارس کے گورنر اور اس کے بعد ہندوستان کے مشہور وائسرائے رہے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:۔

> بہت سے اعتبارات سے مسلمانوں کی حکومت ہماری حکومت سے سبقت لے گئی۔ جو ممالک انھوں نے فتح کئے۔ اُن میں وہ رہ پڑے، انھوں نے وہاں کے باشندوں کے ساتھ مناکحت کی اور انھیں جملہ حقوق دیئے۔ فاتح اور مفتوح کے منافع اور ہمدردیاں ایک ہو گئیں۔ اسی کے مقابلہ میں ہماری حکمت عملی اس کے برعکس رہی جس میں سرد مہری، خود غرضی اور بے حسی تھی۔[۱]

بنگال کے مشہور مؤرخ اور سائینسداں ڈاکٹر سر سی۔ پی۔ رائے نے بنگال مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کی تقریر کی صدارت میں فرمایا تھا:۔

> آج بھی حکومت برطانیہ اورنگزیب اور شیر شاہ سے بہت کچھ سبق سیکھ سکتی ہے جنھوں نے ہندؤں اور مسلمانوں کے آرام و

---

[۱] ہندوستان میں عیسائیوں کی حکومت از میجر باسو۔ جلد چہارم ص۲۳۶ بحوالہ ریشن سنفیل ص۲۴۲

آسائش کے لئے سڑکیں تعمیر کیں اور ان پر جگہ جگہ کارواں سرائے
قائم کر کے ان کی مذہبی اور معاشرتی زندگی کے لئے سرکاری
طور انتظامات کئے۔ یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ وہ انسانوں
میں امتیاز روا نہیں رکھتا اور یہی اسلامی مساوات تھی
جس نے بہت سے ہندوؤں کو حلقہ بگوش اسلام بنا دیا۔[1]
لارڈ ڈاڈ میلے نے ۱۸۶۶ء میں بیان کیا تھا مغلیہ سلطنت کا راز
وہ سیر چشم حکمت عملی تھی جو اکبر اور اس کے جانشینوں کا شعار رہی جنہوں
نے ہندوؤں کی اعانت اور قابلیت سے فائدہ اٹھایا۔ اور حتی المقدور
خود کو اہل ملک کے ساتھ ایک ذات کر لیا۔ (ہینسرڈ جلد ۱۸۴ ص ۱۰۴۳)[2]

**حقوق ملازمت** یہ ایک مسلم امر ہے کہ زمانہ سابق میں عہدوں
کی تقسیم میں قوم و مذہب کا کوئی سوال نہ تھا
اور کوئی زمانہ ایسا نہ تھا جس میں ہندو راجاؤں کے یہاں مسلمان وزیر
اور گورنر اور مسلمان بادشاہوں کے یہاں ہندو وزیر اور صوبہ دار
نہ رہے ہوں۔ اس زمانہ کی نوکریوں کی ایک خصوصیت یہ ہوتی تھی کہ نسلاً
بعد نسل جاری رہتی تھیں۔ ملازمتوں کے بارہ میں شہنشاہ اورنگزیب
پر الزام لگایا جاتا ہے کہ اس نے ہندوؤں کو خارج کیا مگر مسٹر ٹی۔ ڈبلیو۔
آرنلڈ جنہوں نے مسلمانوں کے خلاف بھی تاریخی خدمات انجام دی ہیں
اور جو علی گڑھ کالج اور پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر رہے ہیں۔
اپنی کتاب "پریچنگ آف اسلام" میں تحریر فرماتے ہیں:۔
اورنگ زیب کے فرامین اور مراسلات کے ایک قلمی

---

[1] مدینہ بجنور ۔ ۷ مئی ۱۹۳۶ء صفحہ ۵ کالم ۳ و ۴ [2] بحوالہ حکومت خود اختیاری صفحہ ۳

مجموعہ[1] میں جو ابھی تک طبع نہیں ہوا مذہبی آزادی کا وہ جامع مانع اصول درج ہے جو ہر ایک بادشاہ کو غیر مذہب کی رعایا کے ساتھ برتنا ضروری ہے۔

جس واقعے کے متعلق یہ اصول بیان ہوا ہے وہ یہ ہے۔ کہ عالمگیر کو کسی شخص نے عرضی دی کہ دو پارسی ملازموں کو جو تنخواہ تقسیم کرنے پر مقرر تھے اس علت پر برخاست کر دیا جائے کہ وہ آتش پرست ہیں اور ان کی جگہ کسی تجربہ کار معتبر مسلمان کو مقرر کیا جائے۔ کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ اَوْلِیَآءَ (اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت جانو۔)

عالمگیر نے عرضی پر حکم لکھا کہ مذہب کو دنیا کے کاروبار میں دخل نہیں ہے اور نہ ان معاملات میں تعصب کو جگہ مل سکتی ہے اور اس قول کی تائید میں یہ آیت نقل کی:۔ لَکُمْ دِیْنُکُمْ وَلِیَ دِیْنِ " "تم کو تمہارا دین اور ہم کو ہمارا دین"

بادشاہ نے لکھا کہ جو آیت عرضی نویس نے لکھی ہے اگر یہی سلطنت کا دستور العمل ہوتا تو ہم کو چاہئے تھا کہ اس ملک کے سب راجاؤں اور ان کی رعیت کو غارت کر دیتے۔ مگر یہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ بادشاہی نوکریاں لوگوں کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے موافق ملیں گی۔ اور کسی لحاظ سے

---

[1] اس کتاب کے مترجم مولوی عنایت صاحب ق۔ مد۔ حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں اس مجموعہ کا قلمی نسخہ نواب عبدالسلام خاں صاحب کے پاس ہے میں خانصاحب ممدوح کا مشکور ہوں کہ انھوں نے یہ قلمی نسخہ مجھ کو دیکھنے دیا۔ صفحہ ۲۷

نہیں مل سکتیں۔ ؎۱

بنگال کے مشہور مورخ اور سائنسداں سرسی۔ پی۔ رائے نے ۱۹۳۶ء میں بنگال کے مسلم اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے جلسہ میں جدید وزارت کا استقبال کرتے ہوئے بحیثیت صدر جلسہ فرمایا تھا۔

بنگال برطانوی حکومت کے بجائے اسلامی عہد میں بہت زیادہ خوشحال تھا۔ شہنشاہ اورنگ زیب پر آج کل بڑی نکتہ چینیاں ہوتی ہیں۔ انھیں برطانوی مورخوں نے ان تاریخوں میں جو ہندوستان کے کالجوں اور مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں متعصب، اور ہندوؤں سے نفرت کرنے والا دکھایا ہے۔ کس قدر شرم کی بات ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کو مصلحت آمیز سیاست کے ماتحت اس جھوٹ اور افتراپردازی کو سچ جاننے کے لئے مجبور کیا گیا۔

میں سرجادو ناتھ سرکار۔ ڈاکٹر موجمدار پروفیسر تاریخ ڈھاکہ یونیورسٹی اور بہت سے دیگر اشخاص سے جنھیں تاریخ ہند میں ماہر مانا جاتا ہے پوچھتا ہوں کہ کیا وہ کوئی ایک مثال بھی دکھلا سکتے ہیں کہ شہنشاہ اورنگ زیب نے بنگال کے ہندوؤں سے جزیہ وصول کیا ہو۔

شہنشاہ اورنگ زیب نے بنگال کی حکومت مرشد قلی خاں ایک برہمن نو مسلم کے سپرد کی کہ وہ یہاں کی مالیات کو درست کردیں چنانچہ یہاں ہندو اور مسلمان افسران کے تعاون

---

؎۱ دعوت اسلام ترجمہ پریچنگ آف اسلام ص ۲۹۸۔

باہمی کا نتیجہ تھا کہ ان کے زیر نگیں بنگال کے ساتھ نہایت منصفانہ برتاؤ برتا گیا۔ اورنگ زیب کے عہد میں بھی بنگال کے ہندوؤں کو منصب داری اور بڑی بڑی جاگیریں عطا کی گئیں۔ اور بڑے بڑے زمیندار بنا دیئے گئے۔ اورنگزیب نے ہندوؤں کو گورنر بنایا۔ گورنر جنرل بنایا۔ وائسرائے بنایا، جنرل، اور کمانڈر انچیف بھی بنایا۔ یہاں تک کہ اس نے خالص اسلامی صوبہ افغانستان پر بھی جو نائب السلطنت مقرر کیا تھا وہ ہندو راجپوت ہی تھا سیواجی کو آج کل کی تاریخوں میں ہندو مذہب کا ایک زبردست ہیرو بتایا گیا ہے۔ مگر ایسا کہنا قطعی سیاست ہے، تاریخ نہیں۔ کوئی تاریخ داں اس من گھڑت افسانہ کو تسلیم نہیں کرسکتا۔ سیواجی کے مقابلہ پر راجہ جے سنگھ تھے جنھیں ایک ہندو سردار سیواجی کی بغاوت کا قلع قمع کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا۔

مہاراجہ جے سنگھ نے شہنشاہ اورنگ زیب سے اس کی بارہا شکایت کی تھی کہ اس مہم میں دکن کے مسلمان کمانڈر اور مسلمان سرداران کی درراجہ جے سنگھ کی) امداد نہیں کرتے۔ کیا کوئی سلیم العقل ایک لمحہ کے لئے بھی تسلیم کرسکتا ہے کہ سیواجی کے ساتھ لڑائی مذہبی یا فرقہ وارانہ معرکہ آرائی تھی۔ یہ محض سیاسی جنگ تھی اور منجملہ اور بغاوتوں کے ایک بغاوت تھی۔ لہ

---

لہ مدینہ بجنور مورخہ ۵ مئی ۱۹۳۳ء صہ کالم ۳ و ۴

اگر ہندو مسلمانوں کے تعلقات کی مضبوط بنیاد نہ ہوتی تو مغلوں کی قوت ٹوٹ جانے کے بعد یہ حالت نہ رہتی۔ مگر چونکہ ان تعلقات میں اصلیت تھی اس لئے بعد کی طوائف الملوکی کے زمانہ میں بھی یہی کیفیت رہی۔ چنانچہ سراج الدولہ والی بنگال کا صدر دیوان یا وزیر اعظم موہن لال تھا۔ پٹنہ کا حاکم رام نرائن تھا[1] ٹیپو سلطان کا معتمد سردار پورنیاں برہمن تھا۔

ڈبلیو۔ ایم۔ ٹارانس اپنی کتاب "ایشیا میں شہنشاہیت" میں فرماتے ہیں:-

سیواجی کو متعصب اور سلطان ٹیپو کو کٹر مذہبی کہا جاتا ہے لیکن جس وقت ہم نے جنوبی ہند کی ریاستوں میں دخیل ہونا شروع کیا اس وقت ان کے یہاں اس قسم کے مذہبی تنفر کا کہیں نام تک نہ تھا جس طرح انگلستان اور یورپ کے تقریباً سب حصوں میں مخلوق کو تباہ کرنا روا رکھا جاتا تھا، جب آئرلینڈ میں کوئی رومن کیتھولک نہ اپنی بزرگوں کی جاگیر کا حقدار سمجھا جاتا تھا نہ فوج کا افسر ہو سکتا تھا جب سویڈن میں سوائے لوتھر کے معتقدین کے اور کسی عقیدہ کا کوئی ملازم نہیں ہو سکتا تھا، ٹھیک اس وقت ہندوستان کے اندر اس کے ہر شہر اور شاہی دربار میں ہندو مسلمان عزت اور سرمایہ کمانے میں ایک دوسرے سے بازی لیجانے میں آزاد تھے۔[2]

**داد و دہش** بادشاہ سایۂ خدا ہے[3]۔ لہٰذا اس کو خداوند بالا و برتر کی طرح عام رعایا کے لئے پیکر رحم و کرم اور

[1] انڈین ریکارڈس سیریز جلد ۲ صفحہ ... بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ... [2] ایضاً
[2] تاریخ ٹیپو سلطان از کرنیل مائیلز بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ... روشن مستقبل صفحہ ۲۰ و ۱۹
[3] کارخانہ بادشاہی نمونہ درگاہ الٰہی است بخشش مبال اللہ فروق علی الفقراء (عالمگیر) رقعات ... ۳

مجسمۂ عدل و انصاف ہونا چاہیے۔ باپ کی طرح رعایا کی پرورش ان کے دکھ سکھ کا پورا پورا خیال رکھنا، درماندہ انسانوں کو جود و عطا سے نوازنا آبادیٔ ملک و سلطنت اور ترقی دولت و حکومت کا ذریعہ ہے، خزانۂ شاہی مصلحتِ ملک و ملت اور نفع رسانیٔ خلق خدا کے لئے ہے۔ وہ کسی کی ملک نہیں۔ یہ عقائد و جذبات وہ تھے جنھوں نے نظام سلطنت کے رگ و ریشہ میں غربا پروری اور داد و دہش کی روح پھونکدی تھی مثل مشہور ہے: "الناس علی دین ملوکھم" (عام آدمی بادشاہوں کے طریقوں پر چلا کرتے ہیں) چنانچہ جب بادشاہوں کے یہ عقائد تھے تو عام امرا اور دولتمندوں کے جذبات و خیالات کا بھی اس سے اندازہ ہو جاتا ہے۔

شاہجہاں کے حالات میں پہلے گزر چکا ہے کہ ہر سال دو مرتبہ بادشاہ سونے چاندی وغیرہ سے اپنا وزن کرایا کرتے تھے۔ شاہزادے شاہزادیاں اور شاہی بیگمات بھی اپنی اپنی جاگیروں کی آمدنی سے سال میں کم از کم دو بار انھیں چیزوں سے وزن کرایا کرتی تھیں[۱]

وزن کی رسم نام نہاد تہذیب کے موجودہ دور میں دقیانوسیت اور توہم پرستی مانی جاتی ہے۔ لیکن یہ توہم پرستی غربا پروری کا بہترین ذریعہ تھی۔

---

باقی صفحہ ۳۳ (۱) اسی قسم کے مقولے آئین اکبری میں اکبر کے۔ تزک میں جہانگیر کے۔ اور شاہجہاں کی تواریخ میں شاہجہاں کے منقول ہیں۔ بعض بعض جیسے ہم نقل کر چکے ہیں۔

[۱] اکبر کے زمانہ سے یہی طریقہ جاری تھا۔ جس میں شاہجہاں نے اور اضافہ کیا اس کے علاوہ شاہجہاں نے اپنے تیس سالہ دور حکومت میں ساڑھے نو کروڑ روپیہ انعامات میں تقسیم کیا۔ تاریخ ہندوستان صفحہ ۵۴۴۔

شاہانہ طرز ملک کا عام فیشن ہو جایا کرتا ہے۔ چنانچہ سالگرہ کی رسم امراء و ارباب دولت کے علاوہ متوسط بلکہ غرباء کے طبقہ میں بھی عام تھی جس کے کچھ آثار آج تک پرانی تہذیب کے حامیوں میں موجود ہیں۔ اسی طرح شادی اور غمی کے موقعوں پر بہت سی رسمیں رائج تھیں۔ جس کا منشاء غرباء پروری تھا مرنے کے بعد ایک دوست ایک عزیز یا ایک معتقد اپنے دوست عزیز یا شیخ کو کس طرح یاد کیا کرتا تھا۔ اس کی کیفیت ان ہزاروں لاکھوں وقف ناموں سے دریافت کرو جو مزارات کے نام آج تک موجود ہیں۔ باوجودیکہ زمانہ کی دستبرد نے ان میں سے ۹۵ فیصدی سے بھی زیادہ کو انقلاب حکومت یا متولیوں کی خیانت کے نذر کر دیا ہے۔ آج تاج محل کے اوقاف اگرچہ باقی نہیں رہے مگر گرد اگرد سکڑوں حجرے بانی تاج محل کی جود و سخا کا افسانہ ہر ایک سیاح کو ضرور سنا دیتے ہیں۔

ضرورت سے زیادہ نوکروں کا رکھنا اور پھر اُن کے اہل و عیال کی تمام ضروریات کا متکفل ہو جانا، ان کی اولاد کو اپنی اولاد کی طرح پالنا، اور ان کی تقریبات کے مصارف اپنی جیب خاص سے برداشت کرنا آج تک قدیم خاندانوں کے روساء میں موجود ہے۔

سیدنا شاہ ولی اللہ صاحب تفہیمات الٰہیہ میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

تم میں کوئی مالدار ایسا نہیں جس کے ساتھ بہت سے کھانے والے لگے ہوئے نہ ہوں تم انکو کھلاتے اور پہناتے ہو مگر زکوٰۃ اور عبادت کی نیت نہیں کرتے۔

**مذہبی حقوق کی حفاظت** | جملہ مذاہب کے معابد کی حفاظت کے لئے جو طریقہ محمد بن قاسم نے جاری

کیا تھا۔ اُس پر جملہ بادشاہ عمل کرتے چلے آئے اور بلا لحاظ رعایا کے عقیدے کے اُن کے لئے جاگیریں اور جائدادیں وقف کرتے رہے۔ یہاں تک کہ اورنگ زیب کی نسبت جنھیں متعصب بادشاہ کہا جاتا ہے سب کو معلوم ہے کہ انھوں نے بعض مندروں کے لئے جائدادیں عطا کیں۔ ان کا ایک فرمان مورخہ ۱۵ رجادی الثانی ۱۰۶۹ھ بنام ابوالحسن گورنر بنارس پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔

اسی کا یہ نتیجہ آج تک ہے کہ حیدرآباد اور بروڈہ میں ایک طرف مندروں کے پجاری ریاست کے تنخواہ دار ہیں تو دوسری طرف جامع مسجد کے امام کا شمار سرکاری ملازموں میں ہے۔ اسی لئے یہ امر مسلمات میں ہے کہ پچھلی عملداریوں میں رعایا کے مذہبی حقوق کی کامل حفاظت تھی۔

ہندوستان کے مشہور مؤرخ پنڈت سندرلال صاحب الہ آبادی کی ایک تحریر "عالمگیر اور ہنود" کے زیر عنوان پہلے نقل کی جا چکی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ دونوں مذہبوں کی مساوی توقیر کی جاتی تھی۔ ہر بادشاہ کی طرف سے بیشمار جاگیریں اور معافیاں ہندو مندروں کو دی گئیں۔

خان بہادر چودھری نبی احمد صاحب مرفع بنارس ص ۱۶۲ میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اسی طرح شہنشاہ اورنگ زیب نے گردھر پجگ جیون ساکن موضع بیسی ضلع بنارس اور جگد مصر ساکن مہیش پور پرگنہ دیلی اور نند بلبھدر مصر کو جاگیریں عطا کیں[1]"

ہندوؤں کے مشہور مقدس مقام "بودھ گیا" (جہاں ہندوستان کے مصلح اعظم مہاتما بدھ کو علم حاصل ہوا تھا) کے متعلق کئی لاکھ کی جائداد وقف

---

[1] روشن مستقبل ص ۳۳۰ طبع سوم۔

ہے، وہ تمامتر اسلامی سلاطین کے فیض کرم کا نتیجہ ہے۔

بادشاہ یا راجہ جب رعایا کے مذاہب کا احترام کرتے تھے تو اس کا لازمی اثر یہ تھا کہ رعایا بھی ایک دوسرے کے مذہب اور مذہبی بزرگوں کا احترام کرتی تھی[1] (مزید تفصیل آئندہ ہندو مسلم تعلقات کے ضمن میں کی جائیگی)

# ہندو مسلم تعلقات

عہد برطانیہ کی ہندو مسلم کشیدگی نے اس موضوع کو نہایت اہم بنا دیا ہے لہذا کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے۔

اکبر بادشاہ کا مخصوص نظریہ جس کو اس نے اپنی شہنشاہیت کے بقاء و استحکام کے لئے ضروری سمجھا، یہ تھا "بادشاہ تمام باشندگان ملک کا مشترک مربی ہے۔ لہذا اس کا مذہب بھی مشترک ہونا چاہئے۔"

لیکن اکبر کی لادینی اس نظریہ کی موجد ہوئی یا ملک کی عام فضا؟ "دبستان مذاہب" کے مندرجہ ذیل اقتباسات اس سوال کا جواب دینگے۔

---

[1] ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں ص ۹ [2] یہ کتاب شاہجہاں کے عہد مبارک میں لکھی گئی ہے مصنف نے دیباچہ میں اپنا نام نہیں لکھا۔ وہ نامہ نگار کا لفظ اپنے لئے استعمال کرتا ہے مصنف نے دنیا بھر کے تمام مذاہب کے عقائد کو اس کتاب میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے اور اس دعوے کے ساتھ "معنی گزیں ہے نہ دکاست بعض وجہ اثبات و استدلال گزاردہ آمد" (ص ۲) اہل ہند کے مشہور و معمولی مذاہب کو گیارہ ابواب میں بیان کرنے کے بعد بارھویں باب میں اہل ہند کی ان جماعتوں کے عقائد بیان کئے ہیں جو تلمی اور ضمنی طور پر دسویں اور گیارھویں صدی ہجری میں جانب دبستان میں موجود تھیں۔

"باید دانست کہ در ہند[1] گروہے ہستند کہ ایشان خود را مسلمان صوفی
گیرند و در بعضے قواعد و عقائد با صوفیہ شریک اند بخصیت آنکہ تجرد
دوست دارند چون شنیدہ اند کہ سناسیان دہ فرقہ و جوگیان
دوازدہ فرقہ اند۔ ایشان ہم نازند کہ ما چہاردہ فرقہ ایم۔ و چون
ہمدیگر رسند سوالیکہ کنند آنست کہ چہار پیر و چہاردہ خانوادہ
کدام ست۔ مریدان را سالہا خدمت فرمایند۔ تا چہار پیر و چہاردہ
خانوادہ ایشان را تعلیم کنند۔ گویند پیر پیران حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ
علیہ وسلم ست۔ صاحب ارادہ مصطفوی مرتضیٰ علی علیہ السلام و
از و خلافت بامام حسن رسید۔ و خواجہ حسن بصری کہ ہم مرید و ہم خلیفہ
علی بود۔ این چہار تن چہار پیر باشند۔ گویند از خواجہ حسن بصری دو فرقہ شدند
خلیفہ اول حسن بصری حبیب عجمی ست و از و نہ خانوادہ پدید آمدند
بدین اسامی۔ حبیبیان۔ طیفوریان۔ کرخیان۔ سقطیان۔ جنیدیان

---

[1] آئین اکبری میں علامہ ابوالفضل فرماتے ہیں۔ در ہندوستان چہاردہ سلسلہ برگزار اند و آن را
چہاردہ خانوادہ نامند" ص۱۲۵ ان چہاردہ خانوادہ کے نام وہی شمار کرائے ہیں جو دبستان
مذاہب میں ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ زیر بیان کے بجائے آئین اکبری میں یہ بیان ہے ص۱۲۹ ج۲ اسکے متعلق
تحریر ہے بشیخ عبدالواحد بن زید اقتدا کنند۔ ص۱۲۶ ج۲۔ بہر حال شیخ ابوالفضل نے ان خانوادوں
کو ہندو نہیں قرار دیا بلکہ ہندوستانی کہا ہے۔ اور اس کے علاوہ بارہ خانوادے
اور شمار کرائے ہیں۔ محاسبیان۔ قصاران۔ طیفوریان۔ جنیدیان۔ بہیلان
حکیمیان۔ خرازیان۔ خفیفیان۔ سیاریان۔ حلولیان۔ حلاجیان۔ ص۱۲۳ ج۲۔ ان
دونوں میں طیفوریان و جنیدیان مشترک ہیں۔ اور باقی علیحدہ علیحدہ
واللہ اعلم۔

گازرونیان۔ طوسیان فردوسیان۔ سہروردیان۔ دا ز خلیفۂ دوم حسن بصری کہ شیخ عبدالواحد زید بود۔ پنج خانوادہ بہم رسیدند بدیں نامہا۔ زیدیان۔ عیاضیان۔ ادہمیان۔ ہبیریان چشتیاں۔ چہاردہ خانوادہ ہمین است۔ دبستان ص ۲۱۳

ان چودہ خانوادوں یا سلسلوں کا انتساب جن بزرگوں کی جانب ہے علامہ ابوالفضل نے انکی تفصیل کی ہے۔ وہ حضرات اولیاء اللہ ہیں۔ مگر "دبستان مذاہب" کی عبارت میں اس ہندو گروہ کے عقائد ملاحظہ ہوں جو خود کو مسلمان کہتا ہے۔

گویند[1] جمعے از عرفاء طریقت ہستند کہ پیغمبر را با ایشاں تعرف نیست

---

[1] یہ لوگ کہتے ہیں کہ عرفاء طریقت کی ایک جماعت ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کو ان پر تصرف نہیں بلکہ نبی انکے خرمن کمال کا خوشہ چین ہے (معاذ اللہ) نقل ہے کہ ایکبار جبرئیل علیہ السلام کی رہنمائی کے بموجب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سیر کے لئے گئے اور ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں شورش تھی جبرئیل نے کہا۔ اجازت حاصل کر لیجئے اور مکان کے اندر آیئے۔ پیغمبر علیہ السلام کو اجازت دیدی گئی نبی اندر پہنچے تو دیکھا کہ چالیس نفر مادر زاد برہنہ بیٹھے ہیں۔ اور ایک جماعت ان کی خدمت میں مشغول ہے۔ پیغمبر نے ہر چند خواہش کی کہ کوئی خدمت آپ کے سپرد کر دیں انہوں نے کوئی خدمت نہیں سپرد کی یہانتک کہ بھنگ گھونٹنے کا وقت آگیا۔ جب بھنگ گھونٹی گئی تو اسکو چھاننے کے لیئے ان کے پاس کوئی کپڑا نہ تھا۔ پیغمبر علیہ السلام نے عمامہ اتار کر بھنگ کو چھانا (معاذ اللہ) بھنگ کا رنگ عمامہ میں لگ گیا۔ اسی وجہ سے بنی ہاشم کا لباس سبز ہے۔ جب پیغمبر نے یہ خدمت انجام دے لی تو ان لوگوں نے خوش ہو کر آپس میں کہا کہ خدا کے اس جلوہ دار خدا کو جسکو لوگ پیغمبری میں پہنچا ئیں تھوڑی سی بھنگ دے دو۔ تاکہ اسرار پر مطلع ہو جائے۔ چنانچہ ایک گھونٹ پیغمبر کو دیدیا۔ جب پی لیا تو ملک اور ملکوت کے اسرار پر آگاہ ہو گئے۔ چنانچہ رسول سے جو کچھ اسرار لوگوں نے سنے ہیں وہ اسی فیض کے واسطے سے تھے (دبستان ص ۲۱۳ و ص ۲۱۴)

بلکہ نبی خوشہ چینِ خرمنِ کمالِ ایشان ست۔ نقل کنند کہ روزے رسول
بہدایت جبرئیل بسیر آمد و بجائے رسید کہ شورش در انجا بود جبرئیل گفت
رضاستان و بخانہ در آر۔ پیغمبر را رضا دادند تا در آمد نبی چہل
چہل تن برہنہ مادر زاد نشستہ اند و جمعے بخدمت مشغول اند پیغمبر
ہر چند خواست کہ خدمتے باد فرمایند ایشان نفرمودند۔ تا آنکہ
وقت بھنگ سائیدن رسید۔ چون بھنگ را سودند۔ بہر صفا کردن
پارچۂ از تجرد نداشتند پیغمبر عمامہ از سر گرفتہ بھنگ آب صاف
کرد در رنگ بھنگ بعمامہ ماند۔ از نیست کہ لباس نبی ہاشم سبز ست
چون این خدمت پیغمبر بجا آورد ایشان خوشدل شدہ باہم گفتند
کہ بایں جلو دار خدا کہ پیوستہ در بخیہ آتش بیدار اند (؟)
قدرے بھنگ بدہند۔ تا بر اسرار پے برد۔ جرعہ بہ پیغمبر دادند۔
چون در کشید باسرار ملک و ملکوت پے برد۔ و سہے کہ مردم از شنیدند
بواسطہ این فیض بود۔ دبستان مذاہب ص۲۱۳ و ص۲۱۴
اسی جماعت کے متعلق صاحب دبستان فرماتے ہیں "ایشان رہبند بسیار
اند" اس کے بعد فرماتے ہیں:۔
آنچہ مشہور ترانند[1] نخست مدار یا نند کہ مانند سناسیان اند و صوت

---

[1] سب سے زیادہ مشہور جماعتوں میں سے اول "مداری" ہیں۔ جو ادد صوتا (؟)
سناسیوں کی طرح بال بکھیرے رکھتے ہیں۔ اور وہ خاک جسکو سنیاسی اور لوگ بھبوت
کہتے ہیں بدن پر ملتے ہیں۔ سر اور گردن میں زنجیریں لپیٹے رکھتے ہیں۔ سیاہ جھنڈا اور سیاہ
عمامہ اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ نماز روزہ سے ناآشنا ہیں۔ ہمیشہ آگ کے سامنے بیٹھتے ہیں
اور بھنگ بہت پیتے ہیں۔ جب آپس میں بیٹھتے ہیں تو کہا کرتے ہیں کہ (باقی ص۴۰ پر)

زدیدہ موئے باشند خاکسترے کہ سناسیاں والیشاں آں را بھبوت
گویند بہ بدن مالند و زنجیر ہا در سر و گردن خود پیچند و علم سیاہ و جامۂ
سیاہ با خود دارند نماز و روزہ ندانند۔ پیوستہ پیش آتش نشینند
و بھنگ بسیار خورند......

چوں باہم نشینند گویند وقتیکہ پیغمبر بمعراج بر آمد فرمان ایزدی در رسید
کہ بسیر بہشت رود۔ چوں بدر جنت در آمد در بہشت را تنگ تر از
سوراخ سوزن یافت۔ رضوان اشارہ کرد بہ پیغمبر کہ در آ۔ گفت
با ایں جسد ازیں راہ چساں در آیم جبرئیل گفت بگو "دم مدار"[۱]
پیغمبر چناں کرد۔ ازاں در کہ مانند سوراخ سوزن بود گذشتہ داخل
بہشت شد۔ (دبستان مذاہب صفحہ ۲۱۴)

---

(بقیہ ص ۳۹) جس وقت پیغمبر معراج کو گئے تو خداوندی فرمان پہنچا کہ بہشت کی سیر
کو جائیے۔ جب جنت کے دروازے پر پہنچے تو بہشت کے دروازے کو سوئی کے ناکے سے بھی
زیادہ تنگ پایا۔ رضوان نے پیغمبر کو اشارہ کیا اندر آؤ۔ پیغمبر نے جواب دیا کہ اس بدن کے
ساتھ اس راستے سے کیسے آسکتا ہوں۔ جبرئیل نے کہا کہو۔ "دم مدار" پیغمبر نے ایسا ہی
کہا اور اس دروازہ سے جو سوئی کے ناکہ جیسا تھا گذر کر داخل جنت ہو گئے۔

(دبستان صفحہ ۲۱۴)

[۱] دم بمعنی نفس و سانس۔ بظاہر مطلب یہ ہے کہ بدیع مدار (جن کی طرف
یہ جماعت منسوب ہے) جان اور سانس میں یعنی ان پر زندگی موقوف ہے
اور ان پر جان قربان۔ مگر بوقت ضرورت یہ لوگ اس کی تشریح اس
طرح کیا کرتے ہیں کہ حق روح ست و جسد محمد۔ و چار یار دو دست و دو پا
و دم مدار یعنی مدار بر دم و نفس است (دبستان صفحہ ۲۱۶)

ایک فرقہ تھا جس کا خطاب تھا بے قید و بے نوا۔ یہ لوگ کسی سے کچھ نہ لیتے۔ راستے میں پڑے ہوئے چیتھڑوں کو ایک دوسرے پر سی کر گدڑیاں بنا لیتے۔ مگر خاص انداز یہ تھا۔

"چوں از کسے چیزے خواہند اور او دشنام دہند و نفرین کنند"؟

.... و انواع مسکرات مفترات خورند۔

یہ جماعت بھی دم مدار پکارتی تھی۔ اور ضرورت کے وقت یہ تفسیر کر دیتی کہ "حق روح ست جسد محمد و چار یار دو دست دو پا۔ دوم مدار یعنی مدار بر دم و نفس است (دبستان مذاہب صفحہ ۲۱۲) لیکن ان کا مرشد کدا ناران تھا (دبستان صفحہ ۲۱۱) اس کے بعد فرماتے ہیں:۔

"دیگر کاکان کشمیر اند۔ تجرد شعار ایشان ست و لبد حدت وجود ایمان ورزند و بھنگ بسیار خورند جمعے از ایشان مرتاض ہم باشند"

وجہ تسمیہ یہ ہے کہ مرشد ایشان "ابراہیم کاکا"[1] در عصر جہانگیر بادشاہ۔

اس جماعت کا خاص وصف یہ تھا کہ:۔

"از ہندو و مسلمان ہر کرا ورد بودے نقل از کیش نفرمودے یعنی ہر ہندو کلمہ محمدی عرض نہ کردے و مختونش نساختے۔ و مسلمان را بزنار و قشقہ دلالت نہ کردے۔ ہرگز ستائش مسلمان و مذمت ہندو بر زبان او نرفتے و نام انبیا و اوتاران و بزرگان مسلمانان و ہندو اندر نبردے مگر رام و اللہ و خدا" (دبستان مذاہب صفحہ ۲۱۱)

اس فرقے کے متعلق بھی صاحب دبستان مذاہب کا بیان ہے کہ از یں دست مردم در ہند بسیار اند۔ صفحہ ۲۱۱۔

---

۱؎ یعنی ابراہیم کاکا۔

ایک اور فرقہ ہے جس کو پیار ہنیتی کہتے ہیں۔ یہ لوگ " از مسلمانان احتراز کنند بلکہ خود را مسلمان گیرند" ص۲۱۴ اس فرقہ کے بانی کا نام "پیارا" تھا۔

ایک اور فرقہ "بشنوئی" ہے۔ "ایں طائفہ تابع گسائیں جانبھا اند۔ (دبستان ص۲۱۸)

اس فرقہ کے متعلق بھی یہی بیان ہے۔ "مریدان او از ہندو و مسلمان طریقہ بشنوی پیش گرفتند۔ (دبستان ص۲۱۸) نام خدا و اسامی فرشتگان و انبیاء بہ نذر اللہ۔ میکائیل عزرائیل جبرائیل۔ محمد ائیل وغیرہ (ص۲۱۸ دبستان)

اس قسم کے بہت سے فرقے شمار کرنے کے بعد آخر میں ذکر کیا ہے کہ "دیگر نانک پنتھیان کہ معروف بگرو سکھانند۔ ص۲۲۳

اس جماعت کے متعلق جو آج کل سکھ کے نام سے مشہور ہے صاحب دبستان کا بیان ہے :۔

"بت و بتخانہ اعتقاد ندارند۔ نانک از بیدیا بانست و بیدی قائلفہ از کھتریان۔ در عہد حضرت فردوس مکانی ظہیر الدین بابر انار اللہ برہانہٗ اشتہار یافت۔ ص۲۲۳

نانک کے متعلق تحریر ہے :۔ "نانک چنانچہ ستائیش مسلمانان کردے اوتاران و دیوتہا و دیوہای ہندو را نیز ستودے۔ ص۲۲۳

نانک در اشعار خود گفتہ کہ آسمانہا و زمین ہا بسیار اند و انبیاء و اولیاء و اوتاران و سرہان ارکمال بندگی حق یافتہ اند و ہر کہ در عبادت حق کوشد بہر راہے کہ خواہد مقرب حق گردد۔ ص۲۲۵

مصنف نے اس فرقہ کے بیان میں اٹھارہ صفحات رنگے ہیں مصنف بھی اس فرقہ کا احترام کرتا ہے۔

مصنف اس فرقہ کے چھٹے گرو "ہرگوبند" کے معاصر ہیں، اور گرو ہرگوبند مصنف کا اتنا احترام کرتا تھا کہ خطوط میں مصنف کو اپنے سلسلہ کے مرشد یعنی "نانک" کے خطاب سے مخاطب کیا کرتا تھا۔

گرو ہرگوبند در مکاتیب نامہ نگار (مصنف) را بخطاب نانک کہ مرشد ایں فرقہ است یاد میفرمود۔ (ص۲۳۳ دبستان)

ہرگوبند کے مرنے کے بعد ساتویں گرو "ہررائے" کا بھی مصنف سے ایسا ہی تعلق تھا یا نامہ نگار بسیار آشنا ست ص۲۳۵

اس کے بعد مصنف نے اس فرقہ کے معتقدین کی کرامات اور ان کا خلوص و ایثار بیان کیا ہے۔

ان اقتباسات سے کافی اندازہ ہو گیا کہ ہندو مسلم تعلقات نے مذہبیات پر بھی کتنا اثر ڈال رکھا تھا۔ اکبر کا جرم یہی تھا کہ صلاح کے بجائے اس رو میں بہہ گیا۔ اور اسی کو اپنی شہنشاہیت کی کامیابی کے لئے ضروری سمجھا۔

جہانگیر میں مذہبیت اکبر سے زیادہ تھی۔ مگر بہ وجہ جوگیوں کی خدمت کو وہ بھی سعادت ابدی تصور کیا کرتا تھا۔ "حضرت جنت المکانی شاہ نورالدین جہانگیر انار اللہ برھانہ معتقد او (چترو پہ) بود پاس خاطر او را کما ینبغی میداشت" (دبستان مذاہب ص۱۸۶)

عبدالرحیم خان خاناں بعد میں حضرت مجدد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے حلقہ بگوش ہوئے مگر اس سے پہلے "پیش او (چترو پہ) سجدہ می کرد۔ (دبستان المذاہب ص۱۸۶)

سیواجی کا دادا "مالوجی" اسی زمانہ میں تھا، وہ حضرت شاہ شریف صاحب کا جن کی قبر احمد نگر میں ہے، نہایت معتقد تھا۔ یہاں تک کہ اس نے

اپنے بیٹوں کا نام شاہ صاحب موصوف کے تعلق سے "شاہ جی" اور "شرف جی" رکھا۔ یہی "شاہ جی" آگے چل کر "ساہو جی" کے لقب سے مشہور ہو گیا۔ اور یہی "ساہو جی" ہے جو "سیوا جی" کا باپ[1] تھا۔

مذہبیات میں یہ خلط ملط کیوں ہوا۔ اس کے متعلق سید نجیب اشرف صاحب ایم۔ اے تحریر فرماتے ہیں۔

اسلام کے زریں اصول نے عام و خاص ہندوؤں کو اپنی طرف متوجہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ ہندوؤں کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو ہندو آبادی پر اس کا بہت بڑا اثر پڑے گا اشاعتِ اسلام کا کام صوفیوں نے جو با ہمہ اور بے ہمہ کی زندہ مثال وسیع المشرب۔ آزاد خیال اور روادار ہوتے تھے شروع کیا۔ ہندوؤں نے بھی اسی رنگ کو اختیار کر لیا۔" راما نند" "گرو نانک"! "سوامی چینیا" اسی قسم کے گرو تھے۔ انھوں نے نہ صرف ویدانتی توحید اور متصوفانہ فنا فی اللہ کے اصول کو عام کر دیا بلکہ اپنی برادری میں داخل ہونے کے لئے ہندو مسلمان کی قید بھی اٹھا دی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے معتقدین ہی نہیں، بلکہ خلفاء میں ہم کو مسلمان نظر آتے ہیں "کبیر پنتھی" "داؤد پنتھی" وغیرہ اسکی بعض زندہ مثالیں ہیں۔

جس وقت ہندو اپنے مذہب کو صوفیانہ رنگ میں رنگ رہے تھے ملا افغانوں کا زمانہ تھا۔ اور انھوں نے اس کے ذریعہ سے عام مسلمانوں اور نو مسلموں تک کو اتنا متاثر کر دیا تھا کہ خود

---

[1] اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر صفحہ

مسلمانوں میں اس قسم کے خیالات کی برادریاں قائم ہوگئی تھیں۔ ؎۱
سید صاحب ہندوؤں کو اس خلط ملط کا ذمہ دار گردانا چاہتے ہیں
لیکن جب کبھی فیصلہ کرنا ہو تو ان حقائق کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔

(۱) تبلیغ اسلام کے لئے حکومت کی جانب سے کسی وقت بھی کوئی مشن
قائم نہیں ہوا۔ نہ حکومت نے کبھی مبلغین اسلام کی سرپرستی کی۔
سب سے پہلا فاتح محمد بن قاسم ثقفی ہے۔ یہ نوجوان عربی النسل ہے اس
سے توقع ہوسکتی تھی کہ وہ تبلیغ کے لئے کوئی ادارہ قائم کرتا۔ مگر تاریخ
شاہد ہے کہ اس نے برہمنوں کی حوصلہ افزائی کی۔ جو ان کا اعزاز و اکرام
پہلے ہوتا تھا۔ اس کو دوبارہ قائم کیا۔ قدیمی دستور تھا کہ مالگذاری میں
تین فیصدی برہمنوں کی خدمت کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ محمد بن قاسم نے
نہ صرف اس دستور کو باقی رکھا۔ بلکہ صیغہ "مال کلیتہً" انھیں کے حوالہ
کر دیا۔ اس کے ماسوا حکومت کے دوسرے بڑے بڑے عہدوں پر
بھی ان کو سرفراز کیا۔ اور صرف برہمنوں کے ساتھ تخصیص نہ تھی۔ بلکہ
ملک میں جو بھی قابل ملا اُس کو بڑے عہدے پر فائز کیا۔ وزارت کے لئے
انھیں کو نامزد کیا جو پہلے اس منصب پر فائز تھے وغیرہ وغیرہ۔ جو مندر
اور بت خانے دوران جنگ میں خراب ہو گئے تھے۔ بیت المال کے
روپیہ سے ان کو دوبارہ آباد کرایا۔

محمد بن قاسم کے ان الطاف و مراحم کا اثر یہ پڑا کہ بھی برہمن اسلامی
حکومت کے ایجنٹ ہو گئے۔ اور وہ بدبہ علوم کر مسلمانوں کے ساتھ حسن
معاملہ اور ان کی حکومت سے وفاداری کا وعظ کہنے لگے۔ ؎۲

---

؎۱ مقدمہ رقعات عالمگیر صفحہ ۳۳۶ ، صفحہ ۳۳۳۔ ؎۲ ملاحظہ ہو تاریخ سندھ بستان جلد اول
صفحہ ۲۱۶ ، صفحہ ۲۰۰ و تاریخ ابن خلدون وغیرہ۔

جب محمد بن قاسم کا یہ حال ہو باوجودیکہ اسلام کی پہلی صدی عہد صحابہ اور تابعین کا ایک نیک سیرت سپہ سالار تھا تو نتیجۃً بادشاہوں سے اس سلسلہ میں کیا توقع ہو سکتی ہے جو نہ اسلام کے حامل اول یعنی عرب سے تعلق رکھتے تھے نہ صحابہ اور تابعین کا دور ان کو نصیب ہوا تھا۔

شاہ جہاں کے عہد تک تقریباً گیارہ سو سال کے عرصہ میں صرف محمد شاہ تغلق (۷۲۵ھ تا ۷۵۲ھ) اور فیروز شاہ تغلق (۷۵۲ھ تا ۷۹۰ھ) صرف دو بادشاہوں کا نام لیا جاتا ہے۔ جن کو احکام اسلام کی ترویج اور علوم اسلام کی اشاعت کا خاص شوق تھا۔ اگرچہ اسلامی تبلیغ کا کوئی مشن ان کے سامنے بھی نہ تھا۔ تیسرا شخص جس کو اس زمرہ میں کسی حد تک شمار کیا جاتا ہے وہ سکندر لودھی ہے۔ ان کے علاوہ عام بادشاہوں کو سیف و سناں، تخت و تاج کے علاوہ تبلیغ اسلام یا ترویج احکام شریعت کی کوئی پرواہ نہیں ہوئی۔ بلکہ مسلمان فاتحین کے متعلق بظاہر مسٹر آرنلڈ کا یہ قول صحیح ہے کہ:۔

> ان کے دل میں کوئی ایسا خیال جس کو دوسروں کی آخرت کی بھلائی چاہنے کا خیال کہتے ہیں موجود نہ تھا۔ جو مذہب کے ہر سچے داعی کے دل میں ہوا کرتا ہے۔ اور جس نے خود اسلام کی اشاعت میں بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ خلجی اور تغلق اور لودھی بادشاہ لڑائیوں میں عموماً ایسے مصروف رہے کہ اسلام کو ترقی دینے کی ان کو مہلت نہ ہوئی۔ لوگوں کو مسلمان کرنے کی جگہ ملکوں سے خراج وصول کرنے کا ان کو زیادہ خیال رہا۔[1]

---

[1] دعوتِ اسلام ترجمہ دی پریچنگ آف اسلام۔ ص ۲۰۴

سرالفرڈ لائل نے لکھا ہے کہ :-

جو فاتحین اسلام شمالی ہند میں شاہی خاندانوں کے بانی ہوئے یا جنھوں نے دکن میں اسلامی سلطنتیں قائم کیں ان کو مذہب کی کچھ پرواہ نہ تھی۔ ان میں اکثر ایسے تھے جن کو تبلیغ مذہب کی مہلت ہی نہ ملی۔ کیونکہ یا تو ملک فتح کرنے میں اُن کا وقت صرف ہوا یا خانہ جنگیوں سے ان کو فرصت نہ ہوئی۔ یہ مسلمان فاتح اکثر افغان یا تاتاری ہوتے تھے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دین پر خود ان کو استحکام نہ تھا۔ اور جو ولولہ اور جوش سام بن نوح کی اولاد کا خاصہ ہے اور جس کا نمونہ عرب کے قدیم علم برداران اسلام نے دکھایا تھا وہ ان کو چھوا تک نہ تھا۔ ہندوستان کی رعایا کو مسلمان بنانا تو چیز دیگر تھا ان سے اتنا بھی نہ ہوا کہ مسلمان مسلمان ہونے کی حیثیت سے تمام بادشاہی عہدوں پر بلا شرکت غیرے متصرف ہو سکتے۔

(سرالفرڈ لائل ایشیاٹک سٹڈیز ص ۲۸۹ جلد اول مطبوعہ لندن ۱۸۸۲ء)[۱]

(۲) محمد بن قاسم کے ساتھ جو عرب یہاں آئے وہ یہیں رہنے پر مجبور ہو گئے کیونکہ خلیفہ سلیمان نے شام میں ان کا داخلہ بند کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ دارالخلافت سے بعید ہونے کے باعث نظام حکومت کی ایسی ابتری رہی کہ عرصہ تک کوئی مستقل گورنر یہاں قیام ہی نہ کر سکا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان اجنبی اور پردیسی عربوں کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ باشندگان ہند کے ساتھ تعلقات کو خوشگوار بنائیں۔

---

[۱] حاشیہ دعوت اسلام ترجمہ دی پریچنگ آف اسلام ص ۲۵۴

(۳) ہندوستان میں اسلام کی اشاعت نیک سیرت علماء اور فقراء کے ذریعہ سے ہوئی جنھوں نے زیادہ سے زیادہ قریب ہو کر اسلام کو ہندوؤں تک پہنچایا۔ درحقیقت ان حضرات نے زبان سے مناظرہ نہیں کیا۔ بلکہ اخلاق اور اعلیٰ ترین خصائل سے اسلام کی دعوت دی اور یہی اخلاق ان کا بہترین سرمایہ اور کامیاب اسلحہ تھے۔

(۴) ان تعلقات نے وہ اعتماد پیدا کر دیا تھا کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کی آبادی میں مساوی حیثیت سے پڑوسیوں کی طرح رہنا شروع کر دیا اور نہ صرف ایسے مقامات پر جہاں مسلمان حاکم رہتے تھے بلکہ دور دراز قصبات اور دیہات میں بھی جہاں وقت پر کسی امداد کا پہنچنا ناممکن تھا۔ انھوں نے سکونت اختیار کی۔

(۵) خود غرض، یا کج فہم لوگوں نے ان تعلقات کو لادینی کی شکل دے دی یہاں تک کہ بے شمار فرقے اور جماعتیں پیدا ہو گئیں جن کا تذکرہ "دبستان مذاہب" کے اقتباسات میں گذرا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ رقص و سرود کو دیندار طبقہ میں بھی جزو طریقت قرار دے لیا گیا۔

(۶) دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے چونکہ کسی جرم یا طمع کے باعث تبدیل مذہب نہ کرتے تھے لہٰذا آج کل کے کرسچنوں کی طرح وہ اپنی برادری کی نظر میں حقیر نہ ہوتے تھے۔ بلکہ سابق تعلقات بدستور باقی رہتے تھے انتہا یہ کہ آج بھی جبکہ ہندو مسلم منافرت کے شعلے تعلقات کی خوشگواری کو آتش عناد کی نذر کر چکے ہیں۔ بہت سی برادریاں موجود ہیں جن کے خاندانوں کے مذہب اگرچہ مختلف ہیں کچھ خاندان ہندو چلے آتے ہیں کچھ مسلمان ہو گئے ہیں مگر ان ہندو اور مسلم خاندانوں کے تعلقات صدیاں گذر جانے کے

باوجود اب تک قائم ہیں۔ شادی بیاہ کے موقع پر ایک دوسرے کے یہاں جاتے ہیں اور تحفے اور ہدیے پیش کرتے ہیں۔

چوتھی۔ بری۔ مایوں۔ بھوڑہ۔ کان چھدائی۔ سر منڈائی۔ بھنگی چماروں سے چھوت چھات۔ عقد بیوگان سے نفرت۔ سویم چہارم چہلم غرض شادی اور غمی کی بہت سی غیر شرعی رسومات جو سیکڑوں سال کی مسلسل جدوجہد اصلاح کے باوجود مسلمانوں کے شریف اور تعلیمیافتہ خاندانوں میں بھی آج تک موجود ہیں، اسی میل ملاپ کے نتائج ہیں۔

بہرحال اکبر کے دور میں پورے ہندوستان کی مذہبی حالت ایسی خلط ملط تھی جس نے اکبر کی لادینیت کو اس کی کامیاب سیاست بنا دیا۔

بلاشبہ حضرت مجدد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے اسلام اور کفر میں امتیاز کر کے اسلام کو اصلی شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی مگر اُس رواداری اور تعلقات کی اُس خوش گواری کے متعلق حضرت مجدد صاحب بھی کیا کر سکتے تھے جس کی تعلیم خود قرآن حکیم نے دی ہے۔

ارشاد ربانی ہے۔

| | |
|---|---|
| لَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۔ پ ۵ ع ۱۳ سورۂ انعام | تم بدکلامی مت کرو ان سے جو غیر اللہ کی پرستش کرتے ہیں کہ وہ حد سے آگے بڑھ کر خدا تک پہنچیں گے اور نادانی سے خداوند عالم کو برا بھلا کہیں گے۔ |
| (۴) وَلَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ | خداوند عالم تم کو ان لوگوں کے ساتھ بھلائی کرنے اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنہوں نے تم سے دین کے سلسلہ میں جنگ نہیں کی |

وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۔

پ ۲۷ ع ۲ سورہ ممتحنہ

اور تم کو تمہارے دیار سے نہیں نکالا بیشک اللہ تعالیٰ انصاف کرنیوالوں سے محبت رکھتا ہے ۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۔ پ ۵ ع ۶ سورہ نسا

پرستش کرو خدا کی اور شریک مت گردانو اس کا کسی کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور نیز رشتہ داروں یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ اور ایسے پڑوسی سے جو رشتہ دار ہو نیز اجنبی پڑوسی سے جو رشتہ دار نہو اور برابر کے رفیق اور مسافر سے احسان اور خوش معاملگی کے مذکورہ بالا مدات میں کہیں بھی اسلام یا کفر کی قید نہیں

ان عبد الله بن عمرو ذبحت له شاة في اهله فلما جاء قال اهديتم لجارنا اليهودي اهديتم لجارنا اليهودي ۔ سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول مازال جبرئيل يوصيني بالجار حتى ظننت انه سيورثه

ترمذی شریف ص ۱۶ ج ۲

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے مکان میں بکری ذبح کی گئی جب حضرت موصوف مکان میں تشریف لائے تو آپ نے بار بار فرمایا ہمارے یہودی پڑوسی کے یہاں بھی گوشت بھیجدیا ہے ۔ میں نے خود سنا ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جبرئیل علیہ السلام پڑوسیوں کے بارہ میں ہمیشہ وصیت کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ مجھے گمان ہوگیا کہ عنقریب پڑوسی کو وارث بھی گردان دیں گے ۔

دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں بھی ہدایت ہے کہ :-

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ۔ سورۂ نحل

اپنے رب کے راستہ کی طرف دانشمندی اور اچھی نصیحت کے ذریعہ دعوت دو۔ اور ایسے طرز سے گفتگو (بحث) کرو جو سب سے بہتر بہت ہی اچھا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔ الحدیث۔ سہولت پیدا کرو تنگی مت ڈالو۔ اور بشارت دو نفرت مت لاؤ۔

کہا جاتا ہے کہ چین و جاپان میں اس قدر بے تعصبی ہے کہ ایک ہی گھر کے کچھ لوگ مسلمان ہوتے ہیں۔ کچھ عیسائی اور کچھ بدھ۔ اور اس اختلاف مذہب نے اُن کے تعلقات کی خوشگواری میں فرق نہیں آتا۔ مگر یہ تعجب کرنیوالے شاید قرآن پاک کی تعلیم سے واقف نہیں۔ ارشاد ہے:-

وَاِنْ جَاھَدٰکَ عَلٰی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا وَصَاحِبْھُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا۔

ع ۲۸ ع ۲ سورۂ لقمان

اگر وہ (ماں باپ) تجھ سے جہاد کریں (پوری قوت سے تیرے اوپر زور ڈالیں) کہ تو میرے ساتھ اس کو شریک ٹھیرا جسکی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں (محض اوہام ہیں اور باطل خیالات) تو اُن کا کہنا مت مان اور دنیا میں انکے ساتھ خوبی بسر کرو۔ رواج کے بموجب اُنکے ساتھ رہو۔

یعنی اسلام کی روشنی اور اُس کی صداقت کے صاف اور بیّن دلائل تمہیں مغرور نہ کردیں کہ ماں باپ کی اوہام پرستی کو اُن سے قطع تعلق یا اُن کے ساتھ سوءِ ادب اور اُن کی شان میں گستاخانہ طرز عمل کے لئے وجہ جواز بنالو۔

اس قسم کی تعلیمات سے قرآن حکیم اور احادیث مقدسہ کے اوراق پُر ہیں لہٰذا عالمگیر جیسے پابند مذہب بادشاہ کے ہوتے ہوئے بھی ہندو اور مسلمانوں کے باہمی تعلق ایسے خوشگوار رہے جو غیر ملکی سیاحوں کے لئے سامان تعجب ہوتے تھے۔ کپتان الگزنڈر ہملٹن عہد عالمگیر میں تقریباً ۱۶۸۸ء میں ہندوستان آیا۔ اور پینتیس برس تک اپنی تجارت کے سلسلہ میں ہندوستان کے ہر ایک مقام پر پہنچ کر وہاں کے حالات بچشم خود دیکھتا رہا: اپنے سفرنامے میں شہر ٹھٹھہ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

ریاست کا مسلمہ مذہب اسلام ہے۔ مگر تعداد میں اگر دس ہندو ہیں تو ایک مسلمان ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ مذہبی رواداری پورے طور سے برتی جاتی ہے۔ وہ اپنے مندر رکھتے ہیں اور تیوہاروں کو اسی طرح سے مناتے ہیں جیسے اگلے زمانے میں منایا کرتے تھے۔ جب کہ بادشاہت خود ہندوؤں کی تھی۔ وہ اپنے مُردوں کو جلاتے ہیں۔ لیکن ان کی بیویوں کو اجازت نہیں ہے کہ شوہروں کے مردے کے ساتھ ستی ہوں۔ جلد اول صفحہ ۱۲۶ (۱)

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔

صرف بنیوں میں ۸۵ فرقے ہیں اور گو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھانا نہیں کھاتے ہیں۔ لیکن آپس میں میل کر رہتے ہیں برہمن ہمیشہ لوگوں کو اس کی ترغیب دیا کرتے ہیں کہ دیوتاؤں

(۱) اکبر نے سپہ سالاروں کو ہدایت کی تھی کہ زبردستی کسی عورت کو ستی نہ ہونے دیں یعنی اگر عورت خود سے ستی ہو تو حکومت اس میں حارج نہ ہوتی تھی۔ نہ گذارکرنے نے راجپوتانہ آئین اکبری صفحہ ۱۹۸ ج اول آئین کوتوال۔ غالباً اس کے بعد عام ممانعت کردی گئی۔

کے واسطے بڑی بڑی جائدادیں وقف کی جائیں۔
پارسی بھی ہیں اور وہ اپنے رسوم مذہب زردشت کے بموجب
ادا کرتے ہیں۔ عیسائیوں کو پوری اجازت ہے کہ اپنے گرجے
بنائیں اور اپنے مذہب کی تبلیغ کریں اور بعض مرتبہ وہ
اس میں کامیاب بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن جو لوگ عیسائی ہو جاتے
ہیں۔ ان کے اخلاق اس شہر کے تمام لوگوں کے اخلاق سے
عموماً بدترین ہوتے ہیں۔ جلد اول صفحہ ۱۵۹ و صفحہ ۱۶۳۔
یہ سیاح تاجر جب سورت میں پہنچتا ہے تو وہاں کے مذہبی حالات
حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتا ہے:۔
اس شہر میں تخمیناً سو مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں۔ لیکن ان
میں کبھی کوئی سخت جھگڑے ان کے اعتقادات و طریقۂ عبادت
کے متعلق نہیں ہوتے۔ ہر ایک کو پورا اختیار ہے کہ جس طرح
چاہے اپنے طریقہ سے اپنے معبود کی پرستش کرے۔ صرف
اختلاف مذہب کی بناء پر کسی کو تکلیف دینا اور آزار پہنچانا
ان لوگوں میں بالکل مفقود ہے۔ جلد اول صفحہ ۱۶۲۔ [1]
سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ کے دور حکومت میں مغل دربار اسلامی
دربار کی شان رکھتا تھا مگر اس سے پہلے اور اس کے بعد کی کیفیت
پنڈت سندر لال صاحب مصنف "بھارت میں انگریزی راج" کے
الفاظ میں حسب ذیل تھی:

---

[1] بحوالہ ہندوستان عہد عالمگیر میں۔ مصنفہ مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب
مرزا یار جنگ بہادر وزیر ریاست حیدرآباد دکن (صفحہ ۹)

دلی کے مغل دربار کے اندر ہندو اور مسلمانوں کے خاص تیوہار
برابر جوش و خروش کے ساتھ منائے جاتے تھے۔ دسہرے کے دن
شاہی جلوس نکلتا تھا جس میں ہاتھیوں اور گھوڑوں کو خوب سجایا
جاتا تھا۔ ہندو اور مسلمان امرا آرائش کے ساتھ شامل ہوتے تھے
رکھشا بندھن کے روز برہمن اور ہندو عہدہ دار بادشاہ کی کلائی
پر مخصوص ڈورا باندھتے تھے۔ دیوالی کی رات میں محلوں پر روشنی ہوتی تھی۔
شب برات اور عید بھی اسی امنگ کے ساتھ منائی جاتی تھی [۱]

آخری مغل تاجدار بہادر شاہ کے فاقہ مست دربار میں سرسید کو بھی ایک
مرتبہ ایام طفولیت میں کسی تیوہار کے موقع پر حاضری کا اتفاق ہوا تھا آپ نے
بھی تیوہار کے واقعات بچشم خود دیکھے۔ (ملاحظہ ہو حیات جاوید)

فتویٰ خواہ کچھ بھی ہو۔ مگر تاریخ ہند سے واقف شخص ان واقعات کا
انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے اپنے لکچر میں جو مارچ
۱۹۳۷ء میں آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کی جوبلی کے موقع پر دیا تھا
فرمایا تھا:۔

یہاں ایک ہزار سال کی جد و جہد کے بعد ایک قوم بنی تھی جس
کا تمدن جس کی زبان جس کی سیاست ایک ہو رہی تھی۔

اسی قول کی تصدیق ہندوستان کے مشہور مؤرخ "سرکار" نے کی ہے
آپ فرماتے ہیں:۔

اعلیٰ طبقوں کی معاشرت بلا تفریق مذہب و ملت ایک تھی [۲]

---

[۱] روشن مستقبل ص۲۶ [۲] انڈیا تھرو دی ایجز ص۱۱ بحوالہ روشن مستقبل ص۲۶۔

سر ولیم ہنٹر ابتدا میں مدراس کے گورنر اور اس کے بعد ہندوستان کے مشہور وائسرائے رہے ہیں۔ آپ کی شہادت یقیناً بہت زیادہ قابلِ وقعت ہے۔ آپ فرماتے ہیں!۔

بہت سے اعتبارات سے مسلمانوں کی حکومت ہماری حکومت سے سبقت لے گئی۔ جو ممالک مسلمانوں نے فتح کئے ان میں وہ رہ پڑے انھوں نے وہاں کے باشندگان کے ساتھ مناکحت کی اور انھیں جملہ حقوق دیئے، فاتح اور مفتوح کے منافع اور ہمدردیاں ایک ہو گئیں۔ اس کے مقابلہ میں ہماری حکمت عملی اس کے برعکس رہی جس میں سرد مہری کی خود غرضی اور بے حسی تھی [۱]

سر جارج منارڈ جو کبھی پنجاب ایگزیکٹو کونسل کا سینیر ممبر رہ چکا تھا، لندن کے ایک جریدہ موسومہ "معاملات خارجیہ" میں قمطراز ہے:۔

" یہ صحیح ہے کہ ہندو مسلمانوں کے مابین عام مخالفت برطانیہ کے عہد میں شروع ہوئی۔ برطانیہ سے پہلے بھی ظالم سلاطین گزر چکے ہیں جنھوں نے کبھی غیر مسلمین پر جزیہ لگایا اور کبھی گئے ذبح کرنے پر مجنونانہ جوش میں سزائیں دیں لیکن یہ اتفاقات گاہے ماہے پیش آتے تھے۔ بنجر علم کا پھل چکھنے سے پہلے عوام میں مذہبی افتراق کا احساس نہ تھا۔ اور خواہ ہندو ہوں یا مسلمان دونوں ایک ہی معبد میں مصروف پرستش رہتے تھے۔

(ماخوذ از ان ہیپی انڈیا مصنفہ لالہ لاجپت رائے صفحہ ۴۰۲)

---

[۱] ہندوستان میں عیسائیوں کی حکومت از میجر باسو۔ جلد چہارم صفحہ ۴۴۶ بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ۹۵۔

ضروری تھا کہ اس ملاپ کا اثر زبان پر پڑتا۔ چنانچہ ہندوؤں نے فارسی زبان میں مہارت حاصل کی۔ ان کی سیکڑوں کتابیں فارسی زبان کی ہر ایک فن میں موجود ہیں۔ سیکڑوں ہندو، فارسی کے بہتر شاعر ہوئے اور مسلمانوں نے سبقت کر کے اپنی زبان ہی بدل ڈالی۔ اپنی مادری زبان "فارسی" چھوڑ کر ایک مشترک زبان اختیار کر لی جس کو "اردو" کہا جاتا ہے،

ہندوؤں کا قدم بھی میدان اتحاد میں مسلمانوں سے پیچھے نہیں رہا حتیٰ کہ مسلمانوں کے تنزل کے آخری دور میں بھی ہندو مصنفین کا طرز تحریر وہ تھا جو "تفرقہ ڈالو حکومت کرو" کی پالیسی والوں کے لئے نہایت تکلیف دہ ہو۔

چنانچہ ہندوستانی تاریخ کو مسخ کرنے والے سر ہنری ایلیٹ اپنی تاریخ کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں :-

بڑا افسوس ہندو مصنفین پر آتا ہے جن سے ہمیں توقع ہو سکتی تھی کہ اس قوم کے محسوسات، توقعات اور معتقدات ہمیں معلوم ہوتے مگر وہ تو احکام اور ہدایات کے مطابق لکھتے ہیں، محرم کو محرم شریف، قرآن کو کلام پاک کہتے ہیں۔ اپنی تحریرات کو بسم اللہ سے شروع کرتے ہیں۔ [۱]

سیواجی کو متعصب کہا جاتا ہے۔ مگر مسلمانوں کے معتقدات کے احترام سے اس کا دل بھی خالی نہ تھا۔ اگر اس کی فوج کا کوئی مرہٹہ کہیں سے قرآن شریف لوٹ لاتا تھا تو سیواجی اس کو کسی مسلمان سپاہی کے سپرد کر دیتا تھا۔ (تاریخ ہندوستان ص ۳۳۲ ج ۸)

---

[۱] روشن مستقبل ص ۲۵۵۔

## صنعت و حرفت

عہد مغلیہ کی صنعت و حرفت کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ ہم ذیل میں ہندوستان کے فاضل مؤرخ پروفیسر جادو ناتھ سرکار کے ایک تاریخی لکچر[1] کا خلاصہ درج کرتے ہیں جو اختصار کے ساتھ اس باب کے ہر ایک گوشہ پر مناسب روشنی ڈالتا ہے۔

ساری سترہویں صدی اور اٹھارہویں صدی کے ابتدائی دور میں ہندوستان کی صنعتیں ذیل کی تین ایجنسیوں میں نشوونما پاتی رہیں:۔

اول بادشاہ دہلی۔ دوم امراء و رؤساء سوم بیرونی ممالک میں تجارت کرنے والے تاجر۔ یہ تاجر تقریباً غیر ملکی تھے اور نہ صرف یورپین مثلاً پرتگیزی، ڈچ، انگریز اور فرانسیسی بلکہ عرب، ایرانی اور اہل زنجبار بھی ہندوستانی بحری تجارت میں معتدبہ حصہ لے رہے تھے۔

ہندوستان کے اکثر مسلمان تاجر جو زیادہ تر سندھ، گجرات، کوکنا، ڈامسولی پٹم وغیرہ کے باشندے تھے، بڑے بڑے تجارتی جہاز

---

[1] جناب ظفر قریشی نے اس لکچر کو مرتب فرما کر رسالہ "نیرنگ خیال" لاہور بابت ماہ جنوری ۱۹۳۱ء میں شائع کرایا تھا اور میرے عزیز دوست مولوی محمد قاسم صاحب بجنوری نے خاص طور پر اس کی ایک کاپی احقر کو مرحمت فرمائی تھی۔ افسوس یہ صالح اور عالم نوجوان جون ۱۹۴۶ء میں گڑھ مکتیشر کے مشہور بلوہ میں شہید کر دئے گئے۔[2] شاہ دہلی کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ربیع الاول ۱۰۶۲ھ میں شاہجہاں نے جشن قمری کے موقع پر شاہزادہ محمد دارا شکوہ کو خلعت خاصہ عطا کیا تو اس کی قیمت دو لاکھ پچاس ہزار روپیہ تھی۔ ایک سربند اس کے علاوہ دیا۔ جس میں لعل اور مروارید تھے۔ اس سربند کی قیمت ایک لاکھ ستر ہزار روپیہ تھی۔ تاریخ ہندوستان صفحہ ۴۵ ج ۷۔

رکھتے تھے اور مشرق بعید اور مشرق قریب کے تمام ممالک سے تجارت کرتے تھے۔

مرہٹوں کے مشہور سردار "سیواجی" کا بھی ایک بحری بیڑا تجارت کرتا تھا۔ مگر وہ کچھ بڑا نہ تھا اور بہت معمولی تھا۔ مجھے اس کے علاوہ اور کسی ایسے ہندو راجہ کا حال معلوم نہیں جو اس عہد میں بحری تجارت میں حصہ لیتا تھا۔

یہ خیال کرنا غلطی ہوگی کہ بادشاہ یا امراء صرف انھیں مصنوعات کی ہمت افزائی کرتے تھے جو تعیشات کے ذیل میں آتی تھیں۔

اس زمانہ کے ذرائع رسل و رسائل اس قدر محدود اور ناخوشگوار تھے کہ بیرون ملک یا ملک کے دور دراز مقامات پر ایسی اشیاء کی تجارت جو قیمت میں کم اور حجم اور وزن میں زیادہ ہوں محال تھی۔

ملک کے باہر اور ملک کے دور دراز مقامات پر صرف وہی چیزیں بھیجی جاتی تھیں جو نسبتاً حجم میں کم اور قیمت میں بہت زیادہ ہوتی تھیں۔ صرف اسی قسم کی تجارت نفع بخش تھی۔

ہندوستان کی مشہور بندرگاہیں۔ مثلاً احمد آباد۔ سورت، مسولی پٹم، ست گاؤں (نزد ہگلی) سری پور (نزد ڈھاکہ) اور چاٹ گاؤں تجارت کو منفعت بخش بنانے میں کافی حصہ لیتی تھیں۔

پٹنہ بھی جو ملک کے سب سے بڑے دریائی راستہ پر واقع تھا اس میں کچھ حصہ لیتا تھا۔ معمولی اقسام کے کپڑے اور اشیاء خورد و نوش ایشیا کے دیگر ممالک کو بھیجی جاتی تھیں۔ اور اندرون ملک بھی استعمال ہوتی تھیں اور یہ کافی منفعت بخش تجارت تھی۔

بادشاہ اور امراء کے اپنے اپنے کارخانے ہوا کرتے تھے۔ جہاں ضروریات کی تمام چیزیں تیار ہوتی تھیں۔

جب تیار شدہ چیزیں بادشاہ اور اعلیٰ حکام کو پیش کردی جاتی تھیں اور سلطنت کو ان کی ضرورت نہ ہوتی تھی تو باقی سامان ملک میں فروخت کردیا جاتا تھا۔ اور اس طرح شاہی کاریگروں کے ہنر سے عوام کو بھی فائدہ پہنچتا رہتا تھا۔

شاہی کارخانوں میں جو تعلیم حاصل کرتے تھے کچھ عرصہ بعد راجاؤں نوابوں کے یہاں ملازم ہوجاتے تھے اور اس طرح شاہی کاریگر جنھیں اپنی ہنرمندی پر ناز تھا تقریباً تمام ہندوستان میں پہنچ جاتے تھے۔

ہنرمند کاریگروں کے اس تنتشر اور مغل درباروں کی پرورش کی توجہ سے ہندوستان کی صنعتی سطح بہت بلند رہتی تھی مغل نقاشوں اور ماہرین موسیقی کے کارناموں سے ہم اس وقت بھی استفادہ کر رہے ہیں۔

مشرقی آداب کے مطابق کوئی امیر بادشاہ کے سامنے خالی ہاتھ نہیں جاسکتا تھا۔ مصنوعات یا قدرتی اشیاء میں سے کسی نایاب یا عمدہ چیز کا ہدیہ بادشاہ کی خدمت میں اس کو پیش کرنا ہوتا تھا۔ لہٰذا امراء ایسے کاریگر ملازم رکھتے تھے جو طرح طرح کی نادر اشیاء اپنے دماغ سے اختراع کرکے پیش کرتے تھے۔ اور امیر انھیں اس وقت کے لئے جمع کر رکھتا تھا جب وہ شاہی دربار میں طلب ہوں۔

غرض بادشاہ اور امراء اپنے اپنے طریقہ پر ماہرین فن کی ہمت افزائی میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے تھے۔

آرٹ[1] (صنعت) کے نادر کارناموں اور تعیش کے بیش قیمت آلات کے علاوہ ملک کی عام مصنوعات اور خام اشیاء کی تجارت میں سب سے زیادہ غیر ملکی تجار حصہ لیتے تھے۔

رواج یہ تھا کہ کاریگروں کو پیشگی روپیہ جو "دادن" کہلاتا تھا ادا کردیا جاتا تھا اور تاجر اپنے ایجنٹوں کی معرفت ان کے کام کی نگرانی کرتا تھا جب

---

[1] فن انجینیری کے کمال کا اونچا معیار آگرہ۔ دہلی۔ لاہور۔ کشمیر۔ فتحپور سیکری۔ وغیرہ وغیرہ شہروں کے خوشنما۔ پائیدار اور عجیب و غریب عمارتوں سے دریافت کرو۔ اور فن انجینیری کے دوسرے شعبہ کا اندازہ کرنا مقصود ہو تو جناب مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب کا بیان خاص طور پر مستحق توجہ ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:- اورنگ آباد (ریاست حیدرآباد دکن) میں عجیب و غریب واٹر ورکس ہے جو عہد عالمگیر میں تعمیر ہوا تھا اس کی کیفیت یہ ہے کہ ایک مقام پر صرف ایک بہت عمیق کنواں ہے جس میں جھانکنے سے ایک چشمہ کا سوت نظر آتا ہے یہیں سے ایک گہرا پختہ نالہ بہنا شروع ہوتا ہے جوں جوں شہر کی طرف یہ نالا بڑھتا گیا ہے اس میں الغاروں پانی نمودار ہوتا جاتا ہے شہر کے قریب جاکر اس میں سے پختہ نالیاں نکالی گئی ہیں۔ ڈھائی سو برس کے بعد آج بھی انہیں نالیوں سے شہر کو پانی ملتا ہے۔ باغیچے سیراب ہوتے ہیں لیکن اس کی مرمت اور صفائی کرنے میں اس زمانہ کے انجینیر بہت دشواری محسوس کرتے ہیں۔ خود استون بیج صاحب نے جو سلطنت حیدرآباد دکن میں واٹر ورکس کے انجینیر تھے۔ مجھ سے بیان کیا کہ اگر آج ہم اس سے بہتر پانی کا لیول نکالنا چاہیں تو مشکل ہے اس قسم کے واٹر ورکس بسیڑ اور بیدر میں بھی دیکھے ہیں۔ (ہند عہد اورنگ زیب میں ص ۱۴۳) برہان پور میں آدھے شہر کو اب بھی اس قسم کا واٹر ورکس پانی پہنچاتا ہے باقی آدھا انجینیروں کی ناواقفیت کے باعث خراب ہوگیا۔ انھوں نے اس کا بھید معلوم کرنے کیلئے کھولا بھید تو کیا معلوم ہوتا وہ حصہ ہی بیکار ہوگیا۔ محمد میاں۔

موسم آتا تھا تمام حلقوں سے مصنوعات جمع کی جاتی تھیں اور باہر بھیجی جاتی تھیں۔ اس کے علاوہ منڈیوں میں بھی تھوک کی خرید و فروخت ہوتی تھی۔ لیکن یورپین تاجروں کی کوٹھیوں میں سوائے اعلیٰ مصنوعات کے اور کچھ تیار نہ ہوتا تھا۔ عام چیزیں وہ بھی خانگی طور پر ہندوستانی تاجروں کے ذریعہ سے تیار کراتے تھے۔

یورپین تاجروں کے گماشتے اپنے کاریگروں کے حلقہ میں مقررہ اوقات پر نگرانی کرتے تھے۔ اور یہ دیکھتے تھے کہ "دادن" صحیح طور پر استعمال ہو رہا ہے یا نہیں۔ اور آیا جہاز لانے کے وقت تک مصنوعات تیار ہو کر مل جائیں گی یا نہیں۔

قاسم بازار (بنگال) میں ڈچ کمپنی نے ریشمی کپڑا بننے کے لئے سات آٹھ سو کاریگر ملازم رکھ چھوڑے تھے۔ مگر فرانسیسی اور انگریز کمپنیاں صرف تین چار سو ملازم رکھتی تھیں۔ (برنیر۔ صفحہ ۴۲۹)

**برآمد** سترھویں صدی میں سلطنت مغلیہ کی حدود سے مفصلہ ذیل چیزیں باہر جاتی تھیں۔ (۱) سوتی کپڑا اور دھاگے۔ (۲) ریشمی کپڑا اور سامان۔ (۳) تیل۔ (۴) ہیرے۔ (۵) شکر۔ (۶) لاکھ۔ (۷) سرکہ۔ (۸) ادرک (۹) گھی۔ (۱۰) شورہ۔ (۱۱) افیون۔ (۱۲) سرخ مرچ۔

**(۱) سوت اور روئی** خام روئی صرف خلیج فارس اور عرب کو بھیجی جاتی تھی۔ کیونکہ یورپ یا دیگر دور دراز مقامات پر روئی کی برآمد منفعت بخش تجارت نہ تھی۔ خاندیش اور برار میں روئی کی کاشت بکثرت ہوتی تھی۔ چنانچہ تمام پیداوار سوت

اور احمد آباد برآمد کے لئے بھیجدی جاتی تھی۔ بنگال اور مسولی پٹم کے تمام سوتی کپڑوں کے کارخانے مقامی پیداوار پر منحصر تھے۔ برار یا دیگر مقامات کی برآمد سے انھیں مطلق سروکار نہ تھا۔

احمد آباد اور سورت سے یورپ کو بہت سا معمولی قسم کا سوت بھیجا جاتا تھا۔ یہ وہاں موم بتیوں۔ جرابوں اور ریشم کے تانوں میں ملایا جاتا تھا۔ مدراس کے قریب "سینٹ تھام" کے مقام سے بہت سا سرخ سوت بھیجا جاتا تھا۔ اس کا رنگ بہت پختہ ہوتا تھا۔ اس کے متعلق "سیزر فریڈیک" (۱۵۶۵ء) کہتا ہے:-

"اس رنگ کی چیزیں جس قدر دھوئی جاتی ہیں۔ اتنی ہی نکھرتی جاتی ہیں۔ سوتی کپڑے پانچ قسم کے ہوتے تھے (۱) معمولی سفید (۲) رنگین۔ بناوٹ میں سادہ۔ (۳) پھول دار۔ (۴) چھینٹیں اور چھپے ہوئے کپڑے۔ (۵) ململ۔

**موٹے سوتی کپڑے** زیریں سندھ۔ بنگال۔ اڈیسہ اور مشرقی ساحل کے چند دیگر مقامات جنوبی ایشیا کے اکثر ممالک۔ اور جاپان اور یورپ کے بعض مقامات کو بھیجے جاتے تھے۔

---

لہ کمخواب، چھینٹ اور سادہ کپڑے بنانے والے اس کثرت سے پلنے جاتے تھے کہ صرف ایک شہر بیجاپور میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے پچاس ہزار کپڑا بننے والے جلاہے ملازم رکھ چھوڑے تھے۔ (سفرنامہ کپتان الگزینڈر ہملٹن بحوالہ ہند عہد اورنگ زیب ص ۳۶) مارکوپولو۔ سیاح تحریر کرتا ہے، کیپ آف گڈ ہوپ اور شنگھائی کے ہر بندرگاہ پر کافی اور وافر طور کے ساتھ ہندوستان کا بنا ہوا کپڑا فروخت ہوتا تھا۔ اور سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں تو ہندوستان کی زمین سونا اگلنے لگی۔ اور ہر قسم کی صنعت و حرفت اپنے انتہائی عروج و کمال پر پہنچ گئی۔ (ہندوستان کی صنعت و تجارت ص ۱۰)

**بافتہ** | یہ نام تھا ان سوتی کپڑوں کا جو احمد آباد اور بہرائچ میں سُرخ سیاہ یا نیلے رنگ میں رنگ کر موزمبیق اور ایسے سینا جزیرہ بار فلیپائن۔ سماٹرا۔ اور مشرق بعید کے ممالک کو بکثرت بھیجے جاتے تھے۔

آگرہ میں جو بافتہ کپڑے تیار ہوتے تھے وہ زیادہ تر اندرون ملک میں ہی استعمال ہوتے تھے۔ سنہری تاروں سے بنے ہوئے کپڑے زیادہ تر بنارس اور احمد آباد میں تیار ہوتے تھے۔ اور ہندوستان کے تمام علاقوں اور بیرونی ممالک کو بھیجے جاتے تھے۔

"بیدر" اس صنعت کی وجہ سے اٹھارہویں صدی میں بہت مشہور ہو گیا تھا۔ (چہار گلشن ص۱۴۹ ب)

آگرہ میں اس صنعت کو شاہی ہمت افزائی کا فخر حاصل تھا۔ (خلاصۃ التواریخ ص۲۵ الف)

بہترین قسم کا رنگین اور سوتی کپڑا سورت اور احمد آباد کی راہ سے باہر جاتا تھا۔ بالعموم خاندیش میں زیادہ تیار کیا جاتا تھا۔ دستور یا ص۴۲۹ ج ۲)

اندرون ملک کے استعمال کے لئے پٹن اور احمد آباد میں بھی عمدہ کپڑا تیار ہوتا تھا۔ (آئین اکبری ص۱۴۰)

روئی سے تیار کی ہوئی چیزوں میں بہترین حیثیت ململ کو حاصل تھی۔ یہ بہترین قسم کا نہایت نفیس نرم کپڑا ہوتا تھا۔ بالعموم سادہ اور بعض رنگین اور پھولدار بھی۔ ململ میں سنہری اور روپہلی تاروں کا کام بھی نفاست سے ہوتا تھا۔

یورپین سیاحوں نے ہندوستان کی صنعت پارچہ بافی کی بہت سی

عجیب عجیب کہانیاں لکھی ہیں اور اس کی خوبصورتی اور نفاست کی تعریف میں رطب اللسان[1] ہیں۔

اس قسم کے کپڑوں کا مرکز۔ ڈھاکہ، قاسم بازار، مالوہ، بہرائچ، بڑودہ اور نواساری (گجرات) تھے۔

یورپ اور مشرق بعید کے ممالک ہندوستان کے خاص گاہک تھے۔

---

[1] ہندوستان میں عمدہ کپڑا بکثرت تیار ہوتا ہے جس کی مثال یورپ میں ملنی دشوار ہے۔ یہاں روئی کا ایسا کپڑا بنایا جاتا ہے جو بہت باریک، اور ملائم ہوتا ہے اور اس قدر پائیدار کہ میں نے ایسا کپڑا اپنی ساری عمر میں کبھی بھی استعمال نہیں کیا (سفر نامہ کپتان الگزنڈر ہملٹن ص ۱۲۵)

مسٹر بین نے اپنی کتاب "تاریخ سوتی پارچہ بافی مطبوعہ ۱۸۳۵ء کے صفحہ ۵۶ پر لکھا ہے کہ جدید فیکٹریوں کی پیچیدہ مشینوں کے مقابلہ میں ہندوستان کے کپڑا بننے والوں کے آلات پارچہ بافی نہایت سادہ اور بھونڈے ہوتے ہیں۔ لیکن جو کپڑے وہ تیار کرتے ہیں وہ انسانی دستکاری نہیں معلوم ہوتی بلکہ ایسا خیال ہوتا ہے کہ یہ کپڑے پریوں یا کیڑے مکوڑوں نے تیار کئے ہیں اور اب بھی مانچسٹر کی اعلیٰ درجہ کی فیکٹریوں کے تیار کئے ہوئے کپڑوں سے ہندوستان کا بنا ہوا کپڑا کہیں زیادہ قابل قدر سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستان کی صنعت و تجارت ص ۱۵ سر ولیم ڈگبی آئی سی۔ الف ممبر پارلیمنٹ نے "پراسپرس برٹش انڈیا" میں مسٹر ایکیرڈز کا ایک قول نقل کیا ہے کہ ہند کی بہت سی شاخوں میں ہندوستانیوں کے جوہر کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ ان کی ململ، شال، زرنگار ریشمی رومال وغیرہ کی کاریگریوں کے نمونے ایسے ہیں کہ اب تک برطانوی کاریگران کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں (ہندوستان کی صنعت و تجارت ص ۶)

**چھینٹیں** یہ کپڑا یا تو ہاتھ سے چھاپا جاتا تھا یا ٹھپوں سے۔ اس صنعت کا مرکز مسولی پٹم تھا جو شاہی درباروں کی زینت کے لئے قسم قسم کے پھولوں کی چھینٹیں تیار کرتا تھا۔ شاہی محلات کے پردے انھیں چھینٹوں سے بنائے جاتے تھے اور یہ پھول پتیاں اس قدر خوبصورت اور ایسی عجیب ہوتی تھیں کہ ڈاکٹر برنیر کے قول کے مطابق دیکھنے والا یہی سمجھتا تھا کہ وہ کسی باغ میں پھولوں کے تختہ کو دیکھ رہا ہے۔

لیکن یہ صنعت بہت محدود تھی۔ اور نہایت تھوڑی تعداد میں تیار ہوتی تھی۔ صرف شاہی محلات کی ضرورتوں میں صرف ہو جاتی تھی۔ عام تجارت کے لئے باہر نہیں بھیجی جاسکتی تھی۔

مسولی پٹم اور چند دیگر مقامات پر جہاں یہ خوشنما رنگین چھینٹیں تیار ہوتی تھیں مقامی پانی کی خصوصیات کو بھی بڑا دخل تھا۔

معمولی قسم کی چھینٹیں ہندوستان کے اکثر حصوں میں تیار ہوتی تھیں اور عام طور پر استعمال میں آتی تھیں۔ ملتان۔ لاہور۔ برہان پور سرنج (گجرات) معمولی چھینٹوں کے بڑے بڑے مرکز تھے۔ اور ان کا سب سے بڑا گاہک فارس تھا۔ لاہور میں خانگی استعمال کے معمولی پھولدار کپڑے بہت بنتے تھے۔

**ریشم** ریشمی کپڑے کی صنعت بنگال کا مخصوص حصہ تھی۔ مقامی استعمال کے علاوہ مغل ہندوستان کے تمام علاقوں میں یہ کپڑے بھیجے جاتے تھے۔ سورت میں ریشم کے قالین۔ یا ریشم اور سونے چاندی کے تاروں کے پردے بکثرت بنے جاتے تھے۔ احمد آباد میں بنگال سے لائے ہوئے ریشمی دھاگوں سے اچھے اچھے اور پھول دار پارچہ جات

خصوصیت کے ساتھ تیار ہوتے تھے۔

ہندوستان کے علاوہ "ملایا" کے جزیروں کو بہت بھیجے جاتے تھے بنگال کا مشہور شہر قاسم بازار ریشمی پارچہ بافی کا سب سے بڑا مرکز تھا یہاں ہر قسم کے ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے۔ اور بہت سے مقامات کو بھیجے جاتے تھے۔ بنگال کے اور شہروں میں بھی ریشمی کپڑا بنا جاتا تھا۔ بنارس نہ صرف سترہویں صدی میں بلکہ آج تک ریشمی اور مخصوص "بنارسی کپڑے" کی صنعت کا مرکز رہا ہے۔

ہمارے ریشمی سامان کے بڑے بڑے گاہک یورپ اور برما تھے۔

**ٹسر** یہ نباتات سے بنایا جاتا تھا اور بالکل ریشم معلوم ہوتا تھا۔ یورپین مذاق کو بہت اپیل کرتا تھا۔ اس وجہ سے اس کا سب سے بڑا گاہک یورپ تھا۔ اڑیسہ اس صنعت کا گھر تھا۔ بنگال میں بھی کہیں کہیں تیار ہوتا تھا۔

**نیل**[١] زیادہ تر بنگال سے بھیجا جاتا تھا۔ خاندیش کے مغربی علاقے اور گجرات کے علاقہ سارکھیج میں معمولی قسم کا نیل ہوتا تھا۔ لیکن بہترین قسم کا نیل آگرہ کے علاقہ "بیانا" سے حاصل ہوتا تھا جو دیگر علاقوں کے نیل سے پچاس فیصدی زیادہ قیمت پر فروخت ہوتا تھا۔ علاوہ باہر کی نکاسی کے خود ہندوستان میں اس کی بہت مانگ تھی کیونکہ معمولی قسم کے کپڑے کو صاف اور اجلا کرنے کے لئے نیل بہت کثرت سے

---

١ نیل کے علاوہ اور رنگ بھی یہاں تیار ہوتے تھے جن کی تفصیل آئین اکبری وغیرہ میں ہے۔ کپتان ہملٹن تحریر کرتے ہیں "ایک قسم کا رنگ بھی ہندوستان سے بھیجا جاتا تھا جس سے چھینٹ ایسی خوبصورت چھپتی تھی کہ دنیا میں کہیں کا رنگ اس کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔
(ہند عہد اورنگ زیب میں ص۲۱)

استعمال ہوتا تھا۔

کورے کپڑے کے تھان بالعموم آگرہ۔ احمد آباد۔ قاسم بازار مسولی پٹم اور ڈھاکہ وغیرہ بھیجے جاتے تھے۔ جہاں نیل بکثرت ہوتا تھا۔ اور کپڑے دھونے کے بڑے بڑے کارخانے قائم تھے۔ ٹاورنیز دوم ص۳

(۴) ہیرے

ہیروں کی کانیں چھوٹے ناگپور سے لیکر نظام کے علاقہ تک پھیلی ہوتی تھیں۔ گولکنڈہ میں ہیرے کی کئی مشہور کانیں تھیں۔ اور اس کے متعلق ہم بہت پہلے سے واقف ہیں۔ قیمتی پتھر مغربی ساحل کی بندرگاہوں سے باہر بھیجے جاتے تھے۔

ابتدا میں گوآ ہیروں کی تجارت کا ایک بہت بڑا مرکز تھا۔ پھر اس کی جگہ چاول۔ سورت اور بمبئی نے لے لی۔

گورکھا دیس جہانگیر کے وقت میں ہیرے کی بہت بڑی کان تھی۔ جو ہمالیہ کی ترائی میں واقع تھا۔ فارسی کی کتابوں میں غالباً اسی کو "کوکرادیس" لکھا گیا ہے۔ مگر ۱۶۱۲ء کے بعد ہم اس کے متعلق کوئی ذکر نہیں پاتے۔

(۵) شکر

آگرہ میں بہت نفیس اور سفید شکر تیار ہوتی تھی۔ اور وہیں کھپ جاتی تھی۔ کیونکہ دولتمند آبادی تھی غیر ممالک کو صرف گڑ۔ راب۔ اور بھورے رنگ کی معمولی کھانڈ بھیجی جاتی تھی پٹنہ میں بھی بہت کھانڈ تیار ہوتی تھی۔ اور دریا کے راستے سے بنگال بھیجی جاتی تھی۔ شکر سازی کا دوسرا مرکز برار تھا۔ مالوہ میں بھی گنا بویا جاتا تھا۔ مگر وہیں کھپ جاتا تھا۔

(۶) لاکھ

بنگال اور اڑیسہ میں لاکھ کی کاشت مخصوص طور پر ہوتی تھی

اس سے دو فائدے تھے۔ رنگائی اور روارنش کے کام میں آتا تھا کھلونے
اور لکڑی کی چیزوں پر اس کی پالش ہوتی تھی۔ اور سب سے زیادہ اسکی
چوڑیاں بنتی تھیں۔ جن کی مقامی طور پر بہت مانگ تھی۔ وطیح تاجر لاکھ کو
فارس بھیجتے تھے۔ جہاں یہ رنگائی کے کام میں آتا تھا۔

(۷) سرکہ | اوڑیسہ اور بنگال سے باہر بھیجا جاتا تھا۔

(۸) ادرک | اوڑیسہ اور بنگال سے بکثرت بھیجی جاتی تھی احمد آباد
سے ہر سال ادرک کی جڑ جسے خاص طور سے محفوظ رکھتے
تھے۔) دیگر ممالک کو بھیجی جاتی تھی۔

(۹) گھی[1] | بنگال کے بعض علاقوں اور اوڑیسہ سے سمندر کی راہ
بہت گھی بھیجا جاتا تھا۔ بیسیوں ممالک اس کے گاہک تھے۔

---

[1] جو گھی اس ملک سے جایا کرتا تھا اس کی نسبت بھی کتاب مذکور فرماتے ہیں کہ یورپ میں
اس سے بہتر ذائقہ کا گھی دستیاب ہونا دشوار تھا (ہند عہد اورنگ زیب میں صفحہ ۲) پر اور ان کا طعن
کو شکایت ہے کہ مسلمانوں نے گائے کھا کھا کر گھی اور دودھ کو مفقود کر دیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ گھی اور
دودھ کو حاصل کرنے والی دولت کہاں گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ شاہان دہلی کے زمانہ میں نیز
اس سے پہلے ہندوستان میں چراگاہیں تھیں جن میں مویشی خاص طور پر پرورش پاتے تھے۔
کاشت کی یہ زیادتی نہ تھی۔ صنعت و حرفت نشر فیصدی تھی جس کے سبب سے بہت سی
زمینیں خالی پڑی رہتی تھیں۔ ایک کاشتکار کے لئے آسان تھا کہ وہ دس بھینسیں باندھے
رکھے۔ آج یہ آسانی مفقود ہے۔ مویشی کا چارہ اُس زمانہ کے گندم کے نرخ سے بھی
زیادہ گراں ملتا ہے اسلام نے چونکہ تیس ۳۰ یا تیس ۳۰ سے زیادہ گائے بھینس پر زکوٰۃ
واجب کی ہے۔ اس لئے مویشی کا کثرت سے ساتھ پالنا ایک فریضہ کی ادائیگی کا ذریعہ
ہوگا۔ جو ثواب کا سبب ہے۔ نیز چونکہ یہ زکوٰۃ مالک پر اسی وقت واجب ہوتی ہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

(۱۰) شورہ | شمالی بہار میں بکثرت نکالا جاتا تھا۔ اور بارود بنانے کے لئے یورپ اس کا خریدار تھا۔

(۱۱) افیون[1] | زیادہ تر بہار اور مالوہ میں اس کی کاشت ہوتی تھی۔ راجپوتانہ کے قریبی حصوں میں بھی کہیں کہیں ہوتی تھی۔ برار اور خاندیش میں بکثرت ہوتی تھی۔ برنیر (فرانسیسی سیاح) لکھتا ہے۔ افیون بذریعہ سمندر دور دور بھیجی جاتی تھی۔ (صفحہ ۴۴۰) پیگو (زیریں برما) جاوا۔ ملایا۔ چین۔ فارس اور عرب اس کے خریدار تھے۔

(۱۲) مرچیں | بنگال اور مغربی ساحل کے علاقوں سے باہر بھیجی جاتی تھیں۔ سیاہ مرچ کو کناڈا سے جاتی تھی۔ اور ساری دنیا کی مانگ کو پورا کرتی تھی۔ یہی سیاہ مرچ تھی جس نے مالابار کے ساحل پر انگریز اور ڈچ قوموں کو کھینچ بلایا۔

---

(بقیہ صفحہ ۶۸) جبکہ اس کے مویشی سال کے بیشتر حصہ میں عام چراگاہوں میں چرتے ہوں۔ لہٰذا ایسی چراگاہیں بنانا حکومت کا فرض ہوگا۔ اگر ایسا انتظام ہو جائے تو شاہان مغلیہ کے زمانہ حکومت کی طرح آج بھی ایک روپیہ کا پندرہ سیر گھی ملنے لگے۔ محمد میاں عفی عنہ۔

[1] بنگال میں صرف دریائے ہگلی سے (۵۰ یا ۶۰) جہاز مال سے بھرے ہوئے سالانہ تجارت کے لئے بیرون ہندوستان بھیجے جاتے تھے۔ ایک ایک ہزار میل سے یہ مال کشتیوں پر لایا جاتا تھا۔ اس میں زیادہ تر افیون۔ مرچ۔ سونٹھ تمباکو اور کپڑا ہوتا تھا۔ (سفرنامہ ہملٹن جلد دوم۔ صفحہ ۲۱ بحوالہ ہند عہد اورنگ زیب میں صفحہ ۲۳)

پہلے یورپ میں مرچوں سے کھانے کی چیزیں بہت شوق سے تیار کی جاتی تھیں۔ سیاہ مرچیں تعیشات کے ذیل میں آتی تھیں۔ اور کافی دولتمند آدمی بھی ان کا استعمال کرتے تھے۔ زبان کے چٹخارے کی خاطر اور کچھ تجارتی منفعت کی غرض سے یہ قومیں مشرق کے ان علاقوں پر ٹوٹ پڑیں۔ جہاں سیاہ مرچ پیدا ہوتی تھی۔ یورپ میں اب مرچ کا استعمال تقریباً نفی کی برابر رہ گیا ہے۔

**(۳) موم اور کالا نمک** | بھی ہندوستان سے بیرونی ممالک کو بھیجا جاتا تھا۔

**(۴) کاغذ** | راجگیر لاہور۔ اورنگ آباد میں بہت عمدہ بنتا تھا۔ لیکن بہترین کاغذ کشمیر میں تیار ہوتا تھا۔ کیونکہ اس کو شاہی توجہات حاصل تھیں۔

تقریباً ہر شہر اور بڑے قصبے میں کاغذی پورہ یا کاغذی محلہ ہوتا تھا۔ جہاں صرف کاغذی رہتے تھے۔ جو معمولی قسم کا کاغذ تیار کرتے تھے۔

**(۵) چمڑے کی صنعت** | پنجاب اور سندھ اس کے مرکز تھے۔

**(۶) کشمیر** | چوبی کام نہایت نفیس۔ کندہ کاری۔ سونے اور چاندی کے خوبصورت کام۔ ہاتھی دانت کی اعلیٰ صنعت کے علاوہ شال اور دوشالے یہاں کی مشہور صنعتیں تھیں بادشاہ ان صنعتوں کی حوصلہ افزائی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے آگرہ۔ پٹنہ اور لاہور میں بھی بادشاہوں نے اس صنعت کو رواج دینے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہو سکی۔

**(۱۷) سوتی قالین** | فتحپور سیکری - الور اور لاہور میں بہت نفیس بنی جاتی تھی۔

**(۱۸) اونی قالین** | کشمیر - جون پور - اور ظفر وال میں تیار ہوتی تھیں۔

**(۱۹) شیشہ کے ظروف وآلات** | زیادہ تر بہار اور الور میں تیار ہوتے تھے۔ لیکن اس کے لئے ہم زیادہ تر یورپ کے دست نگر تھے۔

تجارت و مال کی در آمد و بر آمد کا نتیجہ یہ تھا کہ بقول کپتان ہملٹن عہد اورنگ زیب میں شہر سورت کی چنگی کی آمدنی ایک لاکھ باسٹھ ہزار پاؤنڈ یعنی تیرہ لاکھ روپیہ سالانہ ہوتی تھی اور احمد آباد میں اس سے دس گنی ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ سالانہ چنگی کی آمدنی تھی۔
(سفرنامہ کپتان ہملٹن ص ۱۴۲ بحوالہ ہند عہد اورنگ زیب میں ص ۲۳)

# لوہے کا کام اور اسلحہ سازی

لوہے کی صنعت ہندوستان کی ایک مشہور ممتاز صنعت تھی۔ جس میں کوئی دوسرا ملک ان کا مقابلہ نہیں کرتا تھا۔

غیر معلوم زمانہ سے ہندوستان کی بنی ہوئی تلواریں بہادران عرب کی نظر میں اس درجہ محبوب تھیں کہ انھوں نے لفظ "ہند" سے "تہنید" ماخوذ کیا تھا جس کے معنے تیز کرنے اور دھار رکھنے کے ہیں۔

ہندوستانی تلوار کے فخریہ ذکر کو عربوں نے مبارزانہ قصائد کا گویا لازمی جز بنا لیا تھا۔ "پروفیسر ولسن" نے لکھا ہے:-

ابھی چند دنوں سے لوہا گلانے کا کام انگلستان میں شروع ہوا ہے مگر ہندوستانی قبل زمانہ تاریخ کے پہلے سے لوہا گلانا اور فولاد بنانا جانتے تھے[۱]
مسٹر رانا ڈے نے معیشت الہند[۲] میں لکھا ہے:۔
لوہے کی بنی ہوئی ہندوستانی چیزیں دنیا میں مشہور تھیں۔ دہلی کی مشہور لوہے کی لاٹھ جو پندرہ سو سال پرانی ہے اس سے لوہا ڈھالنے کی صنعت کا اندازہ ہوتا ہے[۲]
لوہے کی اسی لاٹ کے متعلق مسٹر بال نے لکھا ہے[۳]:۔
ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ دنیا کے سب سے بڑے کارخانہ میں بھی ایسے بڑے ستون کی تیاری ناممکن تھی۔ اور اس زمانہ میں بھی مقابلتہً صرف چند کارخانے ایسے ملیں گے جس میں دھات کی اتنی بڑی مقدار ڈھالی جا سکے۔
معیشت الہند میں مسٹر رانا ڈے تحریر فرماتے ہیں:۔
لوہے کی صنعت نہ صرف مقامی ضروریات کو پورا کیا کرتی تھی بلکہ ہندوستان اپنی بنائی ہوئی چیزیں غیر ممالک کو بھی بہم پہنچاتا تھا۔
کپتان الگزنڈر ہملٹن جب "شہر ملتان گئے تو وہاں انھیں بہترین تیر و کمان[۴] بنانے والے ملے۔ لوہا بکثرت پایا۔ حتیٰ کہ وہاں جہازوں کے واسطے لوہے

---

۱ بحوالہ ہندوستان کی صنعت و تجارت۔ صہ ۲۲۔ ایضاً حکومت خود اختیاری صہ ۱۶
۲ ایضاً صہ ۲۲ حکومت خود اختیاری صہ ۱۶۔ ۳ ایضاً صہ ۲۳
۴ تیر و کمان سے مراد توپ اور گولہ ہے۔ ابوالفضل نے توپ کو کمان اور گولہ کو تیر سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ چند سطر بعد آئین اکبری کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے۔

کے لنگر بھی ڈھالے جاتے تھے۔" جلد اول صفحہ ۲۹۲[1]

اکبر بادشاہ کے توپ خانہ کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ ابوالفضل کا قلم نہایت فخر و ناز سے رقم طراز ہے۔

این دستانۂ کارگیانی بدیں فزونی کہ دریں جاوید دولت است، مگر بہ رومستان نشان دہند۔ وقتے کمانہائے چناں کہ تیہو وارد منی باشد۔ وچندیں فیل وہزاراں گاؤ بجالش درآرد[2]

"شوکت و حشمت سلطانی کا یہ سامان اس قدر کثرت کے ساتھ کہ اس حکومت جاوید دولت میں ہے اور کہیں نہیں۔ اگر ہو تو ممکن ہے رومستان[3] میں بعض توپیں ایسی ہیں کہ ان کا گولہ بارہ من کا ہوتا ہے۔ اور بہت سے ہاتھی اور ہزاروں بیل ان کو لے کر چلتے ہیں۔"

اس کے بعد توپوں کی تفصیل بیان کی ہے۔ مثلاً ایک توپ ایسی ہوتی ہے کہ اُس کے پرزے علیٰحدہ علیٰحدہ کرلئے جاتے ہیں۔ اس قسم کی توپ یورش کے وقت بہت کارآمد ہوتی ہے۔

ایک توپ سترہ نال کی ہوتی ہے۔ ایک ہی فتیلہ سے اُس کی تمام نالیں ایک دم گولہ بار ہو جاتی ہیں۔ ایک توپ ایسی ہے کہ اُس کو ایک آدمی کھینچ کر لے جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ (آئین اکبری صفحہ ۱۳۲ جلد اول)

---

[1] بحوالہ ہند عہد عالمگیر میں صفحہ ۱ [2] آئین اکبری صفحہ ۱۳۲ [3] سرسید نے رومستان سے مراد نصاریٰ کا ملک لیا ہے۔ یعنی یورپ۔ مگر اُس زمانہ کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ترکوں کے بادشاہ کو سلطان روم کہا کرتے تھے کچھ عرصہ پیشتر تک اردو تحریروں میں بھی ترکی سلطان ہی کو سلطان روم و شام لکھا جاتا تھا۔ واللہ اعلم۔ محمد میاں عفی عنہ

پھر قلعہ چتوڑ کے محاصرہ کے وقت چونکہ بڑی بڑی توپوں کو اپنی جگہ سے یہاں لانے میں طول عمل تھا۔ لہذا بادشاہ نے خود یہیں اپنے سامنے توپیں ڈھلوائیں۔ (تاریخ ہندوستان ج ۵ ص ۱۶۸)

بندوقوں اور دیگر اسلحہ کی تفصیلات اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہے۔

جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگزیب کے زمانوں میں یہ صنعت بہت کافی ترقی کر چکی تھی۔ اور اگر اورنگزیب کے بعد سلطنت مغلیہ کا انحطاط شروع نہ ہوجاتا یا کسی صورت سے ہندوستانی صنعت کی ترقی سابق رفتار پر باقی رہتی تو بلاشبہ ہندوستان دنیا کے تمام ممالک میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ سب سے زیادہ مسلح اور سب سے زیادہ مضبوط ہوتا۔

**اسلحہ سازی کے مرکز**

پروفیسر جادو ناتھ سرکار نے اپنے لکچر میں بیان فرمایا تھا کہ:-

لاہور۔ سیالکوٹ۔ ملتان۔ گجرات۔ (پنجاب) گولکنڈہ میں عام طور پر اسلحہ تیار کئے جاتے تھے۔

**ہندوستان کے بحری بیڑے (اور) صنعت جہاز سازی**

شاہجہاں بادشاہ نے مکتوب بنام نذر محمد خاں والی بلخ مورخہ سنہ ۱۰۴۲ھ / ۱۶۳۲ء میں لکھا ہے۔

توارہ بنگالہ میں ایک ہزار جنگی جہاز رہتے ہیں۔ جن میں سے ہر ایک پر شتر۔ ہاتھی۔ ملاحوں کے سوار تفنگچی۔ توپچی۔ گولہ انداز۔ تیر انداز

نیزہ دار، شمشیر دار۔ نقارچی۔ کرنائی۔ رودگر۔ آہن گر۔ اور مختلف قسم کے پیشہ وروں کی ایک جماعت رہتی ہے۔ جن کا مجموعہ ستر ہزار ہے جن کو خزانہ بنگال سے ماہ بماہ تنخواہ ملتی ہے۔ ان کے علاوہ ایک جماعت کار آزمودہ سپاہیوں۔ منصبداروں اور احدیوں کی ہوتی ہے[1]۔

یہ تو ہندوستان کے مشرقی ساحل کے بحری بیڑہ کا ذکر ہے۔ مغربی ساحل کے متعلق زمانہ عالمگیر کا سیاح "ہملٹن" لکھتا ہے:۔

بادشاہ کے فوجی جہازوں کا بیڑہ "ڈنڈا راجا پور" میں رہتا تھا اس کا کمانڈر سیدی خاں تھا۔ جس کے قبضہ میں چالیس پچاس ہزار آدمیوں کی فوج کا دستہ رہتا تھا۔ جلد اول صنہ۲۴۱ [2]

تجارتی جہازوں کے متعلق لکھتا ہے:۔

تمام ساحل ہندوستان پر (جو چار ہزار میل ہے) ہندوستانیوں کے بڑے بڑے جہاز تجارتی مال سے لدے ہوئے چلتے پھرتے نظر آرہے ہیں (صنہ۲۵ جلد اول) [3]

اس زمانہ میں صنعت جہاز سازی کے موجودہ استاذ "انگریز" اپنے جہاز ہندوستان میں تیار کرایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک انگریز مقیم بالاسور کے خط مورخہ ۱۶ ردسمبر ۱۶۷۰ء کے حوالہ سے جو اس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹران کو لکھا تھا "مسٹر مکرجی" لکھتے ہیں کہ:۔

"بہت سے انگریز تاجروں کے جہاز اور بادبان۔ یہاں ہر سال تیار ہوتے ہیں۔ پرانے اور مضبوط قسم کے سازوسامان یہاں

---

[1] تاریخ ہندوستان صنہ۲۳۵ ج ۷۔ [2] ہند عہد عالمگیر میں۔ صنہ۳۳
[3] ہند عہد عالمگیر میں صنہ۳۳

بکثرت موجود ہیں مضبوط جہاز تیار کرنے اور صحت اور درستگی کے ساتھ جہازوں کو پانی میں اتارنے میں یہاں کے کاریگر ہر ہوشیار کاریگر کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

مسٹر مکرجی مزید فرماتے ہیں کہ ۱۸۰۰ء کے بعد کے زمانہ میں بھی ہندوستان سے جنگی اور تجارتی جہاز بن کر انگلستان جایا کرتے تھے۔ اور کبھی انگلستان والے یہاں کے مشاق کاریگروں سے جہاز کے نقشے بنوالیا کرتے تھے۔[۱]

"مسٹر ولیم ڈگبی۔ ممبر پارلیمنٹ تحریر فرماتے ہیں":۔

ہندوستان میں جہاز بنانے کا کام ایسی اچھی حالت میں تھا کہ ہندوستان کے بنے ہوئے جہاز انگریزی ساخت کے انگریزی بیڑہ کی ہمراہ دریار "ٹیمز" میں چلتے تھے۔ گورنر جنرل ہندوستان نے ۱۸۰۱ء میں اپنے آقاؤں کو جو لندن میں رہتے تھے رپورٹ کی تھی کہ کلکتہ کی بندرگاہ میں دس ہزار نئے جہاز موجود ہیں جو اسی جگہ بنائے گئے ہیں۔ اور ہندوستان سے انگلستان کو تجارتی مال پہنچانے کے لئے کارآمد ہیں۔ بمبئی کے ساگوان کے جہاز انگلستان کے "شاہ بلوطی" جہازوں سے بہت ہی اعلیٰ ہیں۔

(پراسپرس برٹش انڈیا)[۲]

عمدہ ساگوان کی فراوانی، کاریگروں کی افراط اور ہوشیاری نے ہندوستان میں صنعت جہاز سازی کو اس قدر وسیع اور بلند کر دیا تھا کہ یورپ کے تاجر اور تجارتی کمپنیاں ہندوستان میں تجارتی اور جنگی جہاز بنوایا کرتے تھے۔ اور خریدتے تھے۔ اور ہندوستان کے بنے ہوئے جہاز یورپ کے جہازوں کے مقابلہ میں زیادہ پائیدار مستحکم ہوا کرتے تھے۔

---

[۱] ہندوستان کی صنعت و تجارت [۲] ایضاً

سر ولیم ڈگبی نے "پراسپرس برٹش انڈیا" میں لکھا ہے:۔

"ساگوان کا بنا ہوا جہاز پچاس سال سے بھی زیادہ عرصہ تک چل سکتا ہے۔ بمبئی کے بہت سے بنے ہوئے جہاز چودہ پندرہ سال استعمال ہونے کے بعد بحری فوج کے لئے خرید لئے گئے تو نہایت مضبوط ثابت ہوئے۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کا بنا ہوا "سرایڈورڈ ہیوز" نامی جہاز آٹھ سفر سوداگری کے طے کر چکا تھا کہ بحری فوج کے لئے خرید اگیا۔ حالانکہ یورپ کا کوئی جہاز چھ سفر بھی سلامتی کے ساتھ طے نہیں کر سکتا۔

بمبئی میں جو جہاز بنتے ہیں ان پر انگلستان کے مقابلہ میں ۲۵ فیصدی کم خرچ آتا ہے۔

اس حساب سے انگلستان کے بنے ہوئے جہازوں پر جو ہر بارہ سال کے بعد از سر نو بنائے جاتے ہیں چار گونے سے زیادہ خرچ ہوگا" [۱]

انیسویں صدی سے ہٹ کر آؤ پھر سولھویں صدی میں کشتیوں کے ایک بیڑہ کا نظارہ کریں جو اکبر نے ۹۸۲ھ ۱۵۷۴ء میں تیار کرایا تھا جب کہ وہ پٹنہ اور حاجی پور کی تسخیر کے لئے آگرہ سے براہ دریا روانہ ہوا تھا بیشمار کشتیوں کی ایک لمبی قطار ہے۔ ہر ایک کشتی سطح دریا پر گویا متحرک باغیچہ ہے۔ طرح طرح کی دلکشا منزلیں اور فرحت بخش منظر ان کشتیوں میں موجود ہیں۔ وہ باغ اور چمن جن کا زمین پر لگنا مشکل تھا ان کشتیوں میں لگائے گئے۔

---

[۱] بحوالہ ہندوستان کی صنعت و تجارت صہ ۱۷۵

ایک کشتی کی ایک منزل میں "بال سندر" نامی ہاتھی مع دو بھتیوں کے سوار ہے - ایک بڑی کشتی کارخانے کے لئے ہے ۔ ہر امیر کے لئے حسب مراتب کشتی میں منزل تیار کی گئی ہے ۔ ان خانہا رآبی کے سر پر ایک جانور کی شکل بنائی گئی۔ جس کو دیکھ کر لوگ حیران ہوتے ہیں۔ الخ [۱]

ہندوستانیوں کی صنعت جہاز سازی کی برتری کے باوجود یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بحری جنگی طاقت کمپنی کی بڑھ گئی تھی۔ اس کی خاص وجہ یورپین اقوام کی رقابت تھی ۔ یہ رقابت نہ صرف دیگر اقوام یورپ سے بلکہ خود انگریزی قوم کے قزاقوں سے رہتی تھی۔ جن میں سے ایک جتھہ نے تو جزیرہ "مڈغاسکر" کو اپنا صدر مقام بنا کر بحر ہند کے سفروں کو مخدوش کر رکھا تھا۔ اس وجہ سے اہل یورپ کے تجارتی جہاز ہمہ وجوہ توپوں وغیرہ سے مسلح رہتے تھے۔

## خوش حالی اور فارغ البالی

سارا ملک زرخیز۔ اور شاداب، پیداوار بہترین۔ ہر قسم کے معدن موجود۔ معدنیات کی کثرت۔ صنعت اعلیٰ۔ تجارتی تعلقات تمام دنیا سے قائم۔ ہر ایک باشندۂ ملک برسر روزگار۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہندوستان جنت نشان نہ ہو۔

اگر فردوس بر روئے زمین ست
ہمیں ست وہمیں ست وہمیں ست

ڈاکٹر "رابرٹسن" نے لکھا ہے :۔

تمام زمانوں میں سونا چاندی کی برآمد ہندستان کی بہت فائدہ مند تجارت تھی۔ روئے زمین پر کوئی ملک بھی اپنی

---

[۱] تاریخ ہندوستان ص۲۱ و ص۲۲

ضروریات میں دوسرے ملکوں سے اتنا مستغنی نہ تھا جتنا کہ ہندوستان تھا۔ مناسب آب و ہوا۔ زرخیز زمین اور خود ہندوستانیوں کی ذہانت نے وہ سب کچھ مہیا کردیا تھا جس کی انھیں ضرورت تھی۔ (ہندوستان کی صنعت و تجارت صہ ۵۵)

برنیئر جس نے شاہجہاں کے زمانہ میں ہندوستان کی سیاحت کی تھی، ایک مفصل سفرنامہ میں دارالسلطنت دہلی کا ذکر بڑی شان سے کرتا ہے، بڑے بڑے خزانے، سونا، چاندی۔ زیورات۔ اور موتیوں کو دیکھ کر اُسکی آنکھیں خیرہ ہوگئیں۔ اور اُس کے کچھ عرصہ بعد مسٹر ٹیویز دوسرا یوروپین سیاح ملک میں داخل ہوتا ہے۔ دربار مغلیہ میں تخت طاؤس۔ خیمۂ دل بادل ریشم اور سونے چاندی سے بنے ہوئے فرش۔ پردے، زرق برق امراء کے لباس۔ کمخواب۔ اطلس۔ حریر و دیبا کی بہتات اُس کی آنکھوں میں چکاچوند پیدا کردیتی ہے اور وہاں کی صنعت۔ نقاشی۔ سنگتراشی اور تجارت کی افراط پر تعجب کرتا ہوا رخصت ہوتا ہے۔

واسکوڈاگاما۔ جب ہندوستان کی تلاش میں یہاں پہنچتا ہے تو یہاں کی خوش حالی، دولت اور فروغ کو دیکھ کر مست ہوجاتا ہے اور اپنی کشتیوں میں سونا وغیرہ بھر کر رخصت ہوتا ہے۔

اس طرح سے کیپٹن ہاکن۔ سر ٹامس رو۔ سرجان لینکا شر، مغل بادشاہوں کے وقت میں ہندوستان آئے ہیں۔ رعایا کی خوش حالی امن و امان کا مسرور کن نظارہ دیکھ کر شاہی دربار سے انعام واکرام پاکر رخصت ہوتے ہیں (صفحہ ۲۴ غریب ہندوستان)

"عبداللہ وصّاف" مؤرخ نے لکھا ہے:۔

حضرت آدم کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک شرق سے لے کر غرب تک اور جنوب سے لے کر شمال تک کوئی ملک ایسا نہیں جس میں باہر کے ملکوں سے سونا۔ چاندی۔ قیمتی سامان اور جنس آتی ہو اور اس کے بدلے میں کلنٹے۔ بڑی۔ بوٹی۔ مٹی۔ سنگریزے اور مختلف قسم کی جڑیں باہر جاتی ہوں۔ اور جہاں کی سامان کی خریداری کے لئے کسی ملک کو کبھی روپیہ نہ گیا ہو۔ [۱]

اسی دولت مندی کے سبب سے یہاں کے شہر عظیم الشان تھے جن سے انگلستان کے لوگ مرعوب ہوتے تھے۔ چنانچہ اس زمانہ میں شہر آگرہ لندن سے بڑا تسلیم کیا جاتا تھا۔ [۲] بنگال کے تگک سیٹھوں کا کاروبار بینک آف انگلینڈ کی برابر پھیلا ہوا تھا۔ جو انگلستان کا سب سے بڑا بینک ہے۔ [۳] اور بقول کپتان الگزنڈر ہملٹن سورت کے ایک تاجر مسمی عبدالغفار کا سرمایہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے سرمایہ کے برابر تھا۔ [۴]

اسی تاجر کے متعلق کپتان موصوف تحریر فرماتے ہیں :۔

میں نے دیکھا ہے کہ ایک سال میں مال کے تقریباً بیس جہاز بھر کر وہ بھیجتا ہے۔ ہر ایک جہاز تین سو سے لے کر آٹھ سو ٹن کا تھا اور ہر ایک میں صرف اُس کا مال دس ہزار پونڈ اور بعضوں میں

---

۱۔ مسلمانوں کا روشن مستقبل صفحہ ۲۵۔ ۲۔ پہلے زمانہ کے سیاح۔ ایرلی ٹریولس آف بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ۲۸۔ ۳۔ سند آف مرشدآباد بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ۲۹
۴۔ ہند عہد اورنگ زیب میں صفحہ ۲۰

پچیس ہزار پونڈ کا تھا۔ اور جب یہ مال باہر روانہ ہوچکتا تھا تب بھی اُس سے زیادہ مال اُس کے پاس آئندہ کے لئے باقی رہتا تھا۔ جلد اول ص۳۴ و ص۳۵ ۔[1]

"سر جان میلکم" نے لکھا ہے:-

مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوئی کہ مختلف شہروں کے درمیان روپیہ پیسہ کا بیوپار نہایت وسیع پیمانہ جاری ہے۔ یہاں کے ساہوکار اور صراف دولتمند ہیں۔ اور ترقی کے انتہائی درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں۔ اس علاقہ میں مال کی درآمد برآمد ہمیشہ کثیر مقدار میں ہوتی ہے۔ بیمہ کے دفاتر جو سارے ہندوستان میں جاری ہیں کبھی اپنا کاروبار بند نہیں کرتے۔ مجھے اس بات کا مطلق یقین نہیں کہ ہماری حکومت نے اس ملک کی ترقی میں امداد کی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ پہلے بادشاہوں کی حکومت دوبارہ قائم ہونے سے جو ترقی اور خوشحالی تجارت و زراعت میں ہونی ممکن تھی۔ وہ بھی نہیں کی۔ دکھنی علاقہ مہاراشٹر جس کی زرعی و تجارتی فارغ البالی کا میں نے ذکر کیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ ہمارے عہد حکومت میں ایسی ترقی کر سکے۔[2]

کپتان الگزینڈر ہملٹن نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے:-

اورنگ زیب کے زمانہ میں حکومت نے تاجروں کے مال کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر اس قدر لے لی تھی کہ اگر ان کا مال چوری ہو جاتا تو حکومت خزانہ شاہی سے نقصان کی تلافی کر دیتی۔ یہی

---

[1] ہند عہد اورنگزیب ص۲ [2] ہندوستان کی صنعت و تجارت ص۸۶ و ص۳۹

وجہ تھی کہ اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان کی تجارت کا مقابلہ
یورپ کے بڑے بڑے ممالک نہیں کر سکتے تھے۔ اسی تجارت اور مالی
کی درآمد و برآمد کا نتیجہ تھا کہ صرف شہر سورت میں چنگی کی آمدنی
تیرہ ۱۳ لاکھ تھی۔ اور احمد آباد میں ایک کروڑ تیس لاکھ۔ لہ

دولت کی اس فراوانی کے ساتھ جب نرخ کی ارزانی کا علم ہوتا ہے تو
مرفہ الحالی اور فارغ البالی کا ایک عجیب و غریب منظر سامنے آجاتا ہے۔
آئین اکبری میں تمام جنسوں کے نرخ کی تفصیل درج ہے۔ ملاحظہ
ہو۔ ص۴۹ تا ص۵۳۔

مثلاً گندم تقریباً ۴۰ فی من۔ چاول چار من فی روپیہ۔ مونگ ۲ من
۳۰ سیر۔ کھانڈ اٹھارہ سیر۔ بکری کا گوشت ایک روپیہ دس آنہ من۔ بادام
۴۵ پائی سیر یعنی فی روپیہ تقریباً چار سیر (وغیرہ وغیرہ)
معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری طور پر اجناس کا نرخ مقرر کر دیا جاتا تھا
ورنہ آئین اکبری میں ہر ایک پیداوار کے نرخوں کے درج کرنے کے
کوئی معنی نہ تھے۔

کپتان الگزنڈر ہملٹن نے اجناس خوردنی کا نرخنامہ تو پیش نہیں کیا البتہ
اپنے مذاق کی چیزوں کا نرخ نہایت حیرت اور استعجاب کے ساتھ بیان
کیا ہے جس کا تذکرہ اس موقع پر لطف سے خالی نہ ہوگا۔
گائے کا گوشت۔ تین فاردنگ یعنی چند کوڑیوں میں آدھ سیر (ج ۱ ص ۱۶۱)
ایک ٹن یعنی اٹھائیس من نمک ایک کراؤن یعنی تقریباً دو روپیہ (جلد ۱ ص ۲۵۵)
ساحل کارومنڈل کے کنارے ساڑھے تین آنہ میں بیس پونڈ مچھلی

---

لہ ہندوستان کی صنعت و تجارت ص۲۲ و ص۳۴۔

(جو کہ ذائقہ میں ٹراؤٹ اور سامن جیسی ہوتی تھی، ملتی تھی۔ (ج ا ص ۳۰۹)

شہر کٹک میں ایک پونڈ یعنی آدھ سیر مکھن ایک آنہ میں ملتا تھا (ج اص ۲۹۲)

دو آنہ میں اکسو مچھلیاں فروخت ہوتی تھیں جو اتنی بڑی بڑی ہوتی تھیں کہ صرف دو مچھلیاں ایک آدمی کا پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہوتی تھیں شہر ڈھاکہ میں ضروریات کی تمام ہی چیزیں اس کثرت سے اور اسقدر ارزاں تھیں کہ آج ان کا ذکر کرنا بھی مبالغہ معلوم ہوگا۔ (جلد دوم ص۲۳)

مثلاً پانچ سو اسی پونڈ چاول یعنی ۶ من ۱۴ سیر ۱۲ چھٹانک چاول صرف ایک روپیہ میں۔ (جلد دوم ص۴۵)

ہرن۔ بارہ سنگے۔ مور۔ اس کثرت سے ہیں کہ لوگوں کے گھروں میں گھستے پھرتے ہیں۔ (جلد اول ص۱۲۴)

شکار اس کثرت سے پایا جاتا تھا کہ جرمنی اور ولایت کے بڑے بڑے رؤسا صرف شکار کھیلنے کی غرض سے ہندوستان آیا کرتے تھے۔ [۱]

شہر مرشد آباد مثل لندن کے وسیع آباد اور خوش حال ہے مگر فرق

---

[۱] فی زمانہ یعنی اواخر جون ۱۹۴۶ء میں گیہوں ۲½ سیر۔ گوشت بکری سوا روپیہ سیر گوشت گلے۔ بارہ آنہ سیر۔ گھی روپیہ کا چار چھٹانک۔ سوختہ روپیہ کا ایک من شکر ۲ سیر۔ چھالیا روپے کی ¼ سیر۔ دال مونگ ۲ سیر۔ دال ماش ۲ سیر ہے (خداوندا کیا یہ وہی ہندوستان ہے) ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے ہندوستان آزاد ہو چکا ۱۳ سال بعد (نظر ثانی کے وقت) جنوری ۱۹۶۱ء میں نرخ یہ ہیں۔ گیہوں ایک روپیہ کا سوا دو سیر۔ بکری کا گوشت پونے دو روپیہ سیر۔ گلے اور گائے کی نسل کا ذبیحہ قانوناً ممنوع۔ بھینس کا گوشت ایک روپیہ سیر (دہلی میں) گھی خالص ساڑھے پانچ روپے سیر۔ سوختہ تین روپیہ من۔ شکر سترہ آنے کی ایک سیر۔ چھالیا آٹھ روپیہ سیر۔ دالیں بارہ آنے سیر۔ چاول متوسط قسم کا ایک روپیہ سیر۔ اب طبع ثانی کے وقت اکتوبر ۱۹۶۲ء میں بکری کا گوشت دس روپے سیر۔

یہ ہے کہ مرشد آباد میں ایسے ایسے افراد ہیں جو جائداد کے مالک ہوتے ہیں انگلستان کے لوگوں سے بدرجہا بڑھے ہوئے ہیں۔ مرشد آباد میں لاکھوں آدمی رہتے ہیں اور اگر وہ یورپینوں کو تباہ کرنا چاہتے تو محض لاٹھیوں اور پتھروں سے کر دیتے۔ لارڈ کلایو ؁۱

سراج الدولہ کے انتقال کے بعد جن لوگوں نے بنگال سے ہو کر کوچ کیا ہم اُن سے اس بات کی تصدیق کرانا چاہتے ہیں کہ اس وقت یہ سلطنت دنیا میں سب سے زیادہ دولتمند آبادی اور کاشت کے اعتبار سے بہترین تھی۔ یہاں کے شرفا اور تاجر دولت اور عیش و عشرت میں لوٹ لگاتے تھے۔ اور ادنیٰ درجہ کے کسانوں اور کاریگروں پر خوش حالی اور آسائش کی برکتیں نازل ہوتی تھیں۔ روز ۱۸۱۱ء ؁۲

# آثارِ انحطاطِ دولتِ مغلیہ

---

## (ہر کمالے را زوالے)

مصیبتوں اور ہزاروں زحمتوں کی پرخار وادیوں کو طے کر کے جب آبلہ پا جفاکش کامیابی کی منزل پر پہنچتا ہے تو عشرت اور تن آسانی مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا کرتی ہے۔ دنیا کی کوئی بہادر قوم ایسی نہیں گذری جو عیش و رفاہیت کی جادو بھری نگاہوں سے مسحور نہ ہوئی ہو۔

---

؁۱ روشن مستقبل صفحہ ؁۲ روشن مستقبل صفحہ ۵۶

انقلاب کی اسی پُر فریب فطرت نے سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پریشان کر دیا تھا۔ جب آپ کے سامنے کسریٰ کے عشرت کدوں کا سامانِ آرائش لاکر ڈالا گیا۔

پھر اسی داؤ پیچ کو ختم کرنے کے لیے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے کسریٰ کے اس نادر روزگار ریشمی زربفت قالین کو ٹکڑے ٹکڑے کرا کر تقسیم کر دیا تھا۔ بیشک فوری طور پر چند نسل کے لئے تدبیر فاروق کارگر ہو گئی۔ مگر افسوس آخر کار قانون فطرت تدبیر فاروقی پر غالب آیا اور اُمتِ عرب بھی عیش و عشرت کے اس نرم امتحان میں جس کا نتیجہ انتہا درجہ سخت ہوا کرتا ہے اسی طرح ناکام رہی جیسے دنیا کی تمام قومیں ناکام ہو چکی تھیں۔

دولت مغلیہ میں عہد شاہجہاں کی فارغ البالی نے شاہجہاں کو تخت طاؤس کا سریر آرا بنایا۔ جو اُندلس کے زمرد و جواہر کے مصنوعی باغیچوں کی طرح اپنی نظیر سے ناآشنا تھا۔

عہد عالمگیر میں جس طرح ہندوستان کی دولت و خوش حالی نے ترقی کی ایسے ہی تن آسانی میں اضافہ بھی ہوا حتیٰ کہ عالمگیر جیسے جفاکش زاہد خشک۔ راحت و آرام سے ناشنا بادشاہ کی قوت اور امراء فوج کا نقشہ خان بہادر شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب دہلوی کے الفاظ میں حسب ذیل تھا:-

> اکبر کے شائستہ اور نرم آئینوں نے ملک کی مدت کے امن چین نے، ہندو مسلمانوں کے میل جول نے مغلوں کی سپاہ کو نرم اور آرام طلب بنا دیا۔ اب مسلمانوں میں سے خونریزی گری مٹ گیا تھا۔ فوج میں نشان تیموری کا کوئی نشان باقی رہا تھا

اور نہ بابری شان کا۔ کہاں وہ سواروں کے لگبٹ ایلغار ہوتے تھے۔ یا اب رسالدار جو اپنا رسالہ لیکر چلتا تو یہ معلوم ہوتا کہ کسی برات کو دولہا ساتھ لئے جاتا ہے۔ سوا اسکے سواروں کے گھوڑوں کو دیکھو تو چاندی سونے کے بھاری بھاری ساز، کسی پر چڑا او زین دھرا کسی پر زردوزی جامہ کسا۔ گجریاں اور پاکھریں ہیٹھوں پر پڑی ہیں۔ جن میں قاقم اور سنبور کے جھالر، کالا بتوں کے پھندے۔ دم اور ایال تمام رنگین۔ گلے میں سرا گاؤ کی چوہریاں لٹکیں۔ سر پہ کلغیاں دھریں اور پاؤں میں جھانجھن پڑے، ریشمی باگ ڈوریں۔ سائیس ہاتھ میں لئے یہ تو گھوڑوں کی کیفیت تھی۔ اب گھوڑوں کے سواروں کا حال یہ تھا کہ ان کے بدن پر ریشم اور ریشم کے دگلے روئی کے گالوں سے بھرے۔ اور ان پر زرہ بکتر پہنے۔ چار آئینہ لگائے۔ غرض نہ یہ سوار نہ یہ گھوڑے لڑائی کے کام کے ہوتے تھے۔ موٹے تازے خوب ہوتے تھے۔ مگر دشمنوں پر حملہ کرنے اور مہینوں سفر کرنے میں اُن کا دم آدھا ہو جاتا۔ یہ تکلفات بیجا کی وبا گو ساری سپاہ میں پھیلی ہوئی تھی مگر ایک آفت اور سب سے زیادہ یہ تھی کہ انتظام سپاہ میں کوئی نظم (آئین نہ تھا۔ باوجودیکہ خود عالمگیر ذرا ذرا سا کام دیکھتا اور سب کارخانوں کی تفتیش کرتا۔ (تاریخ ہندوستان ج ۸ صفحہ ۳۱۸)

شمس العلماء مندرجہ بالا تحریر کو مورخین کا مبالغہ آمیز بیان قرار دیتے ہوئے فیصلہ فرماتے ہیں:۔

اس میں شک نہیں کہ اس بادشاہ کے عہد میں وہ چستی اور چالاکی باقی نہ رہی تھی جو بابر اور اکبر کے عہد میں تھی۔ سب سردار عیش دوست اور آرام طلب ہو گئے۔ قاعدہ ہے کہ ادنیٰ اعلیٰ کی تقلید کرتا ہے۔ افسروں کے ساتھ سپاہی بھی آرام جو ہو گئے۔

(ص ۳۵۱ و ص ۳۵۲)

خود خیمۂ شاہی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

بادشاہی خیموں کی آرائش اور زیبائش زربفت و کمخواب سے ہوتی تھی۔ ان کا احاطہ بارہ سو گز کا ہوتا تھا۔

قصر شاہی میں جو مکانات ہوتے ہیں وہ ان سب خیموں میں ہوتے تھے۔ ان کے بیچ میں بادشاہ کے بیٹھنے کے لیے ایک تخت گاہ ہوتا تھا۔ یا کرسی ہوتی۔ حمام۔ غسلخانہ۔ چاند ماری کشتی اور دور رز نشوں کے لیے علیٰحدہ علیٰحدہ خیمے۔

یہ خیمے مخمل فرنگی اور زربفت گجراتی۔ قاقم سمور سنجاب ایرانی دمشقی قالینوں اور چینی ریشمی کپڑوں۔ غرض ساری دنیا کے اعلیٰ کپڑوں سے آراستہ ہوتے تھے۔ روپہلی سنہری ستونوں کے ہوتے تھے۔ بادشاہی خیموں پر سونے اور چاندی کے کلس لگائے جاتے اور خیموں کے گرد رنگین قناتیں کھڑی ہوتیں۔ باورچی خانے آبدار خانے کا سامان سیکڑوں طرح کا ہوتا۔ نمک خانہ۔ شیرینی خانہ۔ اچار خانہ۔ برف خانہ۔ شورہ خانہ غرض سیکڑوں خانے اسی قسم کے ہوتے پھر ان سب پر یہ تکلف زیادہ تھا کہ سارا سامان دوہرا ہوتا تھا۔ ایک آگے منزل پر جاتا جس وقت بادشاہ اپنے

خیمہ میں داخل ہوتا تو پچاس ساٹھ تومین سلامی کی چھوٹتیں غرض اس عیش وعشرت کے سامان نے فوج کا رنگ ڈھنگ بدل دیا (ص۳۵۹ ج ۸ تاریخ ہندوستان)

# ہندوستان میں یورپین اقوام کی آمد

"قریش کی رحلت الشتاء والصیف"[1] اس مبارک سلسلہ کی کڑی تھی جس نے ایشیاء کو یورپ[2] سے ملا رکھا تھا۔ راس امید (واقع افریقہ) والا راستہ معلوم ہونے سے پہلے مغرب اور مشرق کے تاجر قسطنطنیہ، سکندریہ اور حلب کے بازاروں میں لین دین کرتے تھے۔ لیکن ترکان آل عثمان اور یورپ کی عیسائی قوموں کی باہم لڑائی کا لامتناہی سلسلہ جب شروع ہوا تو یہ

---

[1] قریش مکہ جاڑوں میں یمن اور گرمیوں میں شام جایا کرتے تھے۔ کعبہ شریف کا خادم ہونے کی وجہ سے پرستاران کعبہ سے نذرانے بھی وصول کیا کرتے تھے اور تجارتی مال کے لین دین سے منافع بھی حاصل کیا کرتے تھے۔ قرآن پاک میں انھیں فاہیت بخش اور دولت بیز سفروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے توجہ دلائی گئی ہے کہ ان سفروں سے دولت وثروت کے ذخیرے حاصل کرتے وقت اس خدا کی عبادت کو بھی ضروری سمجھو جس نے تمھیں ان سفروں کی توفیق بخشی۔ اور اس کے زریں مواقع تمہارے لئے مہیّا کر دیئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

[2] چین اور ہندوستان کا خام مال اور بالخصوص مصنوعات۔ ایران، عراق یا خلیج عدن کے راستے سے یمن اور حجاز ہوتا ہوا مصر اور شام پہنچتا تھا اور وہاں سے یورپ بھیجا جاتا تھا۔ ۱۲۔

منڈیاں ویران ہونے لگیں۔ تب سے یورپ کی قوموں کو براہ راست اُن ملکوں تک پہنچنے کا شوق پیدا ہوا۔ جہاں سے مسالے، نیل اور باریک کپڑے مل سکتے تھے۔ لیکن ان کا یہ شوق پورا نہ ہوتا اگر ہسپانیہ کے اسلامی دار العلوم پہلے ہی زمین تیار نہ کر چکے ہوتے۔ غرناطہ اور قرطبہ کے مدرسوں میں ہیئت اور ریاضی جغرافیہ اور تاریخ سیکھنے کے لئے یورپ کے طالب علم آتے تھے اور واپس جا کر جاہل اور کور چشم قوموں میں فکر اور تحقیق کی مشعلیں روشن کرتے تھے[1]۔ زمین کو ایک چپٹی تھالی سمجھنے والے ملاح ساحل سے زیادہ دور نکل جانے کی ہمت ہی نہ کر سکتے تھے۔ کیونکہ وہ ڈرتے تھے۔ کہ سمندر میں زیادہ جانے سے ان تھاہ بھنور میں گر پڑیں گے۔ اغراض پرست دقیانوسی پادریوں نے باوجود یکہ اس نوجوان طبقہ کو مٹانے کے لئے ہر ایک وحشیانہ جد وجہد صرف کر دی لاتعداد نوجوانوں کو تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ لیکن انقلاب کا جو تخم ترقی پذیر جماعت کے دلوں کی کشت زار میں جم چکا تھا وہ سوخت نہ ہوا بلکہ تختۂ دار پر لٹکنے والی ہر ایک گردن کا قطرۂ خون تحریک کے لئے سرسبزی اور شادابی کا سبب بن گیا۔

مسلمانانِ اندلس کی حکومت بوڑھی ہو چکی تھی۔ قانون ارتقا اُس کے خاتمہ کا فیصلہ صادر کر چکا تھا۔ بدقسمتی سے یہ نوجوان طبقہ محسن کش ثابت ہوا اور انقلاب کے سب سے پہلے تیر کا نشانہ سینۂ استاذ کو بنا دیا۔ جذبات

---

[1] کولمبس جیسا بلند ہمت جس نے امریکہ کو دریافت کیا اگرچہ اطالیہ کا رہنے والا تھا مگر اطالیہ اور انگلستان کے باشندوں نے اس کی مدد نہ کی۔ البتہ جس نے اس کی مدد کی وہ اسی اسپین کا بادشاہ تھا جہاں مسلمان عرصۂ دراز تک درس تدریس دیتے رہے تھے۔

ترقی کے تلاطم خیز طوفان، پاپائے اعظم کے سر پر جلالت و عظمت سے ٹکرانے لگے حتیٰ کہ ۱۴۹۳ء میں سکندر ششم پاپائے روم کے قلم کو جنبش ہوئی اور اس نے تمام غیر مسیحی دنیا کو تجارتی اغراض کے لئے اسپین اور پرتگال کے درمیان تقسیم کر دیا۔[۲]

امریکہ[۳] اسپین اور ہندوستان پرتگال کے حصہ میں آیا۔

اس زمانہ میں مشرق اور مغرب کی تجارت عرب تاجروں کے ہاتھ میں تھی۔ ہندوستان اور چین کا مال ان ہی کے توسط سے "وینس" کے بازاروں میں پہنچتا تھا جو اس وقت یورپ کی بڑی منڈی اور اپنی دولت و ثروت کے لحاظ سے دنیا میں مشہور تھا۔ پرتگیزوں کو اہل وینس کی تجارت اور ان کی دولت پر رشک تھا۔ وہ اپنے اولوالعزم بادشاہ ہنری جہاز راں کے عہد حکومت میں پاپائی منشور کے حاصل ہونے کے پانچ سال بعد راس امید کا چکر کاٹ کر ۱۴۹۸ء میں واسکوڈی گاما کی سرکردگی میں کالی کٹ پہنچے۔ اور وہاں اپنی تجارتی کوٹھی قائم کر لی۔[۴]

پاپائی منشور اگرچہ ۱۴۹۳ء میں حاصل ہوا مگر پرتگالیوں نے پندرھویں صدی کے ابتدا ہی سے ہندوستان پہنچنے کی کوشش شروع کر دی تھی۔ براعظم افریقہ ان کے ملک کے بالکل قریب تھا۔ اس کے مغربی ساحل پر

---

[۱] وہ ناکام اور کامیاب کولمبس جو ہندوستان کے ارادہ سے چلا اور امریکہ پہنچکر نئی دنیا دریافت کر لی۔ ۱۴۹۲ء میں اسپین سے روانہ ہوا۔ اور اسی سال یعنی ۱۴۹۳ء میں نئی دنیا دریافت کرکے واپس پہنچا۔ ۲۰ مئی ۱۵۰۶ء کو انسٹھ سال کی عمر پاکر بمقام ویلاڈولڈ مرگیا۔ جب کہ وہ اپنے دوستوں اور اہل ملک کی بے وفائی سے سخت پریشان ہوچکا تھا۔ (تاریخ امریکہ) [۲] تاریخ دستور حکومت ہند صہ [۳] ایضاً صہ [۴] ایضاً صہ

انھوں نے جنوب کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ جابجا ساحلی مقامات پر قبضہ کرتے گئے۔ پھر ان کو یہ امید بندھ گئی کہ افریقہ کے جنوبی ساحل تک پہنچ جانے کے بعد ان کو اس کے گرد گھوم کر ہندوستان جانے کا راستہ بھی مل جائیگا۔ جب یہ امید قوی ہوگئی تو ۱۴۸۲ء میں شاہ پرتگال نے ہمعصر شاہان یورپ کو بھی اس مہم میں شرکت اور مدد کی دعوت دی کہ سب مل کر ہندوستان کا راستہ معلوم کریں اور جو فتوحات ہوں۔ ان کو بانٹ لیں۔ یا اس کو تنہا یہ مہم سر کرنے دیں لیکن پھر حصہ کا دعویٰ نہ کریں۔ مگر اس کے لئے کوئی آمادہ نہ ہوا۔ پرتگالیوں نے تنہا اپنا کام شروع کر دیا۔ اور وہ ہی سال کے اندر یعنی ۱۴۸۶ء میں وہ ساحل افریقہ کی انتہائی جنوبی مقام تک پہنچ گئے۔ جس کا نام انھوں نے امید افزا راس "کیپ آف گڈ ہوپ" رکھا جس کے گرد گھومنے سے ہندوستان کا سیدھا بحری راستہ مل جاتا ہے۔

گیارہ سال بعد ۸ جولائی ۱۴۹۷ء کو "واسکوڈی گاما" کی سرکردگی میں تین بادبانی جہازوں کا چھوٹا سا بیڑہ جس میں کل ۱۶۰ نفر سوار تھے۔ پرتگال سے روانہ ہوا۔ ۲۰ نومبر ۱۴۹۷ء کو یہ بیڑہ کیپ آف گڈ ہوپ پہنچا۔ یہاں سے ہندوستان تک بحر ہند موجیں مارتا ہے لیکن کچھ پتہ چلائے بغیر اس میں چل پڑنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔ اس لئے یہ بیڑہ افریقہ کے مشرقی ساحل کے قریب قریب شمال کی طرف بڑھا اور کئی ساحلی آبادیوں میں ٹھہرتا ہوا ممباسہ سے اوپر ملندا تک پہنچ گیا۔

ملندا ایک تجارتی بندرگاہ تھا۔ اور اسی زمانہ میں چار پانچ جہاز ہندوستان سے مال لیکر یہاں آئے ہوئے تھے۔ ان جہاز والوں سے بحری راستہ کی پوری کیفیت معلوم ہوگئی۔ بلکہ پرتگالیوں نے ان میں سے

ایک جہاز راں کو جو گجرات کا باشندہ تھا۔ اور اپنے فن کا بہت بڑا ماہر تھا ملازم بھی رکھ لیا۔

اس گجراتی جہاز راں کی رہنمائی سے پرتگالی بیڑہ ۲۴ اپریل ۱۴۹۸ء کو ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔

گجراتی جہاز راں ایسے سیدھے راستے سے بیڑہ کو لایا کہ تقریباً تین ہفتہ میں بحر ہند پار ہو گیا۔ اور بتاریخ ۲۰ مئی ۱۴۹۸ء یوم دوشنبہ پرتگالی جہاز ساحل مالا بار پر بمقام کالی کٹ پہنچ گئے۔ اس طرح پرتگال سے ہندوستان تک ساڑھے دس مہینہ میں بحری سفر طے ہوا۔

۲۰ مئی ۱۴۹۸ء تاریخ ہندوستان کا وہ دن ہے جس نے یورپ کا رشتہ ہندوستان سے جوڑا۔ جو در حقیقت ہندوستان کے لئے نہایت منحوس رشتہ ثابت ہوا۔ [۱]

یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح ہندوستان کے جنوب مشرق سے ایک نئی قوم ہندوستان میں داخل ہو رہی ہے۔ اسی زمانہ میں بالکل مقابل سمت یعنی ہندوستان کے شمال مغرب سے ایک دوسری قوم ہندوستان کو جھانک رہی ہے۔ جس کا نام مغل ہے۔

سر دست قدرت نے اگر مغربی اقوام کو منشور تجارت عطا فرمایا ہے تو اس مغل قوم کو منشور حکومت مرحمت ہوا ہے۔ جس کا پہلا نافذ کنندہ بابر تھا جو ۱۵۲۶ء میں فاتح ہند ہوا۔

کالی کٹ کے ہندو راجہ "زمورن" نے پرتگیزی تاجران کو خاص مراعات عطا کیں [۲] مگر یورپ کے یہ بنئے، کسی اخلاقی مقصد سے نہیں بلکہ طمع

---

۱؎ ہندوستان کی صنعت و تجارت ص۵۲ تا ص۵۶۔ ۲؎ تاریخ دستور حکومت ہند ص۲۔

اور حرص کے ذلیل جذبات کے تقاضے ہندوستان آئے تھے،
پہلے ہی دن سے اُن کے ناپاک ارادوں کا ظہور ایسی طرح ہوا کہ جس راجہ
نے مراعات اور مدارات سے نوازا تھا اسی سے کشمکش ہوگئی اور صرف
تین ماہ بعد اگست ۱۴۹۸ء کو اس پرتگالی بیڑہ کو ایسی طرح واپس ہونا پڑا کہ صرف
پندرہ آدمیوں کے سوا، تمام جہاز والے مر گئے۔ اور جہاز بھی تقریباً
۱۲ ماہ ستمبر ۱۴۹۹ء میں پرتگال واپس پہنچے۔ لیکن ہندوستان پا لینے کے سلسلہ
میں ایک سو پینتالیس انسانوں کی قربانی پرتگال کے نزدیک بہت سستا
سودا تھا۔ چنانچہ باقی ماندہ نفوس کی واپسی پر سلطنت پرتگال میں گھر گھر
خوشیاں منائی گئیں۔

واسکوڈی گاما کا بہت ہی شاندار جلوس نکالا گیا۔ بادشاہ کی طرف
سے بڑے بڑے انعامات اور اعزازات سے نوازا گیا۔

بہر حال پرتگالی جہازوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی. ساتھ ہی ساتھ
پرتگال نے قیام سلطنت کی تدبیریں بھی شروع کر دیں۔ اور مختلف
مقامات کو فتح بھی کر لیا. لیکن ۱۵۶۵ء کے بعد سے ان کے قدم ہندوستان
سے اکھڑنے لگے۔ [۱]

۱۵۸۰ء میں پرتگال اسپین میں ضم ہوگیا اور مشرق میں پرتگیزوں نے
جو مقامات حاصل کئے تھے وہ سلطنت اسپین کو منتقل ہوگئے۔

لیکن ہسپانوی لوگ جنوبی امریکہ کے سونے کی کانوں سے سونا نکالنے
میں ایسے منہمک تھے کہ انھوں نے مشرق کی تجارت کی زیادہ پرواہ نہ کی۔

ولندیزی تاجروں نے جو کچھ عرصہ سے پرتگیزوں کا مشرقی تجارت

---

[۱] ہندوستان کی صنعت و حرفت صہ۵۷۔

میں مقابلہ کر رہے تھے اس صورت حال سے پورا فائدہ اٹھایا۔

ولندیزی جہازراں اپنی جفاکشی اور مہم جوئی میں سارے یورپ میں شہرت رکھتے تھے۔ یہ لوگ پروٹسٹنٹ تھے۔ اور پاپائی منشور کی انھیں پرواہ نہ تھی۔ ویسے بھی مذہبی اصلاح کی تحریک سے یورپ میں پاپائی اثر کمزور پڑ گیا تھا۔

غرضیکہ سترھویں صدی عیسوی کے آخری زمانہ میں ہندوستان اور جزائر شرق الہند کی مسالے کی تجارت ولندیزی تاجروں کے ہاتھ میں آ گئی۔ اور شہر ایمسٹرڈم[1] چند سال کے عرصہ میں یورپ کا بڑا تجارتی مرکز بن گیا۔

غرضیکہ ہالینڈ کو ہندوستان کے ساحل اور اس کے گرد و نواح میں خوب کامیابی ہوئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کو شروع سے ملکی فتوحات اور حکومت کا زیادہ خیال تھا۔ چنانچہ فوراً جابجا اس نے قلعے تعمیر کر ڈالے۔ مثلاً مغربی ساحل پر سورت اور کوچین۔ مشرقی پر نیگاپٹم اور مسولی پٹم وغیرہ۔

**ڈنمارک** ۱۶۲۰ء میں مدراس کے علاقہ میں تنجور کے قریب "ڈین" لوگوں نے اپنا کارخانہ کھولا۔ اور ایک دارالضرب بھی قائم کیا۔ کلکتہ کے قریب ہی انھوں نے کچھ کاروبار شروع کیا۔ لیکن ترقی نہیں کی۔ بالآخر ۱۸۴۵ء میں اپنی تھوڑی بہت جائداد انگریزی حکومت کے ہاتھ بیچکر چلے گئے۔

**فرانس** ۱۶۶۴ء میں فرانس میں ایک زبردست تجارتی کمپنی قائم ہوئی اور حکومت نے بھی امداد کا وعدہ کیا۔ ۱۶۷۴ء میں ہندوستان کے مشرقی ساحل پر احاطہ مدراس کے قریب فرانسیسی

---

[1] بحیرۂ شمالی کے ساحل پر ہالینڈ کا مشہور بندرگاہ۔ تاریخ دستور حکومت ہند

آبادی شروع ہو گئی۔ یہی مقام "پانڈی چری" کے نام سے مشہور ہے، اور آج تک فرانسیسی علاقہ شمار ہوتا ہے۔ اسی طرح چندر نگر، یانم۔ کاریکل۔ اور ماہی ان کے مقبوضات بطور یادگار اب بھی باقی ہیں۔

# انگریزوں کی آمد

میجر جنرل سر جان میلکم کی تحریر کے موجب اس کی روئداد حسب ذیل ہے

برطانیہ عظمیٰ کے سوداگروں نے راس کماری سے ہندوستان کا راستہ ۱۴۹۶ء میں دریافت ہونے کے بعد ہی سے نفع بخش تجارت میں جو وہ یورپ اور کرۂ ارض کے اس حصے کے درمیان جدید راستہ سے کر رہے تھے، حصہ لینے کی کوشش کی۔ تاہم انھیں ایک صدی تک کوئی معتد بہ کامیابی نہیں ہوئی، کئی بار کے تجربہ[1] سے یہ ثابت ہوا کہ ہر ایسی تجارت جو بہت پُر خطر ہو، اور جس کی حفاظت کے لئے فوجیں درکار ہوں خواہ وہ کتنی ہی نفع بخش کیوں نہ ہو۔ انفرادی سرمایہ[2] سے نہیں چل سکتی۔

یہی وہ اسباب ہیں جن کی بنا پر ابتداءً متمول سوداگروں کی ایک جماعت نے مل کر ملکۂ الزبیتھ سے یہ درخواست کی کہ انھیں ہندوستان کی

---

[1] (۱) اس زمانہ میں یورپ کی بین الاقوامی سیاست کی ہلچل اور تصادم کے باعث سمندروں کے راستے خطرے میں تھے۔

(۲) انفرادی طور پر بہت سے لوگ جہاز اور کشتیاں لے جا کر قزاقی کرتے تھے۔ ان کی روک تھام کے لئے بھی ضروری تھا کہ صرف وہی لوگ سمندر کے راستہ تجارت کر سکیں جن کو حکومت کی طرف سے اجازت ہو۔

(باقی صفحہ ۹۶ پر)

بلاشرکت غیرے تجارت کرنے کے لئے مراعات خصوصی عطا کی جائیں اور اس کام میں ان کی ہمت افزائی کی جائے۔ ملکہ موصوفہ ہر ایسے کام کو جس میں ملک کی عظمت اور دولت کی ترقی مضمر ہو بہتر سمجھتی تھی۔ اس نے شہنشاہ دہلی یعنی اکبر کے دربار میں اپنا ایک سفیر اس درخواست کے ساتھ روانہ کیا کہ میری رعایا میں کچھ جو اشخاص آپ کے علاقہ میں تجارت کریں ان کی حفاظت کی جائے اور ان پر نظر عنایت رہے۔ اس کارروائی کے بعد ملکہ الزبتھ نے اس کے نتیجہ کا انتظار کیا۔[۱]

مگر اس میں کوئی خاص کامیابی نہیں ہوئی۔ البتہ ۳۱ دسمبر ۱۶۰۰ء کو اس نے منشور عطا کر دیا۔ اور اس کے ذریعہ درخواست گذار سوداگروں کی ایک جماعت یا کمپنی اس نام سے قائم ہو گئی۔

*Goverars and Company marchants of Landon trading with the east Indid*

(یعنی) مشرقی جزائر سے تجارت کرنے والے لندن کے سوداگروں کی کمپنی

---

بقیہ ص ۹۵ کپتان الگزینڈر ہمٹن نے اپنے سفرنامہ میں تحریر فرمایا ہے:
اس زمانہ میں ولایت سے لیکر ہندوستان تک و نیز دیگر مقامات کے سمندر پر بہت سے لوگوں نے غارت گری کا پیشہ اختیار کر رکھا تھا۔ انھیں کو پائی رٹس ( Pirates ) کہتے تھے اسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے جہازوں کے افسر بھی بعض اوقات راہ میں قزاق بن جایا کرتے تھے۔ جو کوئی تجارتی مال راستہ میں مل جاتا لوٹ لیتے تھے (جلد اول ص ۲۳۶ بحوالہ ہند عہد عالمگیر میں)۔

[۱] ۱۶۹۸ء میں ایک نئی حریف کمپنی بڑے اہتمام سے قائم ہوئی اور (باقی ص ۹۷ پر)

اور اس کے نظائر۔

اس منشور کی رو سے انھیں بلا کسی روک ٹوک کے اراضی خریدنے اور ایک گورنر اور چوبیس اشخاص کی مجلس کے ماتحت رہ کر تجارت کرنے کا حق حاصل ہو گیا۔ ان کے پہلے گورنر سر تھامس نائٹ (Sir Thams Knig) کا نام ایکٹ میں درج تھا۔ ارکان کمپنی اور ان کے بالغ بیٹوں کو نیز ہندوستان کے اندر ان کے جملہ کارآزمودوں اور کارندوں کو "بالفاظ منشور" یہ حق عطا کیا گیا کہ وہ بلا شرکت غیرے پندرہ سال کی مدت کے لئے ممالک ایشیا و افریقہ کے تمام علاقوں میں اور ایشیا، افریقہ اور امریکہ کے تمام جزیروں، بندرگاہوں اور شہروں اور راس یوتا امید سے راس الگراہا یا آبنائے میگلان سے جہاں تک وسائل آمد و رفت میسر ہوں، تجارت کریں۔

---

(بقیہ صفحہ ۹۶) ہندوستان پہنچ کر اس نے کمپنی کا مقابلہ شروع کیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد تجربہ سے دونوں کمپنیوں کو یقین ہو گیا کہ مقابلہ کا نتیجہ زیر باری اور تباہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور عام اجازت کے ساتھ ہندوستان کی تجارت کا چلنا محال ہے اس لئے بہت جلد یعنی ۱۷۰۸ء میں دونوں کمپنیاں متحد ہو گئیں اور "ایسٹ انڈیا کمپنی" کے نام سے دوبارہ کاروبار شروع ہو گیا۔ اس متحدہ کمپنی میں لندن کے علاوہ انگلستان کے دوسرے مقامات کے سربرآوردہ لوگ بھی شریک تھے۔ اس لئے بڑی حد تک مخالفت بھی رفع ہو گئی۔ اجارہ داری کا اصول بھی محفوظ رہا اور متحدہ کمپنی کے قیام کی منظوری ایک قانون کی شکل میں پارلیمنٹ سے حاصل ہوئی اور آئندہ کے واسطے کمپنی کا تعلق بادشاہ کے بجائے پارلیمنٹ سے قائم ہو گیا۔ (ہندوستان کی صنعت و تجارت صفحہ ۹۰)

کمپنی کی مجالس کو اپنا کاروبار چلانے کے لئے ایسے قوانین وضوابط بنانے کا جو سلطنت کے قانون کے خلاف نہ ہوں، اختیار عطا کیا گیا۔ اور اُن کے مال کی برآمد پر چار سال کے لئے چنگی (کروڑ در گیری) معاف کر دی گئی۔ انھیں ہر سال اعلیٰ قسم کے چھ جہاز اور چھ کشتیاں تیار کرنے اور ہندوستان بھیجنے کا بھی اختیار دیا گیا اور چند قیود کے ساتھ تیس ہزار پونڈ۔ غیر ملکی سکوں یا زر کی شکل میں باہر لیجانے کی اجازت دی گئی۔

اس فرمان کے آخر میں ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر اس کا عمل مملکت کے لئے مفید ثابت نہ ہوا تو بادشاہ کو حق حاصل ہوگا کہ دو سال کی مہلت دیکر وہ اپنا فرمان واپس لے لے۔ اور اسی دفعہ میں یہ بھی وعدہ تھا کہ اگر وہ ملک کے لئے نفع بخش ثابت ہوا تو اس کی مدت میں مزید پندرہ سال کی توسیع کر دی جائے گی۔

ان کا ابتدائی سرمایہ بہتر ہزار پونڈ تھا۔ جو پچاس پچاس پونڈ کے حصوں میں منقسم تھا[1]

ایک عرصہ تک کمپنی کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ چونکہ کمپنی کے شرکا اور کارکن طبقہ شرفا سے نہ تھے۔ نیز کمپنی کا کام اس وقت تک صرف یہی تھا کہ ہندوستان وغیرہ سے مال کیجا کر انگلستان میں فروخت کرے۔ جس کے سبب سے انگلستان کا سونا دیگر ممالک کو جاتا تھا لہٰذا جیمس اول۔ چارلس اول۔ کرام ول کے عہد ہا حکومت میں متعدد بار مخالفت یہاں تک پہنچی کہ خود یہ بادشاہ کمپنی کے مخالف ہو گئے تھے۔ کمپنی

---

[1] سیاسی تاریخ ہند از میجر جنرل سر جان میلکم فقرہ ۱۲ و ۱۳ و صفحہ ۱۱ و صفحہ ۱۲۔

کے ارکان نے کمپنی کے ختم کردینے اور اس کا سامان نیلام کردینے تک کا ارادہ کرلیا۔ لیکن ہر ایک مرتبہ کچھ واقعات ایسے پیش آتے رہے کہ خود بادشاہوں کو اپنے حکم منسوخ کرکے کمپنی کی اجازت میں توسیع کرنی پڑی۔

اس زمانہ میں شہنشاہ جہانگیر ہندوستان میں حکومت کررہے تھے۔ جیمس اول نے مشہور سیاح "سر ٹامس رو" کو اپنا سفیر بنا کر جہانگیر کے دربار میں بھیجا اور باہم معاہدہ کرنے کی تحریک کی۔ شاہزادہ پرویز (شاہجہاں کا بڑا بھائی) اگرچہ کمپنی کا حامی تھا مگر شاہجہاں کی مخالفت کے باعث اس وقت کوئی معاہدہ تو نہ ہوسکا۔ تاہم اس سلسلہ میں تین سال تک سر ٹامس رو کا ہندوستان میں قیام رہا۔ دوران قیام میں سر موصوف کو کمپنی کے معاملات سلجھانے اور آگے بڑھانے میں خاصی کامیابی ہوئی۔ سب سے پہلے ۱۶۱۲ء میں بمقام سورت ایک انگریزی تجارت گاہ قائم ہوئی اور فرمان شاہی سے اس کی منظوری بھی ہوگئی۔ اور اس کے گرد مضبوط چار دیواری (قلعہ) بنانے کی بھی اجازت مل گئی۔ اس کے علاوہ جہانگیر نے اپنی سلطنت میں عام تجارت کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرمادی نیز انکو اجازت دی گئی کہ عمال سلطنت کی ہر شکایت براہ راست شہنشاہ کے دربار میں کرسکیں۔ اسی زمانہ میں سورت کے علاوہ۔ آگرہ۔ اجمیر۔ احمد آباد اور بھرانچ میں انگریزی کوٹھیاں قائم ہوگئیں۔ اور تجارت کی بنیاد مستحکم ہوگئی۔

نیز چارلس اول کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں متعدد تجارت گاہیں قائم کیں جیسے ۱۶۲۲ء میں نیلور اور کرشنا کے ضلعوں میں ۱۶۳۳ء میں بالا سور میں۔ اور ۱۶۴۰ء میں تراونکور کے علاقہ میں تجارت گاہ

قائم ہوئی ۔ ۱۶۳۹ء میں کمپنی نے ہندو راجہ سے وہ علاقہ جو تقریباً چار ہزار مربع میل تھا خرید ا جہاں ب. کو مدر اس آباد ہوا ۱۶۵۱ء میں ہگلی میں انگریزی آبادی شروع ہوئی اور پھر اس کے قریب ہی کلکتہ آباد ہوا۔ ہگلی کی آبادی کا موقعہ یوں ملا کہ اس زمانہ میں بنگال کا جو مسلمان صوبہ دار تھا اُس کے خاندان کو ایک انگریز ڈاکٹر کا علاج بہت موافق آیا۔ اس کی خدمت کے صلہ میں کمپنی کو ہگلی بسانے کی اجازت مل گئی۔

جب چارلس دوم تخت نشین ہوا تو اُس کے دور میں کمپنی کو منہ مانگی مرادیں ملیں اور کمپنی کے اقبال کا ستارہ خوب چمکا۔

چارلس دوم نے ایک پرتگالی شاہزادی ملکہ کیتھرائن براگنزی سے شادی کی۔ تو اُس کو جہیز میں ہندوستان کے مغربی ساحل سے قریب ایک جزیرہ بھی ملا۔ چارلس نے یہ جزیرہ دس ہزار پونڈ سالانہ لگان پر کمپنی کے حوالہ کر دیا۔ اور بعد میں اس پر بمبئی جیسا شہر آباد ہوا۔

یورپین اقوام کی آمد کو ایک اشتراکی ادیب زیادہ چست اور صحیح الفاظ میں اس طرح بیان کرتا ہے :-

> اجتماعی صورت میں ابنائے دنیا کی نقل مکانی یا عسکری نقل و حرکت ہمیشہ اقتصادی اسباب کی بناء پر ہوتی رہی۔ یہی مسئلہ نان ابن آدم کی طویل داستان میں سوداگری جہانگیری، اشاعت افکار اور تاجرانہ ملوکیت کی صورت میں ظاہر ہوا۔

ملکی فتوحات کا جذبہ خواہ نسلی امتیاز کا پیدا کردہ ہو یا تاجرانہ حکمت

---

لے مشینوں کی ایجاد سے بیشتر اس مسئلہ میں رحم و کرم کی اس قدر جھلک ضرور رہتی کہ جو پیشہ ور اقوام اور کاشتکاروں کے لئے زندگی کا سہارا بن گئے لیکن مشینوں کی ایجاد نے جیسے کام کی

(باقی صفحہ ۱۰۱ پر)

عمل کی تخلیق، نتائج کے لحاظ سے دونوں یکساں ہیں۔ علت و معلول میں کوئی فرق نہیں
زردی علت اور تباہی محکوم معلول۔

یورپ کی قومیں اسی نان گرم کے لئے سرد پانیوں کا سینہ چیرتی ہوئی امریکہ
اور ہندوستان پہنچیں۔ کثرتِ دولت اور فراوانیِ زر نے انھیں مجبور کر دیا
کہ وہ تہذیب کے نام پر ان ممالک سے روپیہ وصول کریں اور علم ہندوستان
پر تھپر باندھ دیں۔

کولمبس ہندوستان کی جستجو میں چل پڑا۔ اس آبی اسکندر کو بحرِ ظلمات
کی تاریکیاں بھی خوف زدہ نہ کر سکیں۔ کولمبس اگرچہ ہندوستان دریافت
نہ کر سکا۔ تاہم یورپ کی زر پرست قوموں کے سامنے تاخت و تاراج کے
لئے وسیع براعظم پیش کیا۔ کولمبس سے قبل عرب ان جزائر کی جغرافیائی

---

(بقیہ صفحہ) رفتار کو تیز کیا۔ اسی طرح سرمایہ داروں کی زر اندوزی اور ان کے ماسوا ہماری
مخلوق کے فاقہ اور افلاس کی رفتار کو بھی تیز کر دیا۔ ظہورِ یورپ کے وحشیوں کے ہاتھ ہوا۔ لہٰذا خود غرضی
بے رحمی اور تباہی محکوم کی رفتار بھی تیز تھی، تاآنکہ دنیا کی قسمت کی تباہ حالی کے لئے شاہد ہم پیدا ہو گئے۔

لہ تہذیب اور اشاعت افکار کے پردے میں یورپ کے زر پرست وحشیوں نے امریکہ میں ظلم و ستم کے پہاڑ
کس طرح توڑے۔ اس کا اندازہ ذیل کے چند واقعات سے ہو سکتا ہے۔

(۱) کولمبس جمیکا میں اپنے آدمیوں کے باغیانہ طرزِ عمل سے دق ہو گیا۔ ادھر دیسیوں نے اپنے
جزیرہ میں ہسپانیہ والوں کے زیادہ قیام سے تنگ آکر ان کے ذخیروں کی رسد کو منقطع
کر دیا لیکن کولمبس نے ایک چال سے ان کو خوف زدہ کر دیا۔ چاند گرہن ہونے والا تھا۔ اس نے
بڑے بڑے ہندوستانیوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ ان کا طرزِ عمل جو مسافروں کے
ساتھ ہے اس سے بڑا دیوتا ناراض ہو گیا ہے اور اس وجہ سے آج شب کو چاند خون
آلود سرخ ہو جائے گا۔ انھوں نے یقین نہ کیا۔ لیکن جب چاند کا رنگ بدلنے لگا تو وہ
(باقی صفحہ ۱۰۲ پر)

حیثیت سے آگاہ تھے۔ جغرافیہ کی اُن عربی کتابوں میں جو کولمبس سے بہت پہلے لکھی جا چکی تھیں "غرب الہنود" کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔

---

(بقیہ صہ ۱۰۱) سب خوفزدہ ہو گئے۔ چنانچہ وہ کولمبس کے پاس ذخائر جمع کر کے لائے اور اس سے التجا کی کہ وہ دیوتا سے ان کی صلح کرا دے۔ اس وقت سے وہ ادہام پرستی کی بنا پر ہسپانیہ والوں کے مطیع و فرمانبردار بن گئے۔ صہ ۵۱ تاریخ امریکہ۔

یہ تو وہ زمانہ تھا کہ جب ہسپانیہ والے صرف سو ڈیڑھ سو کی تعداد میں امریکہ پہنچے ہوئے تھے ان کے پاس زیادہ سامان بھی نہ تھا۔ لیکن پھر بندوقوں اور توپوں کو لیجا کر امریکہ کے سادہ لوح باشندوں کو انھوں نے مرعوب کر لیا۔ چنانچہ (۲) ہسپانیہ والوں نے دریائے مسیسپی کے کنارہ پر رہنے والوں کے ساتھ بھی وہی کیا جو دوسروں کے ساتھ وہ کرتے آئے تھے۔ یعنی ان کو غلام بنایا اور ذرا سے شبہ پر بیسیوں دیسیوں کے ہاتھ کاٹ ڈالے بعض غلام راستہ بتلانے والوں کو وہ آگ میں جلا ڈالتے یا کتوں سے پھڑوا دیتے۔ (تاریخ امریکہ صہ ۵۲)

(۳) ۱۶۴۶ء میں ایک عورت کی زبان کو لکڑی کے تختہ پر جڑ دیا گیا تھا صرف اس قصور پر کہ اس نے اُس ٹیکس کے خلاف جو پارلیمنٹ نے مقرر کیا تھا شکایت کی تھی۔ (صہ ۱۰۱ تاریخ امریکہ)

(۴) اس میں شک نہیں کہ امریکہ میں باشندگان امریکہ اور اہل یورپ دونوں کو مساوی حق تھا کہ اس براعظم میں آباد ہوں اور زندگی بسر کریں۔ لیکن اہل یورپ نے ہر طریقہ سے ہندوستانیوں کو دھوکا دیا۔ ان کو لوٹا کھسوٹا۔ ان کو غلام بنایا۔ اور نشہ کے ساتھ ساتھ زہریلے سفوف پلائے "فران ٹیک" نے ۱۴۹۲ء میں تمام قیدیوں کو آگ میں جلا دیا۔ "ولیم پین" کے پوتے نے ۱۷۶۴ء میں ہندوستانیوں کی کھال کھینچنے پر انعام مقرر کئے۔ ہندوستانی عورت کی کھال کھینچنے کے لئے پچاس شلنگ اور ہندوستانی لڑکے کی کھال کھینچنے کے لئے جس کی عمر دس سال سے کم ہو ایک سو تیس شلنگ مقرر تھے اہل یورپ کے لئے یہ معمولی بات تھی کہ وہ اپنے تمام قیدیوں کو قتل کر ڈالیں! الخ تاریخ امریکہ صہ ۹۰ نوٹ ہندوستانی سے مراد امریکہ کے اصل باشندے ہیں جن کو اول ہندوستانی سمجھا گیا تھا پھر جب ہندوستان دریافت ہوا تو ان کو ریڈ انڈین یعنی سرخ ہندوستانی کہا جانے لگا اس۔۔۔

کولمبس نے بھی غالباً انھیں عرب جغرافیہ دانوں کے تتبع میں ان جزائر کا نام "ویسٹ انڈیز" رکھا۔ ۲۲ مئی ۱۴۹۸ء میں واسکوڈی گاما۔ ایک عرب ملاح کی مدد سے راس امید کا چکر کاٹ کر

(بقیہ صفحہ ۱۰۲) (۵) لاس کیسس جو ایک ہسپانوی تعلیمیافتہ شخص تھا۔ ان مظالم کے چشم دید حالات بیان کرتا ہے جن سے امریکہ والوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کیا گیا۔ ان حالات کو پڑھ کر آنکھوں میں خون اتر آتا ہے۔ اور بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے کہ دیسی لوگ قدرتی طور پر سادہ مزاج تھے۔ وہ مکاری اور چالاکی قطعاً نہ جانتے تھے۔ نہایت فرمانبردار اور مطیع تھے۔ وہ کمزور تھے۔ محنت شاقہ اور مزدوری کی مصیبت برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ اور ذرا سی بیماری میں جلد مرجاتے تھے۔ گویا گوسفند تھے اور اہل اسپین بھیڑیئے جو ان پر حملہ کرکے تکا بوٹی کرڈالتے تھے۔ اہل یورپ کی آمد سے قبل "ہسپانیولا" میں تیس لاکھ آدمی آباد تھے۔ اور اب تین سو سے بھی کم رہ گئے ہیں۔ کیوبا کے جزیرہ میں ایک دیسی بھی نہیں رہا۔ سینٹ جان اور جمیکا کے جزیروں کا بھی یہی حال ہے۔ حالانکہ یہ جزیرے پہلے زرخیز اور آباد تھے۔ سینٹ جان کے قریب تیس جزیرے غیر آباد ہوگئے ہیں۔ براعظم میں بھی یہی نوبت پہنچی ہے۔ دس سلطنتیں جو بلحاظ رقبہ تمام اسپین سے زیادہ تھیں ان میں ایک آدمی بھی اہل اسپین کے ظلم و ستم سے زندہ نہیں بچا۔ بچوں۔ عورتوں اور مردوں سب کو انھوں نے موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ دیسیوں کے سرداروں کو دھیمی دھیمی آگ جلاکر اور ان کی آہ و زاری سے لطف اٹھاکر انھیں فنا کردیا ہے۔ کتوں سے انھیں پھڑوایا ہے۔ دیسیوں کا گوشت کتوں کو کھلا کھلا کر ان کے شکار پر انھیں لگایا ہے۔ بعض بعض اوقات ایک ایک شخص اپنے کتوں سے بیس بیس دیسیوں کا شکار آن واحد میں کرلیتا ہے۔ عورتوں کو مردوں سے علیحدہ رکھا جاتا ہے۔ اور انکو سوا رگھاس پات کے اور کوئی غذا کھانے کے لئے نہیں دی جاتی۔ یہاں تک کہ ان کے دودھ پیتے بچے اپنی ماؤں کے آغوش میں دودھ نہ پاکر

(باقی صفحہ ۱۰۴ پر)

ہوا کالی کٹ کے مقام پر پہنچا۔ ہندوستان اپنی روایتی مہمان نوازی کے بموجب اس نووارد کا استقبال کرتا ہے۔ کالی کٹ کے راجہ "زیمورن" کو کیا خبر تھی کہ بدو کے افسانوی اشتر کی طرح پرتگیز بھی اسے خیمہ سے باہر نکالنے کی فکر میں ہیں سنہ ۱۵۰۰ء میں پرتگیزوں نے کالی کٹ کے مقام پر ایک کارخانہ قائم کیا تین سال بعد کالی کٹ کے سینہ پر ایک پرتگیزی قلعہ نظر آیا۔ سنہ ۱۵۰۶ء میں پرتگیزی علم گوا کی دیواروں پر لہرایا سنہ ۱۵۱۰ء میں کالی کٹ کے اجنبی مہمانوں نے "زیمورن" کے شاہی محلات کو نذر آتش کر دیا میزبان کی خدمت میں مہمان کا ہدیہ تشکر

---

(بقیہ صفحہ ۱۰۳) مرجاتے ہیں۔ مردوں کو ایک من یا سوا من بوجھ سو سوا سو فرسخ تک لیجانے کے لئے مجبور کیا جاتا ہے۔ بہت سے دیسی کانوں میں کام کرتے کرتے غذا کے بغیر مر جاتے ہیں۔ نئی دنیا کے لئے اہل یورپ قہر خدا یا آتش دوزخ تھے کہ وہاں کے اصل باشندے تقریباً سب فنا ہو گئے۔ ان مہذب لوگوں کے مقابلہ میں مردم خور وحشی بھی ہیچ ہیں۔ اٹیلا اور چنگیز خاں ان انسانی شکل کے بھیڑیوں کے پاسنگ بھی نہ تھے۔ انھوں نے صرف اپنے دشمنوں کو قتل کیا تھا۔ مگر آخر الذکر نے مطیع اور فرمانبردار رعایا کو بلا امتیاز مرد و عورت بے دریغ تہ تیغ کیا۔ حالانکہ ان بیچاروں نے کبھی کوئی دشمنی ظاہر نہ کی تھی۔ تاریخ امریکہ صفحہ ۱۰۵ تا صفحہ ۱۰۷۔ (۶) سنہ ۱۵۸۵ء میں انگریزوں کی ایک جماعت "فلوریڈا" سے روانہ جا رہی تھی۔ راستہ میں ہندوستانیوں کے ایک گاؤں میں اتفاق سے چاندی کا ایک پیالہ گم ہو گیا۔ "سر رچرڈ گرین ول" نے جو اس انگریزی جماعت کا افسر اعلیٰ تھا، تمام گاؤں میں آگ لگا دینے کا حکم دیدیا۔ اور جو فصل کھیتوں میں کھڑی تھی اس کو بھی خاک سیاہ کر دیا تاریخ امریکہ صفحہ ۱۱۱ (۷) ملک "پیرو کا" میں ساٹھ سردار اور چار صد امراء بیک وقت آگ میں جلا دیئے گئے اور ان کے بچوں اور عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ ان کو آگ میں جلتے ہوئے دیکھیں۔ اس خونخوار تماشے کے بعد اور بھی خونخوار تماشے دکھائے گئے صفحہ ۲۲ (۸) اٹاہولپا کنز اماکا کا بادشاہ تھا۔ فرانسسکو پزارو ایک سپاہی زادہ تھا اور ۱۰۰ ایک تو ۵ کی

(باقی صفحہ ۱۰۵ پر)

غلط ہے کہ ہندوستان میں سب سے پہلے آتشیں اسلحہ پانی پت کی لڑائی میں استعمال کئے گئے۔ بابر سے پہلے "البوکرک" کالی کٹ میں نار و آتش سے کھیل چکا تھا۔
ہندوستان میں پرتگیزی دور لرزہ خیز مظالم کی ایک طویل داستان ہے جو ستم ہسپانیوں نے پیرو اور میکسکی اقوام پر توڑے ان سے کہیں زیادہ جفائیں پرتگیزوں نے ہندی سادہ لوحوں پر کیں۔ شاہجہاں نے پرتگیزی قوت کا خاتمہ کردیا۔

آج ہندوستان میں گوا۔ دمن۔ اور دیو۔ پرتگیزی علاقے ہیں۔ ہسپانیہ اور پرتگال کی روز افزوں دولت کو دیکھتے ہوئے یورپ کی تمام قومیں امریکہ اور ہندوستان پر ٹوٹ پڑیں۔

ڈین۔ ولندیز۔ انگریز۔ فرانسیسی اور جرمن اس تگ و دو میں شامل تھے

---

(بقیہ صفحہ ۱۰۴) سرکردگی کرتے ہوئے اس وقت حملہ آور اور فاتح کی حیثیت میں تھا جس نے سنہ ۱۵۵۲ء میں عیاری اور مکاری سے اتاہولپا پر فتح حاصل کرلی تھی۔ جب اتاہولپا نے دیکھا کہ وہ قید کرلیا گیا ہے تو اس نے ہسپانیوں سے کہا کہ جس کمرے میں وہ قید ہے اس کو وہ سونے سے بھر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کو رہا کردیا جائے۔ پزارو نے وعدہ کیا۔ چنانچہ اس نے اپنے اعیان سلطنت کو حکم دیا۔ اس کے ماتحتوں نے دو چار روز کے اندر اس کمرہ کو جو بائیس فٹ طویل اور سولہ فٹ عریض تھا۔ سونے کے برتنوں سے بھردیا۔ اب مقید بادشاہ نے اپنا وعدہ پورا کرنے کے بعد رہائی کی درخواست کی۔ لیکن مکار پزارو نے ایفاء وعدہ کے بجائے اس کی زندگی کا خاتمہ کرنا چاہا۔ چنانچہ اس نے دو تین ماتحتوں کو جج بنا کر اس کے مقدمہ کی سماعت کی اور اس کو سزائے موت کا حکم دیدیا گیا اس نے یہ دیکھ کر کہ موت کی سزا سے کسی طرح چھٹکارا نہیں۔ درخواست کی کہ آگ سے رفتہ رفتہ جلانے کے بجائے تلوار سے اس کا سر کاٹ دیا جائے۔ اس کو جواب دیا گیا کہ اگر وہ عیسائی ہوجائے تو اس کے ساتھ یہ نرمی روا رکھی جاسکتی ہے۔ چنانچہ وہ اس مصیبت سے بچنے کے لئے عیسائی ہوگیا اور اس کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ صفحہ ۲۴۴ ج ۲

ہندوستان نے پرتگال کے مرکزی شہر لزبن کو رشک جناں بنا دیا تھا۔ لندن نے حاسدانہ نگاہوں سے لزبن کی طرف دیکھا۔ لزبن نے ہندوستان کی طرف اشارہ کر دیا۔ ۱۵۲۷ء میں برسٹل کے ایک انگریز سوداگر "رابرٹ تھارن" نے ہنری ہشتم شاہ انگلستان کو ایک یادداشت بھیجی جس میں ہندوستانی تجارت کے لئے ایک شمالی مغربی راستہ دریافت کرنے کا مشورہ دیا گیا لیکن پچاس برس تک انگریز ملاح اپنے عزائم میں ناکام رہے۔ ۱۵۸۷ء میں "سر فرانس ڈریک" نے ایک پرتگیزی جہاز کو جو ہندوستان سے لزبن جا رہا تھا، لوٹ لیا۔ اسی جہاز سے ڈریک کو ایسے کاغذات ملے جن میں راس امید کے راستہ کا ذکر تھا۔ چنانچہ انگریز ملاحوں نے اسی راستہ سے ہندوستان پہنچنے کی کوشش کی ۱۵۹۱ء میں سر جان لیں کاسٹر جادا تک جا پہنچا۔ ۱۶۰۰ء میں ملکہ الزبیتھ نے انجمن مہم پردازان" کو مشرق سے تجارت کرنے کا ایک فرمان دیا۔ دو مزید انگریزی کمپنیوں نے بھی اسی قسم کے تجارتی فرمان حاصل کئے۔ لیکن ناقابل برداشت نقصانات کے سبب سے تمام کمپنیوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کی صورت میں نمودار ہونا پڑا۔

انجمن مہم پردازان۔ تاجرانہ ہونے کی بہ نسبت زیادہ رہزنانہ تھی۔ اس کمپنی کی ایک قرارداد کی رو سے شریف انسانوں کا اس میں شامل ہونا ممنوع تھا۔ اس کمپنی میں بحری ڈاکو اور تقدیر آزما شریک تھے۔ شرکار کار کی

---

لہ بروش۔ وقائع۔ معرز ایسٹ انڈیا کمپنی۔ جلد اول ص ۱۲۸

۱۶۰۰ء میں جبکہ کمپنی نے ہندوستان میں تجارت کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے گورنمنٹ انگلستان کو درخواست دے رکھی تھی اور منظوری کا مسئلہ زیر غور تھا تب گورنمنٹ کی طرف سے کمپنی والوں کو یہ لکھا گیا کہ تم اپنی مہم میں سر ایڈورڈ مائیکل بورن کو نوکر رکھ لو

(باقی اگلے صفحہ پر)

نوعیت سے کمپنی کی مجلسی اور اخلاقی ذمہ داریوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

کمپنی کی حکومت کے آخری ایام تک اس میں بہت کم شریف انسان دکھائی دیتے ہیں۔[1] کپتان ہاکنز پہلا انگریز ہے جس نے ساحل ہندوستان پر قدم رکھا۔ سنہ ۱۶۰۸ء میں اس کا جہاز "ہیکٹر" سورت کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوا۔ ہاکنز انگلستان کے بادشاہ جیمس اول کا مکتوب لئے ہوئے دربار جہانگیر میں حاضر ہوا۔ لیکن بہت جلد اسے سورت واپس جانا پڑا۔ سنہ ۱۶۱۳ء میں انگریز کو سورت میں ایک فیکٹری اور مغل دربار میں سفارت قائم کرنے کی اجازت مل گئی۔ سر طامس رو پہلا برطانوی سفیر تھا۔

---

(بقیہ صفحہ ۱۰۶) اس کے جواب میں کمپنی کے عجیب و غریب رزولیوشن کی نقل بھیجی گئی جس کا مطلب یہ تھا:-

کسی ذمہ داری کے کام پر جنٹلمین کو نہ رکھا جائے اور گورنمنٹ سے درخواست کی جائے کہ ہمیں اپنے کاروبار کے لئے اپنی ہی قسم کے لوگوں کا انتخاب کرنے کی اجازت دی جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ شرفاء کو نوکر رکھنے سے (کمپنی کے) عوام الناس (حصہ دار) شبہ میں پڑ کر اپنا روپیہ واپس لینے لگیں۔ (تاریخ برٹش انڈیا مصنفہ جیمس مل صفحہ ۲۳ روشن مستقبل صفحہ ۱۰۱)

مدراس کے بڑے پادری صاحب نے سنہ ۱۶۷۶ء میں ڈائرکٹروں کو لکھا:-

آپ کے ملازموں کی بداعمالیوں سے ہندوستانیوں کی نظروں میں آپ کے خدا کی جتنی بے عزتی ہوتی ہے اور آپ کا مذہب جتنا بدنام ہو رہا ہے اس کی کیفیت اگر آپ کو معلوم ہو جائے تو آپ کے آنسوؤں کی ندیاں بہہ جائیں۔ جو لوگ آتے ہیں ان میں بعض تو قاتل ہوتے ہیں بعض آدمیوں کو بھگانے جانے کا کام کرتے ہیں۔ اور بعض انگلستان میں بیویاں چھوڑ کر آتے ہیں۔ اور یہاں پر شادیاں کر لیتے ہیں۔ (برٹش انڈیا کے قدیم کاغذات از وہیلر صفحہ ۔ روشن مستقبل صفحہ ۴۶)

[1] باسو۔ ہندوستان میں نصرانی اقتدار کا عروج۔

سرطامس چونکہ ایک ذہین انسان تھا۔ اس لئے وہ اپنے تاثرات قلمبند کرتا رہا۔ اس کی یادداشت سے اس زمانہ کے سیاسی اور معاشرتی حالات کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ تاہم وہ مغل دربار کے متعلق لب کشائی ضرور کرتا ہے۔ شہزادہ خسرو کی سیرت کو ملبند ثابت کرتے ہوئے اس کے حسن سلوک کا بہت مداح دکھائی دیتا ہے۔ عہد جہانگیری میں فنون لطیفہ کے ارتقار کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ سرطامس نے انگریزی مصوری کا ایک شاہکار مغل اعظم کی خدمت میں پیش کیا۔ جہانگیر کے درباری مصور نے اس انداز سے اس تصویر کی نقل اتاری کہ خود طامس اصل و نقل میں امتیاز نہ کر سکا۔

چونکہ عہد شاہجہاں میں پرتگیزی قوت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس لئے انگریزوں کو بنگال میں تجارت کی اجازت مل گئی۔ انھیں ایام سے ایک حکایت وابستہ ہے۔ ۱۶۴۴ء میں شاہجہاں کی بیٹی۔ جہاں آرار۔ کسی شدید ترین مرض میں مبتلا ہوئی۔ درباری اطبار حاذق۔ دختر شاہ کو صحت یاب کرنے میں ناکام رہے۔ چنانچہ شاہجہاں نے انگریزی طبیب کو سورت سے بلایا۔ بائن کے معالجہ سے شہزادی کی تکلیف رفع ہو گئی۔ مشرق نے انعام واکرام کے دروازے کھول دیئے۔ تاج محل کا معمار۔ اور تخت طاؤس کا مالک "بائن" کو دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کرنے کے لئے تیار ہے۔ لیکن وطن پرست بائن ہندوستان کے شہنشاہ سے صرف اپنے ابنار وطن کے لئے فرمان تجارت حاصل کرتا ہے۔

انگریز کی وطن پرستی میں کسے کلام ہے۔ لندن کی حفاظت کے لئے وہ تمام دنیا کی بستیوں کو گورستان میں تبدیل کر سکتا ہے۔ وقت آنے پر وہ اپنی دانش گاہوں سے جری اور قوی ہیکل سرباز پیدا کرتا ہے۔ جب برطانیہ کی قبار وطنیت خون شہدار سے لالہ زار ہو تو اس قسم کی جھوٹی داستانوں کو

اپنے ہاں جگہ دینا سپاہیانہ فراخدلی کے خلاف ہے۔

جہاں آرا ۱ر مارچ ۱۶۴۴ء میں آتش زدگی کے ایک حادثہ سے زخمی ہوئی۔ اور اسی سال ماہ نومبر میں وہ صحتیاب ہوئی گویا مغل شاہزادی نو ماہ تک مختلف جراحوں کے زیر علاج رہی۔ لیکن اس طویل عرصہ علالت میں باٹن کو شہزادی کے معالجہ کا موقعہ نہ مل سکا۔ کیونکہ ستمبر ۱۶۴۴ء میں سورت پہنچا۔ ۲ر جنوری ۱۶۴۵ء کو عازم آگرہ ہوا۔ "ہاپ ویل" کے جہازی طبیب کا شہزادی کے ایام علالت میں آگرہ پہنچنا تاریخی حقائق سے باطل ثابت ہوتا ہے۔ ۱۶۵۱ء میں کمپنی کو بنگال میں تجارتی کوٹھیاں کھولنے کی اجازت مل گئی۔ اسی سال کمپنی کو بمبئی کا جزیرہ چارلس ثانی کی طرف سے دس پونڈ سالانہ کرایہ پر مل گیا۔ ۱۶۵۸ء میں بنگال کے انگریزی تاجروں اور نواب شائستہ خاں کے درمیان کش مکش ہو گئی۔ کمپنی کا گورنر شاہ جیمس ثانی سے اورنگزیب کے خلاف اعلان جنگ حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ بنگال اس زمانہ میں دنیا کا متمول ترین ملک تھا۔ گورنر ہندوستان کے اس زرخیز علاقہ پر برطانوی حکومت کا خواب دیکھ رہا تھا لیکن اس زمانہ میں بیرونی حملہ آوروں کا اپنے ارادوں میں کامیاب ہونا بہت مشکل تھا۔ انگریزوں کا جنگی بیڑہ ہگلی کا سینہ مجروح کرنے میں ناکام رہا۔ انگریزوں کو اس جارحانہ اقدام کے باعث سرزمین بنگال کو خالی کرنا پڑا۔ علاوہ ازیں اورنگزیب نے انگریزوں کو اپنی حدود مملکت سے خارج کر دیا۔ سورت کی تجارتی کوٹھیاں تموریوں کے قبضہ میں آگئیں۔ انگریزوں نے اس ذلت کا انتقام حاجیوں کے جہاز لوٹنے کی صورت میں لیا۔ جدید معاہدہ کی رو سے انگریزوں کو ان کی تجارتی کوٹھیاں واپس مل گئیں۔

۱۶۹۰ء میں اورنگزیب نے کمپنی کو کلکتے کے مقام پر فیکٹری قائم کرنے کی اجازت دی۔ ۱۰ سال بعد فورٹ ولیم تعمیر ہوا۔ انگریز اپنے پیش رو پرتگیزوں کے نقش قدم پر چل رہے تھے ۱۷۰۰ء کے قریب کمپنی نے "گوبند پور، اور کالی کٹ" کے گاؤں خرید لئے۔ ان گاؤں کے اتصال سے کلکتہ ظہور میں آیا۔

مشرق میں کمپنی کی تجارتی اجارہ داری کی مخالفت ۱۶۳۵ء میں شروع ہوئی۔ اسی سال ایک اور تجارتی کمپنی معرض وجود میں آئی۔ مشترکہ مالی مصائب نے دونوں کمپنیوں کو ۱۶۴۹ء میں متحد کردیا۔ ۱۶۶۱ء کے بعد کمپنی کی حالت میں نمایاں فرق رونما ہوا۔ شاہ چارلس ثانی نے ایک فرمان کی رو سے اس کمپنی کو غیر نصرانی اقوام سے جنگ و صلح کے اختیارات دیدئیے لیکن تیس ۳۰ سال بعد پھر اس متحدہ کمپنی کی مخالفت کی۔ نئی کمپنی نے پرانی کمپنی کو تباہ و برباد کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جنگ زرگری میں دونوں کمپنیاں تباہ ہو رہی تھیں کہ ۱۷۰۲ء میں باہمی تعاون کی جستجو شروع ہوئی۔ آخر ۱۷۰۸ء میں دونوں کمپنیاں "مشرق میں انگریزی سوداگروں کی متحدہ تجارتی کمپنی" میں مدغم ہوگئیں۔ یہانتک کہ ۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کے اعلان نے اس کمپنی کی زندگی ہمیشہ کے لئے ختم کردی۔ ساحلی تگ و دو میں فرانسیسی سب سے پیچھے تھے۔ یہاں تک کہ لوئی چہاردہم کے وزیر کال برٹ نے ۱۶۶۴ء میں ہندی تجارتی کمپنی کی بنیاد رکھی ۱۶۷۴ء میں فرانسیسیوں نے ساحل مدراس پر پانڈیچری کی نوآبادی قائم کی۔ اٹھارھویں صدی کے آخری سالوں میں فرانسیسی چندرنگر ماہی اور کل کاری پر بھی قابض ہوگئے۔ کمپنی کی حکومت از ۱۶۰۰ تا ۱۸۵۸

# شاہانِ مغلیہ اور یورپین اقوام

۲۰ رمئی یا ۲۲ رمئی ۱۴۹۸ء مطابق ۹۰۴ھ کو یورپ کا پہلا شخص واسکوڈی گاما کالی کٹ پہنچا۔ دس سال پیشتر سے سلطان سکندر لودھی بن سلطان بہلول دہلی کے تخت و تاج کا مالک تھا۔ جس نے ۸۹۴ھ/۱۴۸۸ء سے ۹۲۳ھ/۱۵۱۷ء تک حکومت کی۔

اگرچہ اس کی ۲۹ سالہ حکومت شاندار اور پرشوکت تھی۔ مگر پورا ہندوستان اس کے زیرنگین نہ تھا۔ بلکہ بقول "سٹینلی لین پول"

سوری اور لودی خاندان جو تغلقوں کے بعد فرمانروا ہوئے وہ ہندوستان کی متعدد گورنمنٹوں میں سے صرف ایک گورنمنٹ کے مالک تھے۔ بنگال گجرات۔ جونپور۔ اور مالوہ میں علیحدہ علیحدہ خودمختار اسلامی سلطنتیں قائم تھیں۔ اور راجپوتانہ اور دکن کے فرمانرواؤں نے اپنا بہت سا کھویا ہوا ملک پھر حاصل کرلیا تھا۔ سنہ ۱۵۲۶-۳۰ء میں بابر نے گو شمالی ہند میں باستثناء بنگال مغلیہ سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ مگر زندگی نے اسے متفرق شدہ اجزاء سلطنت کو پھر متحد کرنے کی مہلت نہ دی۔ بابر کی وفات کے بعد سنہ ۱۵۳۹-۴۰ء/۹۴۶-۴۷ھ میں شیرشاہ سوری اور بنگال کے افغانوں نے ہمایوں کو ہندوستان سے خارج کردیا۔ شیرشاہ کی جرات اور دانائی سلطنت ہند کے پراگندہ اجزاء کو مجتمع کرنے میں ایک خاص حد تک کامیاب ہوئی۔ لیکن ان صوبوں نے افغانوں کی حکومت بہ طیب خاطر منظور نہ کی۔ چنانچہ ۹۶۲ھ/۱۵۵۵ء میں بابر کا لڑکا ہمایوں ایران سے کمک لیکر واپس آیا اور باپ کی حاصل کردہ سلطنت پر دوبارہ قابض ہوگیا۔[1]

---

[1] روئے زمین کے سلمان سلاطین صفحہ ۲۱

مختصر یہ کہ اس نصف صدی میں ہندوستان طوائف الملوکی کی آماجگاہ بنا رہا۔ جنوبی ہند اور بالخصوص وہ سواحل جو سب سے پہلے یورپین اقوام کے قدموں سے وابستہ ہوئے۔ فرمانروایان دہلی کے قلمرو سے خارج رہے۔ جلال الدین اکبر (۹۶۳ھ / ۱۵۵۶ء تا ۱۰۱۳ھ / ۱۶۰۵ء) کی فتوحات کی موجیں بحر عرب اور بحر ہند کے ساحلوں سے ٹکرانے لگیں۔ ۹۸۰ھ / ۱۵۷۲ء میں خود شہنشاہ اکبر احمد آباد اور سورت وغیرہ کو فتح کرتا ہوا دریائے شور کے بندر "کھنبایت" تک پہنچا۔ جہاز میں سوار ہو کر دریائے شور کی سیر کی۔

اس وقت یورپین اقوام کو ہندوستان سے تعلق قائم کئے ہوئے ۵، سال گذر چکے تھے۔ انھوں نے چھوٹے چھوٹے نوابوں اور راجاؤں کو مرعوب اور مغلوب کر لیا تھا۔ مگر جلال الدین اکبر شہنشاہ ہند تھا۔ فرنگیوں نے اس کے سامنے سپر ڈالدی۔

بندر گاہ سے ایک جماعت نصاری بادشاہ کی خدمت میں آئی۔ اصل میں اس گروہ کو اہل سورت نے اپنی حمایت کے لئے بلایا تھا کہ قلعہ ان کو سپرد کر کے آپ سلامت رہیں۔ جب اس گروہ نے بادشاہ کے سامان قلعہ گیری اور لشکر کو دیکھا تو اپنے تئیں ایلچی بنا کر بادشاہ کی بارگاہ میں آئے اور کورنش بجالائے۔ اور اپنے ملک کی طرح طرح کی نفیس دستکاریاں بادشاہ کو دکھائیں۔ بادشاہ نے اُن میں سے ہر ایک کو اپنی عنایت سے محظوظ کیا

---

(۱) چنانچہ مصنف تاریخ ہندوستان قلعہ سورت کے حالات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-
"وہ قلعہ چھوٹا سا ہے۔ مگر جدید قلعوں میں نہایت مضبوط ہے۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود گجراتی کے غلام صفر آقا۔ مخاطب بہ خداوند خان نے ۹۴۷ھ میں دریائے تاپتی کے کنارہ جو سمندر سے ۲۰ میل پیچھے اس کو تعمیر کیا تھا۔ تاکہ فرنگیوں کے حملوں کو دفع کرے۔ جب تک یہ قلعہ تعمیر نہ ہوا تھا فرنگی مسلمانوں کے ساتھ ہر طرح کی شرارت کرتے تھے۔ صفحہ ۱۹۱ ج ۵۔

اور پرتگال کے عجائب و غرائب کا اور وہاں کے اطوار و اوضاع کا حال پوچھا۔ غرض اس گروہ سے ایسی باتیں کیں کہ ان کو بادشاہ سے موانست ہو گئی۔ [سلہ] (تاریخ ہندوستان ج ۵ ص۱۵۵)

پرتگال اسپین (اندلس) کا ایک حصہ ہے۔ وہی اسپین جس نے مسلمانوں کے قتل عام سے ہر ایک وادی اور سنگلاخ کو سیراب کیا تھا۔ پہاڑوں اور جنگلوں میں پناہ لینے والے مسلمانوں کو کتوں سے پھڑوایا تھا۔ جلال الدین اکبر شاہ ہند ان سے شہدار اندلس کے خون معصوم کا انتقام لے سکتا تھا۔ مگر ایشیا کی تہذیب اس تنگ نظری اور بزدلی سے بلند تر ہے۔ اور خاک پاک ہندوستان کا سینہ ہر ایک مہمان کے لئے فراخ ہے۔ مغربی ہو یا مشرقی۔ کالا ہو یا گورا۔

شاہ ہندوستان نے جن الطاف خسروانہ سے سورت کے موقع پر پرتگیزوں کو نوازا تھا انھیں پر قناعت نہیں کی۔ بلکہ تیسرے سال ۹۸۳ھ ۱۵۷۶ء میں ایک شاہی افسر حاجی حبیب اللہ کو بہت سا روپیہ دے کر بھیجا کہ وہ بندر پہنچ کر یورپ کی عجیب چیزیں خریدیں۔ کچھ ماہرین فن ساتھ کر دیئے کہ جن چیزوں کو وہ نادر سمجھیں ان کی نقل اتار لیں۔

۹۸۵ھ ۱۵۷۸ء میں میر حاجی حبیب اللہ واپس ہوئے تو ایک جماعت کو اپنے ہمراہ لے آئے۔ جو نصاریٰ کا لباس پہنے ہوئے تھی۔ اس جماعت نے دربار میں حاضر ہو کر طرح طرح کے باجے [سلہ] بجائے۔ اور اکبر کے مذہبی مباحث میں شرکت

---

سلہ ان باجوں میں ایک باجہ ارغنون بھی تھا۔ یہ ایک قد آدم صندوق تھا۔ ایک فرنگی اندر بیٹھ کر تار بجاتا تھا۔ دو باہر بیٹھتے تھے۔ پانچ طاؤس کے پر اس میں لگے ہوئے تھے۔ ان کی جڑوں پر انگلیاں مارتے تھے۔ ان کی آوازوں سے لوگ محظوظ ہوتے تھے فرنگی بجرم کبھی سرخ اور کبھی زرد نکلتے تھے اور ایک حال سے دوسرے حال میں ہو جاتے تھے۔ اہل مجلس یہ دیکھ کر دنگ ہوتے تھے۔ تاریخ ہندوستان ص۱۵۴ ج ۵۔

کی (جس کا ذکر بدایونی کے حوالے سے پہلے گذر چکا ہے۔)

اکبر نے اس جماعت کی توقیر کی۔ حتیٰ کہ بقول ملا عبدالقادر بدایونی شاہزادہ سلیم کو حکم ہوا کہ وہ دانایان فرنگ سے استفادہ کرے۔

جو ماہرین فن ساتھ گئے تھے۔ انھوں نے جو مشکل صنعتیں سیکھی تھیں، وہ دکھائیں اور موردِ تحسین ہوئے۔ [1]

غالباً اکبر بھی اپنے دادا "بابر" اور ایشیاء والوں کے مشہور مقولہ "الانسان عبد الاحسان" "انسان بندۂ احسان ہے" کے بموجب ان فرنگ نژادوں کو لطف و احسان سے رام کرنا چاہتا تھا مگر اس کو کبھی یہ معلوم نہ تھا کہ مغربی تہذیب میں ان خیالات کو دقیانوسی توہمات مانا جاتا ہے۔ ان سفید فاموں کے دل کی زمین شور ہے اور ان کے جگر پتھر کے ہیں۔ [2]

زمین شور سنبل بر نیارد
درو تخم عمل ضائع مگرداں

چنانچہ اگلے سال اکبر کے پاس شکایتیں پہنچیں کہ فرنگی بندرگاہوں پر حاجیوں کے قافلوں کو، اور سمندر میں حجاج کے جہازوں کو لوٹا جا رہا ہے اور تمام راستوں کو بند کر دیا ہے۔

اسی بناء پر اکبر نے ۹۷۷ھ / ۱۵۷۰ء میں قطب الدین خاں کو پرتگیزی بندرگاہوں کی تسخیر کے لئے مامور کیا۔ اور اپنی سلطنت کے صوبجات گجرات و مالوہ کے حکام کو نیز دکن کے ان والیوں کو جو اکبر سے معاہدہ کئے ہوئے تھے قطب الدین خاں کی امداد نیز اپنے طور پر سخت نگرانی کی ہدایات صادر کردیں۔ اور اس طرح پرتگیزی غداری کا انسداد کیا۔ [3]

---

[1] تاریخ ہندوستان ص ۳۵۲ ج ۵ [2] ایضاً ص ۳۵۲ و ص ۳۵۳ [3] کپتان الگزنڈر ہملٹن نے

(باقی ص ۱۱۵ پر)

## عہد جہانگیر ۱۰۱۴ھ تا ۱۰۳۶ھ — ۱۶۰۵ء تا ۱۶۲۷ء

۱۶۰۸ء میں کپتان ہاکنس جیمس اول کا خط لئے دربار جہانگیر میں حاضر ہوا۔ وہ ترکی زبان جانتا تھا جو جہانگیر کی آبائی زبان تھی۔ جہانگیر نے اس کی بہت خاطر کی۔ سورت میں انگریزوں کو تجارتی کوٹھی بنانے کی اجازت دے دی اور چار سو اردوں کا سردار کر کے ہاکنس کو سلطنتِ مغلیہ کے منصبداروں میں شامل کر لیا۔ دو برس تک آگرہ رہا۔ ہر دن بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور غسل خانہ میں جہانگیر کے ساتھ شراب پیتا۔ ترکی زبان میں خوب خوب گفتگو رہتی۔

ہاکنس کی کوشش تھی کہ تجارتی کوٹھی کی اجازت کے علاوہ انگریزوں کو خصوصی مراعات بھی مل جائیں۔ تجارتی مال پر ۲ یا ۲½ فیصدی کا ٹیکس موقوف ہو جائے۔ بندرگاہ پر آنے والے مال کی تلاشی نہ لی جائے۔ وغیرہ وغیرہ۔[1]

مگر اول تو پرتگیزوں اور انگریزوں میں اس زمانہ میں اس قدر سخت مخالفت تھی کہ بحر و بر اُن کی جنگی کوششوں کے رزمگاہ بنے ہوئے تھے۔ سمندروں میں ایک دوسرے کے جہاز پر ڈاکے ڈالے جاتے تھے۔ سپاہیوں کو پکڑ پکڑ کر سمندر میں ڈبو دیا جاتا۔ اسی وجہ سے ہاکنس اپنے ساتھ عمدہ قسم کی بہت سی توپیں اور کافی سامان جنگ لایا۔ لہٰذا پرتگیزوں نے انگریزوں کی کامیابی میں روڑے اٹکائے۔

اس کے علاوہ دور اندیش مدبرین مملکت کا خیال یہ بھی ہو گیا تھا کہ:۔

(بقیہ صفحہ ۱۱۴) پرتگیزوں کے متعلق لکھا ہے جو شخص ان پر بھروسہ کرتا تھا اس کو دھوکا دینے وہ کبھی نہیں چوکتے تھے (سفرنامہ کپتان الگزینڈر ہملٹن صفحہ ۷)

[1] تاریخ ہند صفحہ ۲۵۳ ج ۱۔

"اگر ہندوستان میں انگریزوں کے قدم جم جائیں گے۔ تو وہ ہندوستان کے مالک ہو جائیں گے۔" [1]

صوبہ گجرات کے حاکم اعلیٰ مقرب خاں۔ اور خود شاہزادہ خرم (شاہجہاں) کا بھی یہی خیال تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے مخالفت کی۔ اور خصوصی مراعات کے سلسلہ میں ہاکنس کو ناکام واپس جانا پڑا۔ البتہ ہاکنس نے سورت میں تجارتی کوٹھی۔ اور دربار۔ دہلی میں شاہ انگلستان کے سفیر کے حاضر ہونے کی اجازت حاصل کرلی۔

اس کے بعد ۱۶۱۵ء میں سر طامس رو۔ انگلستان کے سفیر کی حیثیت سے دربار جہانگیر میں حاضر ہوا۔ اس نے بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے اختیارات میں توسیع کی کوشش کی۔ مگر وہ بھی زیادہ کامیاب نہیں ہوا۔

اس کے علاوہ ان کے ساتھ حسن اخلاق کا برتاؤ کیا گیا۔ اس کا اندازہ سر طامس کے مندرجہ ذیل بیان سے ہوتا ہے۔

"جہانگیر نے میرے اوپر بہت التفات کیا۔ اس نے شاہ انگلستان کو کہا کہ وہ میرا شاہی برادر ہے۔ اس نے شاہ جیمس کے خط کو حیرت کی نگاہ سے دیکھا۔ فارسی ترجمہ اس کے ساتھ تھا۔

میں نے جو تحائف پیش کیے وہ بادشاہ نے بڑی خوش اخلاقی سے قبول کیے۔ باجے۔ چاقو۔ کارچوبی سگرلاٹ۔ تلوار۔ اور انگریزی کوچ یعنی گاڑی تحفہ میں پیش کی۔ میرے ہمراہیوں میں سے ایک نے بادشاہ سے باجا بجوایا۔ میں اپنی اس ملاقات سے بہت خوش تھا مجھ سے لوگوں نے کہا کبھی کسی سفیر کی ایسی تواضع نہیں ہوئی جیسی

---

[1] تاریخ ہند ص۳۲۵

تمہاری ہوئی ہے۔ سفرنامہ سرطامس ۱۰ جنوری ۱۶۱۶ء۔ [1]
مذہبی لحاظ سے جس رواداری اور وسعت اخلاق کا ثبوت دیا گیا۔
اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کو بادشاہ کے عیسائی
مذہب پر کامل ہونے کا دھوکا ہو گیا۔ چنانچہ سرطامس لکھتا ہے:۔
خسرو عیسائیوں کا بڑا حامی تھا۔ جہانگیر بظاہر اکبر سے زیادہ عیسائی
مذہب پر مائل تھا۔ اس نے باپ کی طرح پرتگیزوں کو حکم دیدیا کہ وہ
اپنے چرچ اور اپنے اسکول قائم کریں۔ اور جہاں چاہے وعظ کریں۔
اور جو عیسائی ہونا چاہے اس کو عیسائی کرلیں۔
پادریوں کی باتیں جہانگیر نے یہاں تک سنیں کہ انکو یقین ہو گیا کہ وہ
عیسائی ہو گیا۔ جس حد تک باپ نہ پہنچا تھا وہ اس سے بہت
آگے پہنچ گیا۔
اس کے دو بھتیجے دانیال کے بیٹے عیسائی ہو گئے۔ آگرہ میں اصطباغ
ہوا۔ اور ان کی سواری اس طرح گرجا میں گئی کہ وہ ہاتھی پر بیٹھے اور
تمام عیسائی جو ساٹھ سواروں کے قریب تھے ان کے ساتھ ہو گئے۔ ہاکنس انگلستانی
نمایندہ جارج کا علم اسکے ہاتھ میں تھا۔ وہ انگلستان کے اعزاز کیلئے سب سے آگے چلا۔ [2]

---

[1] تاریخ ہندوستان ص ۲۵۳۔ [2] تاریخ ہندوستان ص ۲۵۵۔ مصنف تاریخ ہندوستان
سرطامس رو کے خط بنام آرچ بشپ کنٹربری مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۶۱۶ء کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں کہ شاہزادوں
نے یہ سب مذاق اس لئے کیا تھا کہ وہ پرتگیزی عورتوں کو اپنے حرم میں داخل کرنا چاہتے تھے۔ تاریخ
ہندوستان ص ۲۵۵۔ تاریخ ہندوستان میں یہ واقعات یورپین سیاحوں کے حوالوں سے نقل
کئے گئے ہیں۔ ان میں بہت زیادہ رطب یابس اور بہت کافی مبالغہ بھی ہے جس کی تردید خود
مصنف نے جابجا کی ہے۔ بہرحال جہانگیر، امرار جہانگیر اور ہندوستانیوں کے وسعت
اخلاق کا اندازہ کرنے کے لئے یہ بیانات اقراری دستاویز ہیں۔ ۱۲ محمد میاں

ہندوستان کی سفارت میں انگلستان سے جو آدمی آئے تھے۔ ان میں مسٹر ٹیری چیپن (پادری) بھی تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ جہانگیر کے عہد میں آگرہ میں تمام فرنگی (یورپین) اس کے محل تک رسائی رکھتے تھے۔ جہانگیر ساری رات فرنگیوں کے ساتھ شراب پیتا تھا۔ ؎۱

## عہدِ شاہجہاں ۱۰۳۷ھ تا ۱۰۶۸ھ ۱۶۲۸ء تا ۱۶۵۸ء

شاہجہاں ایام شاہزادگی میں جب جہانگیری لشکروں سے جان چھپاتا ہوا بنگال کے قریب ساحل سمندر تک پہنچا تھا۔ تو وہاں اس نے بچشم خود دیکھا تھا کہ "بندر ہگلی" کے رہنے والے فرنگی جو سراندیپ وغیرہ سے بحری راستہ سے تجارت کرتے ہیں۔۔ ان کا رویہ ہندوستان کے ساتھ دل آزار۔ ناشائستہ اور تباہ کن ہے۔ ؎۲

---

؎۱ ماخوذ از تاریخ ہندوستان ص۱۴ تا ص۱۴۴ ؎۲ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عام حالات کے متعلق کپتان الگزینڈر ہملٹن تحریر فرماتے ہیں کہ "اس کمپنی کے عمال کے ہاتھوں اس قدر ظلم و ستم ہوتا تھا کہ نہ کسی آسمانی کتاب میں اور نہ کسی انسانی قانون میں اتنی طاقت تھی کہ وہ ان لوگوں کو ان زیادتیوں سے باز رکھتا" سفرنامہ کپتان موصوف جلد دوم ص۱ بحوالہ ہند عہد اورنگزیب میں ص۹۳ - ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں۔ اگرچہ اس نوآبادی کے جملہ انتظامی کے ممبر بہت سے معاملات میں آپس میں اختلاف رکھتے تھے۔ مگر ان غیر شخصوں کے ستانے میں جو ان کے قابو میں آجاتے ہیں سب متفق ہیں۔ جلد دوم ص۱۲ ص۱۳ اگر کبھی کوئی مال فروخت کرتا یا روپیہ قرض دیتا اور پھر چاہتا کہ تقاضا کرے تو بغیر دھتکار و پھٹکار کے اس کی جان بری نہ ہوتی۔ جلد اول ص۲۳۵ اھ اور یہ تو معمولی بات تھی کہ فرنگی سیاح ہندوستانیوں کے رقص و سرود کے (باقی صفحہ ۱۱۹ پر)

ان لوگوں نے حکام بنگال کی لاپرواہی اور بے نیازی سے فائدہ اٹھایا۔ کچھ اراضی سکونت اور کاروبار کے لئے حکام سے درخواست کرکے حاصل کیں۔ اور اس کے علاوہ بہت بڑا رقبہ اجارہ داری کے طور پر یا کسی زمیندار سے خرید کر، یا کسی پر ناجائز دباؤ ڈال کر غصب کی صورت میں حاصل کرلیا۔ اس میں اونچے اونچے محفوظ مکانات، قلعے۔

---

(بقیہ صفحہ ۱۱۸) جلسہ میں مدعو کئے جاتے تو وہاں جاکر تہذیب اور شرم وحیا کو خیرباد کہہ دیتا اور طوائف سے ہوسناکی کی خواہشات کی تکمیل آزادی سے کرتے جلد اول صفحہ ۲۴ جو لوگ ان تاجروں کی اخلاقی حالت درست کرسکتے تھے وہ پادری صاحبان تھے، لیکن کپتان صاحب موصوف کی رائے اس طبقہ کے متعلق یہ تھی کہ جہاں کہیں وہ پہنچے شراب خانے اور عیاشی کے اطوار بھی ساتھ ساتھ جاتے اور وہ لوگ جو ابھی ان باتوں سے پرہیز کیا کرتے تھے۔ ان کو بھی ان بدعات سے بچنا دشوار ہوجاتا تھا۔ جلد دوم صفحہ ۵ و صفحہ ۱۵۔ بصرہ کی تو یہ حالت تھی کہ علانیہ گرجوں میں شراب فروخت کرتے تھے۔ اور جو رعایت کہ رعیت ان کے ساتھ ملحوظ رکھتی تھی اس سے بدترین اور ذلیل فائدے اٹھاتے تھے۔ جلد اول صفحہ ۲۴ گوا کے مشنریز کی یہ حالت تھی کہ اگر کوئی ایک فرد اپنی چیز مثلاً مچھلی وغیرہ بازار سے خریدے اور پادری صاحب کو دینے سے انکار کردے تو وہ اس کو مرتد قرار دے کر ذات سے باہر کردیتے تھے۔ اور پھر بغیر سات لونڈے لئے شریک نہ کرتے تھے۔ جلد اول صفحہ ۲۵۲ لوگوں کو طرح طرح کی بازیگری وافسوں گری دکھا کر اپنا معتقد بنالیتے تھے جلد اول صفحہ ۲۵۳ منگلور میں بعض ایسے بے حیا تھے کہ اگر کچھ روپیہ ملتا تو مسافروں کے واسطے عورتیں مہیا کرنے میں بھی عار نہ تھا اور ان کا خیال یہ ہے کہ اگر کچھ فائدہ ہوتا ہو تو چوری قتل یا زنا کوئی گناہ نہیں جلد اول صفحہ ۲۵۲ بحوالہ ہند عہد اورنگ زیب میں صفحہ ۹۱ و صفحہ ۹۸ و صفحہ ۹۵۔

گڑھیاں تعمیر کرکے اپنی حکومت قائم کرلی۔ اور اس کے تحفظ کے تمام بری اور بحری ذرائع فراہم کرلئے۔

اس علاقہ کا نام بندر ہگلی مشہور ہوا۔ اس کے ایک طرف سمندر تھا مگر اس کے تین طرف گہری گہری خندقیں کھود کر نہر جاری کرلی اور اس علاقہ کو ایک جزیرہ کی شکل میں سب طرف سے پانی سے گھیر کر محفوظ کرلیا۔

(۱) اس علاقہ کے باشندوں کو زبردستی عیسائی بناتے اور فرنگستان (یورپ) بھیجدیتے۔

(۲) آس پاس کے پرگنوں کے باشندوں کو اسیر کرکے لاتے اور ان کے ساتھ زر خرید غلاموں جیسا سلوک کرتے۔

(۳) قرب وجوار کے مسافروں کو لوٹتے۔

(۴) تلاشی کے وقت سخت اذیتیں پہنچاتے۔

(۵) بنگالہ یا دکن کی جن بندرگاہوں پر اُن کا تسلط ہوگیا تھا۔ وہاں کے باشندوں میں سے جو مرجاتا اُس کی جائداد ضبط کرلیتے۔ اور اُس کے یتیم بچوں کو اپنا مملوک غلام بنالیتے۔

(۶) کسی غیر کو اپنے علاقہ میں نہیں رہنے دیتے تھے۔ اگر کوئی ناواقف پہنچ جاتا تو اس کا زندہ واپس ہونا دشوار تھا۔

بہرحال اس قسم کی چیرہ دستیاں دیکھ کر شاہجہاں نے مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ بادشاہ ہونے پر اس جھاڑ کے کانٹے کو بنگالہ کے باغِ ارم سے نکال ڈالے گا۔

رقیبانِ تاج وتخت کے خرخشہ سے شاہجہاں کو جلوس کے پانچ برس

سال فراغت ملی۔ اب اس مصمم ارادہ کی تکمیل کا وقت تھا۔ مزید براں اطراف ہگلی کے باشندوں کی شکایتیں بھی پہونچیں جو مظالم فرنگ سے تنگ آچکے تھے۔

"مبارک تھے وہ ہندوستانی جن کو شاہجہاں جیسا شاہ عادل فریاد رس نیسر تھا"۔ چنانچہ ۱۰۴۱ھ؍۱۶۳۱ء کے ابتدا میں پیشگاہ سلطانی سے قاسم خاں گورنر بنگالہ کے نام حکم صادر ہوا کہ اس جماعت کا جلد از جلد استیصال کر دیا جائے۔

اس فرمان اور اس کے نتیجہ کا تذکرہ شاہجہاں نے اپنے مکتوب بنام نذر محمد خاں والئ بلخ میں کیا ہے۔

(جس کا خلاصہ مولانا ذکاء اللہ صاحب مصنف تاریخ ہندوستان کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:)

> ہم نے قاسم خاں صوبہ دار بنگالہ کو حکم دیا کہ اس جماعت کے رفع دفع میں کوشش کریں۔ صوبہ دار مذکور نے ایک لشکر اور پانچسو جنگی جہازوں کو استیصال کے لئے مقرر کیا۔ چار ماہ تک بحر و بر میں فرنگیوں سے لڑتا رہا۔ (اس بری اور بحری لشکر نے فرنگی علاقہ کو گھیرے میں لے لیا۔) رفتہ رفتہ فرنگیوں کو تنگ کرتا رہا۔ ان کے حصار محکم میں نقبیں لگائیں اور حصار کی دیواروں کو (باروت کے ذریعہ سے) ہوا میں اڑایا۔ اور چاروں طرف یورش کرکے ان کو مسخر کر لیا۔ چونکہ یہ بندر دریائے شور کے کنارہ پر تھا۔ بقیۃ السیف نے اپنی زندگی فرار میں جانی۔ چنانچہ جہازوں اور غرابوں

میں چڑھ کر بھاگ گئے۔ بادشاہی لشکر نے خشکی اور دریا کے راستہ ان کا تعاقب کیا ان میں سے بعض کو قتل اور بعض کو قید کیا۔

فرنگیوں کے دس ہزار آدمی قید ہوئے اور جنگجو بر سر پیکار فرنگی سپاہیوں کے سوا جہاز اور غراب کے پانچ ہزار آدمی قید و بند میں پھنسے۔ ۶۴ جہاز و غراب بہت سی دولت و غنیمت کے ساتھ بادشاہی آدمیوں کے ہاتھ لگے۔

اس دیار سے فرنگی بالکل خارج ہو گئے۔ ان کے معابد کی جگہ حسب الحکم مساجد بنائی گئیں۔ صدائے ناقوس کے بجائے اذان کی آواز بلند ہوئی۔ الحمد للہ۔ [1]

۱۱ محرم ۱۰۴۳ھ کو عنایت اللہ و قاسم خان و بہادر کنبوہ ـــــ بنگالہ سے آئے اور کل فرنگی قیدی عورت مرد چھوٹے بڑے چار سو مع ان کے اصنام کے بادشاہ کے آگے پیش کئے۔ بادشاہ دین پناہ نے ارباب شریعت کو حکم دیا کہ ان کو اسلام کی دعوت دیں۔ اور احکام اسلام ان کو سمجھائیں۔ ان میں سے بعض نے اسلام قبول کیا۔ وہ مورد مراحم شاہی ہوئے اور اکثر نے اسلام قبول نہ کیا۔ وہ امرا میں تقسیم ہوئے۔ اور حکم ہوا کہ ان کو محبوس و معذب رکھیں [2]

اس وقت بے شک اس دیار سے فرنگی خارج ہو گئے۔ مگر جنوبی اور مغربی ہند کے تقریباً تین ہزار میل لمبے ساحل پر جابجا کوٹھیاں قائم ہو چکی تھیں۔ یعنی انھیں مغربی حشرات الارض کا مستقل

---

[1] تاریخ ہندوستان ص۱۲۴ و ص۱۲۵ ج ۷۔ [2] ایضاً ص۱۲۴ و ص۱۲۵ ج ۷

اڈہ تھا۔ ان تمام علاقوں میں فرنگی بدستور اپنے کاروبار کو
بڑھاتے رہے۔

جنوبی ہند کے ساحل کا زیادہ تر حصہ شاہجہاں کے قلمرو سے
خارج تھا۔ اور جو حصہ داخل تھا۔ اس کے باشندوں پر کوئی زیادتی
کرنا عدل شاہجہاں کے مخالف تھا۔ تاوقتیکہ ان کی حرکات کا علم بھی اسی
طرح نہ ہوجاتا۔ محض رنگ و نسل کے مرکز پر عدل و انصاف یا ظلم و
ستم کے دائروں کو قائم کرنا۔ خاص طور پر یورپ نژادوں کا شیوہ ہے
ایشیا کے رہنے والے ہر ایک انسان کو اپنا ہم جنس انسان تصور
کیا کرتے ہیں۔

سفارتوں کی گرما گرمی جو اکبر اور جہانگیر کے عہد میں تھی۔ دور
شاہجہانی میں مفقود ہے۔ وجہ یہی ہے کہ شاہجہاں نے اپنے
تعلقات سلطان روم (سلطان ترکی) سے قائم کئے۔ چنانچہ
دو بار باب عالی سے ہدایا اور تحائف لے کر سفیر آئے۔ اور خسرو
ہند نے بھی اپنے سفیر اور ہدایا و تحائف سلطان کے پاس بھیجے۔

## عہد عالمگیر ۱۰۶۸ھ تا ۱۱۱۸ھ / ۱۶۵۸ء تا ۱۷۰۹ء

اس عہد مبارک میں ایسٹ انڈیا
کمپنی نے جو شاندار خدمت انجام دی اس کی تفصیل اس کمپنی کے ہم جنس
اور ہم وطن کپتان الگزنڈر ہملٹن کی تحریر کے بموجب حسب ذیل ہے:

کمپنی کے پاس یوں تو بڑے بڑے جہاز تھے۔ جن کو ملک سے
باہر بھیجنے کے لئے وہ مجبور تھی۔ لیکن ان کو کام میں لانے کے
لئے چونکہ کمپنی کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا۔ اس لئے اس نے

اپنے جنرل کو نیز اپنے کارخانوں کے عہدہ داروں کو جو ہندوستان میں تھے حکم دے دیا تھا کہ وہ اپنے جہازات وطن پہنچانے کے لئے ہندوستانی تاجروں سے جس قدر رقم قرض حاصل کر سکتے ہوں کمپنی کی ذمہ داری پر لے لیں چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور جو جہاز اپنے وطن کو دے جا سکے ان کو کرایہ پر ہندوستان میں چلا دیا۔ میں نے کمپنی کے گورنر کا ایک خط انگلستان میں دیکھا جس میں لکھا تھا کہ جب وہ مغل شہنشاہ کی رعایا سے جس قدر روپیہ حاصل کر سکتے ہوں لے لیں تو قرضخواہوں سے جھگڑا کر کے یکلخت ان کے ساتھ لین دین موقوف کر دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کیونکہ سنہ ۱۶۸۶ء و سنہ ۱۶۸۷ء میں سورت کے ہندوستانی تاجروں نے سمندر کے راستہ سے مغرب میں بہت بڑی تجارت گاہ ایران اور بصرہ سے قائم کر لی تھی اور مشرق میں بنگال چین اور سیام سے بیوپار کرتے تھے۔ وہ جنرل سب لوگوں کو ان کی استدعا پر پروانہ راہداری دے دیا کرتا تھا۔ پھر اس کے بعد سنہ ۱۶۸۶ء کے آخر میں ایک شکایت صوبہ دار سورت کے روبرو پیش کی اور انصاف و اطمینان کا طالب ہوا۔ اس شکایت کی ایک مطبوعہ کاپی میں نے خود دیکھی ہے۔ [1]

یہ شکایت بھی ایک خاص ڈپلومیسی کے موجب تھی۔ جس کی توضیح کپتان موصوف اس طرح فرماتے ہیں۔

میں نے وہ خط اپنی آنکھوں سے دیکھا اور خود پڑھا ہے جو

[1] جلد اول صفحہ ۱۹۹ بحوالہ ہند عہد اورنگزیب ص ۹۱ و ۹۲۔

ولایت سے ڈائرکٹروں نے بطور ہدایت نامہ یا دستور العمل اپنے ملازمین و عہدہ داران ایسٹ انڈیا کمپنی کو بھیجا تھا۔ اس خط میں حکومت مغلیہ سے چھیڑ چھاڑ قائم کرنے کی ایک تدبیر بتلائی تھی۔ وہ یہ تھی کہ تم ہندی تجار و متمول اشخاص سے روپیہ قرض لو اور جب رقم کثیر ہو جائے تو کوئی ایسی لڑائی جھگڑے کی بات پیش کر دو جس کی وجہ سے قرضہ کا مسئلہ تو پیچھے پڑ جائے اور وہ نزاع سامنے آجائے۔ اس طریقہ سے قرضہ بھی ہضم ہو جائے گا اور لڑائی کا بہانہ بھی ہاتھ آجائے گا۔[1]

چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ ایک جانب تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے لوگوں نے شاہی فوج کے غلہ دافر سے بھرے ہوئے جہاز بمبئی کے قریب سمندر میں پکڑ لئے اور دوسری جانب اس کمپنی کے گورنر و ایجنٹ مسٹر جائلڈ نے ایک لمبی چوڑی شکایتی درخواست حکومت مغلیہ کے گورنر مقیم سورت کے پاس بھیجی جس میں پینتیس ۳۵ شکایتیں درج تھیں۔

کپتان الگزنڈر نے اس تمام درخواست کو نقل کیا ہے، ہم ذیل میں اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔ وہ شکایتیں بذات خود مضحکہ انگیز ہیں۔ اور جب یہ خیال بھی رکھا جائے کہ وہ جعلی ہیں۔ اور اس ناپاک غرض کی تکمیل کے لئے گھڑی گئی تھیں تو حکومت عالمگیر کے حسن انتظام اور عدل و انصاف کا سبق آموز اندازہ ہوتا ہے یعنی کیسی حقیر اور معمولی شکایتیں بھی اس زمانہ میں موجود نہ تھیں، بنائی گئی تھیں۔

---

[1] جلد عہد اورنگزیب میں صفحہ ۵۲۔

عـ۱ و عـ۲ و عـ۳ - ایک ہندوستانی سوداگر مولا عبدالغفار[1] کی
شکایت ہے کہ اس نے کمپنی کی نسبت غلط افواہیں اڑائیں۔ جس سے
کمپنی کا نام بدنام ہوگیا اور اعتبار بھی بہ نسبت سابق کے جاتا رہا۔

عـ۴ دو انگریز مسٹر پیٹیٹ (Pitit) اور مسٹر باؤچر (Boucher)
کمپنی کے روپیہ پیسہ کا حساب کتاب نہیں سمجھاتے۔ ان دونوں نے
شاہی حکومت کی پناہ لی۔ مسٹر پیٹیٹ تو مر گیا اور جہنم واصل ہوا۔
لیکن مسٹر باؤچر سورت میں بیٹھے ہیں۔ میرا مطالبہ یہ ہے کہ وہ اور
اس کی بیوی بچے اور اس کے تمام متعلقین انگریز معہ ان کے مال
و اسباب کے میرے حوالہ کئے جائیں۔ تاکہ وہ سورت سے فرار
نہ ہو سکیں۔

عـ۵ و عـ۶ و عـ۷ - حال میں بعض اشیاء پر خفیف محصول
بڑھا دیا گیا ہے۔ وہ واپس دلایا جائے (یہاں یہ بھی واضح رہے کہ
کپتان الگزنڈر خود تحریر کرتے ہیں۔ کہ جب وہ اڑیسہ پہنچے تو کل ٹیکس
جو ان سے وصول کیا گیا۔ وہ ۳ شلنگ تھا۔ یعنی تقریباً دو روپیہ
جس میں ملازمین کی تنخواہ اور کہاروں کی مزدوری بھی شامل تھی)
جلد اول صـ ۳۳۸)

دفعہ عـ۸ فرامین شاہی کے بموجب اس ملک کا ہمیشہ سے یہ دستور
رہا ہے کہ جب کبھی کمپنی کا مال سرقہ جاتا تھا تو اس کی تلافی خزانہ
شاہی سے کر دی جاتی تھی۔ مگر سورت کے گورنر نے اب یہ طریقہ

---

[1] یہ وہی عبدالغفار ہے جس کا ذکر پہلے آچکا ہے کہ صرف اس ایک شخص کا تجارتی سرمایہ
کمپنی کے تمام تجارتی سرمایہ کی برابر تھا غالباً یہ عبدالغفار تجارت میں کمپنی کا مقابلہ کر رہا تھا۔ ۱۲

بند کر دیا ہے۔

(۹) فلاں فلاں ہندوستانی قرضدار ادائے قرض میں تاخیر کر رہے ہیں۔

(۱۰) شاہی دار الضرب (ٹکسال) میں روپیہ جلد جلد مضروب نہیں ہوتا۔

۱۱ و ۱۲۔ کمپنی کے حسابات کی کتابوں پر ہمیشہ اعتبار کیا جاتا تھا۔ اور آخر سال پر اس کے بہی کھاتے دیکھ کر محصول لیا جاتا تھا۔ لیکن اب یہ قاعدہ جاری ہوا ہے کہ جوں ہی مال سرزمین ہندوستان پر اُتارا جاتا ہے۔ محصول وصول کر لیا جاتا ہے (حالانکہ یہی طریقہ تمام ممالک یورپ میں خود ہندوستان میں اب تک رائج ہے)

۱۳۔ گورنر نے سرکاری قلعہ کی دیوار سیدھی کرنے کے لئے کمپنی کی کچھ اراضی حاصل کر لی ہے۔ جس کا معاوضہ اب تک نہیں ملا ہے۔

۱۴ و ۱۵ و ۱۶۔ محکمہ چنگی کی جزوی شکایتیں ہیں۔

۱۷۔ قرضداروں سے روپیہ وصول نہیں ہوتا۔ ان کی نسبت دادرسی نہیں ہوتی۔ لہذا گورنر کو چاہئے کہ اس کی تلافی خزانہ شاہی سے کر دے۔

۱۸۔ جب تک نوکروں کو کچھ بخشش نہ دی جائے کمپنی کے کارندوں کو گورنر کے سامنے حاضری کا موقعہ نہیں ملتا۔

۱۹۔ تجارتی گھوڑے جو ایران اور بصرہ سے آتے ہیں۔ ان کی گردنوں پر مہر کر دی جاتی ہے۔ اور بغیر محصول ادا کئے نہ وہ فروخت کئے جا سکتے ہیں۔ نہ ان پر سواری کی اجازت ہے۔

نمبر ۲۰- عہدہ داروں سے قیمت وصول نہ ہونے کی شکایت ہے۔
نمبر ۲۱ و نمبر ۲۲ محکمہ چنگی کی تعویق اور دیگر جزوی شکایتیں ہیں۔
نمبر ۲۳ جب کمپنی اپنے ملازمین کو ہندوستان کے دور دراز شہروں میں بھیجتی ہے تو وہ شاہی گورنر کی حفاظت میں اس طرح آجاتے ہیں کہ پھر ان سے مطالبہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے چنانچہ مسٹر پیٹیٹ اور مسٹر باؤچر شاہی حکومت کی پناہ میں محفوظ ہیں۔
نمبر ۲۴ ایک قطعۂ اراضی کی شکایت اور جدید اراضی کے وصول کرنے کی درخواست ہے۔
نمبر ۲۵ حسب دستور سابق محصول وصول کرتے وقت اُن کا مال کھول کر نہ دیکھا جائے۔
نمبر ۲۶ عہدہ داروں سے قیمت وصول نہ ہونے کی مکرر شکایت ہے۔
نمبر ۲۷ اضافہ محصول کی مکرر شکایت ہے۔
نمبر ۲۸ میں تیسری بار اسی مسٹر باؤچر کا قضیہ پیش کیا گیا۔
نمبر ۲۹ میں تیسری بار اضافۂ محصول کی شکایت ہے۔
نمبر ۳۰ ایک ناظم کی شکایت ہے۔
نمبر ۳۱- لوہے کا ایک لنگر دریا میں گم ہو گیا تھا- وہ مرزا معظم کو ملا ہے۔ وہ واپس دلایا جائے۔ اور اس کے ڈھونڈنے میں جو صرف ہوا ہے وہ لے لیا جائے۔
نمبر ۳۲ جب کمپنی کا جہاز ساحل پر پہونچتا ہے تو چنگی کے وقت ان کے آدمیوں کی روک ٹوک بہت کی جاتی ہے۔ اس میں تعویق

ہوتی ہے۔

۳۳ بنگال میں شاہی جہاز کو جو آگ لگائی گئی ہے۔ اُس کا تعلق ہماری جماعت سے کچھ نہیں۔

۳۴ دو ہندوستانی قافلوں کے منتقل کرنے کا مطالبہ ہے۔

۳۵ شام کو شہر کا دروازہ قبل از وقت بند کر دیا جاتا ہے۔ اور جب وہ شہر کے باہر سے سیر کر کے واپس آتے ہیں تو بغیر بخشش اور انعام اندر داخل ہونا دشوار ہوتا ہے۔

گورے چمڑے والوں کی عیاری اور مکاری ملاحظہ ہو کہ جو سفارتیں یورپ سے آئیں وہ ناکام واپس کر دی گئیں۔ حکومت سے کوئی معاہدہ ہوا نہیں اور ایک اجنبی تاجروں بلکہ بحری قزاقوں کا حق ہی کیا تھا کہ ہندوستان کی باقاعدہ مہذب حکومت اُن سے کوئی معاہدہ کرتی۔

مگر صرف غریب الوطنی کی وجہ سے جو رعایتیں دی گئی تھیں یہ احسان فراموش چاہتے ہیں کہ ان رعایتوں کو بالادست حاکم کے حقوق کی حیثیت سے شہنشاہ ہند تسلیم کر لیں۔

اُن کی ان احمقانہ سفلہ حرکت سے خود کپتان ہملٹن بیزار ہیں اور کپتان موصوف اگرچہ کمپنی کے ملازم نہیں تھے وہ آزاد خود مختار تاجر کی حیثیت سے ہندوستان آئے اور ۲۵ سال یہاں گزارے مگر چونکہ وہ کمپنی کی پناہ میں بحری سفر طے کر کے آئے تھے اور یہاں اُن رعایتوں سے فائدہ اٹھا رہے تھے جو حکومت مغلیہ کی جانب سے کمپنی کو مرحمت ہوئیں۔ لہٰذا کمپنی کی ناشائستہ حرکتوں کا اثر اُن پر (۶)

پڑنا لازمی تھا۔ وہ کمپنی کی اس ناشائستہ حرکت سے کس قدر نالاں تھے اس کا اندازہ ذیل کی تحریر سے ہوتا ہے۔ اس شکایتی درخواست کو نقل کرنے کے بعد کپتان موصوف فرماتے ہیں۔

یہی وہ شکایتیں ہیں جن بنیاد پر جنرل چائلڈ نے سلطنت مغلیہ کے ساتھ ایک جنگ کی عمارت قائم کی۔ اور اپنی شکایات بادشاہ تک پہنچانے اور منشار شاہی معلوم کئے بغیر اعلان جنگ کر دیا جہاں کہیں بادشاہی رعایا کے جہاز ملے۔ اُن کو گرفتار کر لیا حالانکہ یہ جہاز خود کمپنی کے پروانجات راہداری اپنے پاس رکھتے تھے۔

فقرہ ۲ ایسا ہے کہ گو وہ ایک عیسائی کے قلم سے نکلا ہے۔ لیکن ہر مسلمان اور بت پرست بھی اس کو نفرت کی نظر سے دیکھے گا۔

فقرات ۱۷ و ۲۳ و ۲۸ خلاف انصاف ہیں۔ اور فقرات ۳ و ۱۳ اس شکایت اور جنگ کے لئے بہت ہی کمزور ہیں۔ جن کی وجہ سے مسٹر چائلڈ کے آقا اور مالکوں کے زائد از چار لاکھ پونڈ اختتام جنگ سے قبل ہی خرچ ہو گئے۔

علاوہ ازیں بادشاہ اور اُس کی رعایا کے نزدیک ان لوگوں کا اعتبار جاتا رہا۔ جو آج تک (کپتان صاحب کے اس مضمون کے لکھنے تک) جیسا کہ چاہئے تھا، قائم نہیں ہوا ہے۔ وہ کونسا قاعدہ اور کون سی پالیسی تھی۔ جس کے

بموجب توقع کی جا سکتی تھی کہ باوجود اس کے کہ بادشاہ مغلیہ کے ایک حصہ حکومت میں مسٹر چائلڈ یا سر جوزیا[1] بادشاہی رعایا کو قتل وغارت کریں۔ اور بادشاہ موصوف دوسرے حصہ حکومت میں کمپنی کو امن امان کے ساتھ تجارت کرنے کی اجازت دیں۔ نہیں معلوم یہ لوگ کس طرح اس کی امید کر سکتے تھے کہ ایسے موقعہ پر بادشاہ غیر جانبداری اختیار کریں گے[2]

**نتیجہ درخواست** جب یہ درخواست گورنر سورت کے پاس پہنچی تو سیدی یعقوب کمانڈر افواج شاہی نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر کو اولاً مہذبانہ طریقہ سے ایک خط لکھا جس میں کمپنی کے طرز عمل پر اعتراض کیا۔ لیکن جب کمپنی کی جانب سے متمردانہ جواب آئے تو صوبہ دار نے بالآخر تحریر کر دیا کہ:۔

"اگر گرفتار شدہ جہاز ۱۱ فروری تک نہ چھوڑے جاویں گے تو ۱۲ فروری کو شاہی فوج فلاں وقت بمبئی میں داخل ہو کر ہر چیز پر قبضہ کر لے گی۔"

یہ ہے جرات کہ تاریخ اور وقت تک معین کر دیا۔ تاکہ کمپنی کے سورما تیار ہو جائیں۔ اور لاعلمی کا بہانہ کر کے شرمندگی دور کرنے کی کوشش نہ کریں۔

لیکن مسٹر چائلڈ پر ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کی حمایت کا

---

[1] بظاہر سر جوزیا وہی حضرت ہیں جنھوں نے بنگال میں شاہی جہازوں میں آگ لگا دی تھی جس سے مسٹر چائلڈ نے فقرہ ۲۳ میں اپنی اور اپنی جماعت کی جھوٹی برات کا اظہار کیا ہے۔ ہند صہ ۶۴ [2] جلد اول صہ ۲۱۳ بحوالہ ہند صہ ۶۳

نشہ سوار تھا۔ اس زمانہ میں چونکہ یہ لوگ بغیر فوجی مدد کے سمندر میں سفر نہیں کر سکتے تھے کیونکہ ولایت کے راستے بحری قزاقوں کی دست برد سے محفوظ نہ تھے۔ علاوہ ازیں یہ وہ عہد نہ تھا کہ کسی قوم کے ہتھیار چھین کر اس کو نامرد بنایا جائے۔ ہر شخص مسلح رہا کرتا تھا لہذا کمپنی کے پاس بھی مسلح فوج تھی۔ توپیں تھیں، خزانہ تھا۔ اور غالباً اسی غرہ پر ان کو جنگ چھیڑنے کی جرات ہوئی۔

کپتان ہملٹن لکھتے ہیں کہ جو کچھ شاہی افواج کے کمانڈر نے لکھا تھا بالکل اُسی کے مطابق اس نے عمل کیا۔ اور جو وقت اُس نے مقرر کیا تھا۔ ٹھیک اسی وقت مع فوج کے پہنچا۔ (جلد اول ص۲۱۷) آخر دونوں فوجوں کا مقابلہ ہوا اور جب سیدی کی فوج تلوار لیکر یلغار کرتی ہوئی انگریزی فوج پر جا پڑی تو بقول کپتان ہملٹن:۔

> کمپنی کا کپتان میدان سے بھاگ نکلا۔ اور بھاگنے والوں میں بھی سب سے آگے تھا۔ پرتگیزوں کے گرجا میں پہنچ کر جب ذرا حواس درست ہوئے تب اُس نے پیچھے مڑ کر اپنے آدمیوں کو دیکھا کہ ان کا کیا حشر ہوا (جلد اول ص۲۲۰)

مسٹر چائلڈ کی تمام بہادری چند گھنٹوں میں ختم ہوگئی۔ مجبوراً اورنگ زیب کے حضور میں حاضر ہوئے اور معافی حاصل کرنے کی تدبیر کرنی پڑی۔ ایک وفد تیار کیا گیا جس میں کپتان ہملٹن بھی شریک تھے۔ جس ذلت آمیز طریقہ سے یہ وفد شاہجہان آباد میں اورنگ زیب کے حضور میں حاضر ہوا۔ اُس کے متعلق کپتان صاحب خود تحریر فرماتے ہیں:۔

> دربار میں اُن کی رسائی تو ہوگئی۔ لیکن اورنگ زیب کے

حضور میں وہ اس ذلت کے ساتھ پیش کئے گئے جو کسی ملک کے
سفیروں کے لئے زیبا نہ تھی۔ سامنے سے اُن کے دونوں ہاتھ
ایک پٹکے سے باندھ دیئے گئے تھے اور اس حالت سے
بادشاہ کے روبرو خمیدہ پشت، زمیں بوس حیثیت
میں پیش کئے گئے۔ جلد اول صہ ۲۲۴۔

**مراحمِ خسروانہ** کپتان صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔
"جب یہ وفد اورنگ زیب کے روبرو پیش
ہوا تو بادشاہ پہلے تو بہت غیظ و غضب میں معلوم ہوتا تھا لیکن
تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ غصہ اتر گیا۔ تب بادشاہ نے
دریافت کیا کہ تمہاری درخواست کیا ہے؟ وفد نے پہلے
قصور کی معافی مانگی اور اس کے بعد دوبارہ تجارت کرنے
کی اجازت چاہی۔ اس وقت اورنگ زیب نے اپنے اصلی
کیرکٹر کا اظہار کیا۔ اور الطاف شاہی سے یہ دونوں درخواستیں
منظور کرلیں۔ وفد کو حکم ہوا کہ وہ بمبئی واپس جائے۔ اس
کے بعد فرمان مبارک بھیجا جائے گا۔ چنانچہ کچھ روز بعد
فرمانِ شاہی ان تمام لوازمات کے ساتھ شرفِ صدور لایا
جو ایسے موقعوں پر بطور اعزاز و اکرام مبذول فرمائے
جاتے ہیں۔

سورت میں ایک بڑا دربار منعقد کیا گیا۔ اس دربار میں
وہ فرمان شاہی پڑھا گیا۔ فرمان شاہی کے ساتھ ایک
عمدہ گھوڑا بیش قیمت اطلس یا زربفت کا خلعت بھی۔

جس پر کار چوبی سنہری نہ بیلی پھول بوٹے کاڑھے گئے تھے عطا ہوا۔ یہی فرمان، وہ چارٹر۔ اور منشور خسروی تھا جو اورنگ زیب کی پیشگاہ سے کمپنی کو عطا ہوا تھا۔ اور جس کی سند پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے پھر ہندوستان میں تجارت شروع کی تھی —

# ترجمہ فرمان شاہی

## اورنگ زیب — بنام ایسٹ انڈیا کمپنی

تمہاری عرضداشت بدیں مضمون ما بدولت واقبال کے ملاحظہ میں آئی کہ جس قدر فتنہ و فساد پیدا ہوا اس کے قصوروار تم ہو۔ تم نے صوبہ داران سابق کے خلاف متعدد شکایتیں کیں جنکا ذکر مابدولت نے اپنے امرا و دربار سے سنا۔ تم کو یہ شکایت تھی کہ صوبہ داران یا ماتحت عہدہ داروں نے تمہارے ساتھ بدسلوکی کی۔ تم کو لازم تھا کہ شورش برپا کرنے سے قبل ان سب باتوں کی اطلاع ہم کو دیتے لیکن اب چونکہ تم اپنی خطا کے معترف اور خواستگار معافی ہو لہذا واقعات گذشتہ کو معاف کر کے صرف تمہاری درخواست ہی منظور نہیں کی جاتی بلکہ تمہاری استدعا کے موجب تم کو فرمان بھی عطا کیا جاتا ہے اور اس۔ خاں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ بعد از اقوام تفصیلات جنکی اطلاع

وہ تم کو دے گا۔ فرمان مذکور صوبہ دار سورت کے پاس روانہ کر دے جس وقت یہ فرمان نافذ ہو تم اس کو تعظیم و احترام کے ساتھ وصول کرو اور اس کی عزت و شرف کا اقبال و اعتراف کرو۔ جو فرمان مذکور تم کو بخشا گیا ہے۔

جیسے تم پیشتر تجارت کیا کرتے تھے۔ اب بھی اسی طرح حسب معمول تجارت کرنے کی تم کو اجازت دی جاتی ہے۔ جن تاجروں کی تم شکایت کرتے ہو تم پر واجب ہے کہ ان کے جہازات مع سامان اُن کے حوالہ کر دو اور آئندہ اس قسم کی غلطی کبھی نہ کرو۔ ہمیشہ مابدولت کی خوشنودی اور رضاجوئی کے امیدوار رہو۔ اور اس کو کبھی نظر انداز نہ کرو۔ اگر تم کو میرے صوبہ داروں، عہدہ داروں یا میری رعایا سے کسی قسم کی تکلیف پہنچے تو اس کی اطلاع دینے میں کبھی فروگذاشت نہ کرو۔ مابدولت نے اسد خاں کو حکم دیدیا ہے کہ وہ اس کے مطابق تحریر کرے۔

مسمی باؤچر کی پناہ دہی کے متعلق تم نے شکایت کی ہے کہ سابقہ صوبہ داروں نے اس کو پناہ میں لے لیا۔ اور اس پر تمہاری کوئی رقم واجب الادا ہے اور اس لئے تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے سپرد کر دیا جائے۔ اس بارہ میں حکم دیا جاتا ہے کہ تم اپنا دعویٰ عدالت میں بروئے قانون ثابت کرو۔ اس وقت جو مقتضائے انصاف ہوگا عمل میں آئے گا۔ (سنہ ۴۲ جلوس اورنگ زیب)

کپتان ہملٹن اپنی ہم قوم جماعت اور سلطان اورنگ زیب کے معاملہ پر محاکمہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

یہ معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ اس بدسلوکی سے جو اس کی رعایا

کے ساتھ کی گئی تھی لاعلم نہ تھا۔ یا ابھی وہ جرائم اور خطاؤں کے
پاداش میں کوئی سخت سزا ہی نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لئے
اُس نے ایک رحمدل بادشاہ کی طرح ان لوگوں کو اُن کے
قصور سے آگاہ کر دیا۔ اور اُن کو دانشمندانہ نصیحت کی کہ
آئندہ ایسی غلطی کے دوبارہ مرتکب نہ ہوں۔ شاہانہ طریق سے
اُنکو سمجھا دیا کہ وہ عنایات و عطوفات شاہی کو بنظر شکر و سپاس
دیکھیں اور پابندئ قانون کو اپنا مسلک قرار دیں۔ غرض
اس بادشاہ نے اپنے تمام اقوال و افعال میں پوری طرح
مسیحی تحمل سے کام لیا۔ جلد اول ص ۲۲۹

عہد عالمگیر میں بمبئی اور سورت کے فرنگیوں کے یہ حالات تھے
بنگال میں شاہجہاں کے استیصال کے بعد قیام تو نہ کر سکے تھے۔ مگر
بقول کپتان صاحب :-
ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین اورنگ زیب کی رعایا پر قتل و غارتگری
کیا کرتے تھے اور ڈاکے مارا کرتے تھے۔ جلد دوم ص

لہذا ایک موقع پر اورنگ زیب نے ان خونریزیوں کو معاف
کر کے کمپنی کے ایجنٹ و نمائندہ مسٹر جوزف کو چاک کو حکم دیا کہ وہ
بنگال میں کوئی زمین اپنے قیامگاہ اور مال و اسباب کی منڈی قائم
کرنے کے لئے خود منتخب کر لیں۔ اس ایجنٹ نے سنہ ۱۶۹۰ء میں وہ زمین
دریائے ہگلی کے کنارے انتخاب کی جس پر آج قلعہ فورٹ ولیم نظر
آرہا ہے۔ جلد دوم ص

# خاتمۂ کلام

حضرت مجدد صاحب اور آپ کے خلفاء کرام قدس اللہ اسرارہم کی شاندار خدمات کا تذکرہ اس جلد کا موضوع تھا۔

آج کل اقتصادی مسائل کی پیچیدگیوں نے سیاست کو اقتصاد میں مدغم کر دیا ہے اور عوام کی فلاح و بہبودگی کی جو تحریک بھی اس زمانہ میں سامنے رکھی جائے اقتصادی مسائل کو حل کئے بغیر وہ تحریک بے مغز ہے۔

دورِ حاضر کا قیاس مطالبہ کرتا ہے کہ حضرت مجدد صاحبؒ اور ان کے خلفاء کرام کی خدمات کا عظیم الشان حصہ وہی ہونا چاہیئے جو اقتصادیات سے متعلق ہو۔

اس جلد کے تقریباً نصف حصہ میں اس زمانہ کے مغل تاجداروں اور ان کے زمانہ کے اقتصادی و معاشی حالات بیان کرنے کا مقصود یہی ہے کہ دورِ حاضر کے پیچیدہ مسائل اس زمانہ میں اس طرح حل ہو رہے تھے کہ کسی مصلح کو ان کی طرف التفات کی ضرورت ہی نہ تھی۔ عہدِ اکبر میں جس چیز کی کمی تھی وہ اسلامی احکام کی اتباع تھی۔ حضرت مجدد صاحب نے اسی روح کو نظام حکومت کے اس خوشنما جسد میں پیدا کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں شاہجہاں اور عالمگیر کی بہترین حکومتوں سے باشندگانِ ہند بہرہ اندوز ہوئے۔

انگریزوں کی بنا دٹی تاریخوں نے بہت سی حقیقتوں کو مشتبہ کر دیا مگر ان کا بنایا ہوا کوئی چلمن اس حقیقت کو نہیں چھپا سکا کہ مغل سلاطین کے عروج کا زمانہ ہندوستان کی خوشحالی کا بہترین دور تھا۔ اس دور میں ہندوستان کا خطاب جنت نشان تھا اور اس کو سونے کی چڑیا اور باغِ ارم مانا جاتا تھا۔ اس دور میں نا ممکن تھا کہ کوئی ہندوستانی بھوکا ہو۔ حضرت مجدد صاحبؒ اور ان کے خلفاء کا دور ہندوستان کا یہی خوش حال دور تھا۔

سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ کی وفات کے بعد جیسے جیسے نظام سلطنت میں ابتری آنے لگی ہندوستان کی خوش حالی بھی ختم ہونے لگی اور قدرتی طور پر اقتصادی مسائل بھی ابھرنے لگے۔ سیدنا شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی ولادت باسعادت اگرچہ سلطان عالمگیرؒ کے آخری دور میں (عالمگیرؒ کی وفات سے چار سال پہلے) ہو چکی تھی۔ مگر وفاتِ عالمگیر سے تقریباً چالیس سال بعد وہ دور آگیا تھا کہ ہندوستان کے تمام ہی ڈھانچے ہلنے لگے تھے اور انفرادی۔ عائلی اور اجتماعی زندگی کا ہر نظام ابتر ہو گیا تھا۔ سیدنا شاہ ولی اللہؒ کی ذاتِ قدسی صفات اس وقت ایک مصلح کی حیثیت سے نمودار ہوئی۔ اور اگرچہ آپ کوئی انقلاب برپا نہیں کر سکے، مگر آپ نے وہ اصول اور نظریات مرتب فرما دیئے۔ کہ ان کی بنیاد پر بڑے سے بڑا سیاسی اور اقتصادی انقلاب لایا جا سکتا تھا۔

آگے کی جلد میں آپ وہ اصول اور مبادی ملاحظہ فرمائیں گے۔ مگر اس سے پہلے کہ ہم حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی اصلاحی تحریک اور اس کے نظریات پیش کریں۔ ضروری ہے کہ اس ابتری کا بھی نقشہ کھینچ دیں جو حضرت شاہ ولی اللہؒ کے دور میں شروع ہوئی اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے دور میں پروان چڑھی جس کا خاتمہ ۱۸۵۷ء کے ناکام جہادِ حریت پر ہوا۔

ابتری اور بربادی کے اس نقشہ کا نام "داستان بربادی" ہے۔ یہی داستان آئندہ صفحات میں پیش کی جا رہی ہے۔

# داستانِ بربادی

## زوالِ دولتِ مغلیہ اور اس کے حقیقی اسباب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

مذہب کی طرح تاریخ بھی ایک قومی محرکہ ہے جو انسان کے جذبات اور اس کے نفسیات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اور قوت عمل کے رخ میں تبدیلی کر دیتا ہے۔

انگریزوں نے ہندوستان میں اپنی حکومت کو پائیدار بنانا چاہا تو پہلا کام یہی کیا کہ تاریخ میں وہ رنگ پیدا کیا جو ان کی سیاسی مصلحتوں کے لئے ضروری تھا۔

وہ طبقہ جس کی نظر صرف کالجوں اور یونیورسٹیوں کے کورس کی کتابوں پر تھی وہ اس رنگ میں رنگا گیا۔ اور اس کا ذہن اس سانچے میں ڈھل گیا جو انگریزی فن کاروں نے بنایا تھا۔ یہاں تک کہ ۱۹۳۰ء میں جب فرقہ واریت کی آندھی چل رہی تھی ایک فاضل مصنف نے تحریر فرمایا:-

"بہر حال ۱۷۰۷ء میں اورنگ زیب کی وفات کے بعد جو کچھ سلطنت کے ساتھ ہندوؤں نے کیا وہ محض ایک

عبرت انگیز افسانہ ہے۔ مرہٹوں کی تمام طاقتیں آخری وقت تک صرف اس کام میں صرف ہوتی رہیں کہ مسلمان ہندوستان کی سلطنت سے محروم ہو جائیں۔" [۱]

لیکن اگر تاریخ کا مقصد یہ ہے کہ انسان ماضی کے تجربات سے مستقبل کے لئے سبق لے تو ضروری ہے کہ ماضی کی روایات کو رنگ آمیزی سے پاک اور صاف رکھا جائے کیونکہ غلط تصورات کی بنیاد پر جو قدم اٹھیگا وہ لامحالہ غلط ہی ہوگا۔ بنیاد اگر صحیح ہو تو تعمیر بھی درست اور مضبوط ہو سکتی ہے اور جبکہ قوموں کے کردار میں بھی مکافات عمل کا قدرتی قانون جاری ہے تو اور بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ آج قومی حیثیت سے ہماری جو بھی حالت ہے اس کے اسباب کا صحیح علم ہو تاکہ ماضی کا اگر تدارک نہیں ہو سکتا۔ تو کم از کم اصلاح مستقبل کی کوشش تو کی جائے اس بنا پر تاریخ ایک بہت بڑی قومی اور ملی امانت ہے کوئی بھی قوم و ملت کا خیر خواہ قومی امانت میں خیانت گوارا نہیں کر سکتا۔ اگر انفرادی معاملات میں چغل خوری بد ترین اخلاقی جرم ہے تو تاریخ کے باب میں غلط بیانی اس سے بھی زیادہ جرم ہوگا۔ کیونکہ یہ جرم ایک قومی جرم ہے جو انفرادی جرم سے زیادہ قابل نفرت و ملامت ہے کیونکہ اس کا اثر پوری قوم پر پڑتا ہے۔

انگریزوں کی مسخ کردہ مصنوعی تاریخ نے جو بیج بوئے تھے ان کے تلخ اور نہایت تلخ ثمرات ہمارے سامنے ہیں سن شعور سے لے کر اب تک تقریباً چالیس سال اسی مسموم فضا میں گذر گئے

---

[۱] آزادی کی جنگ صلا

اور یقین نہیں کیا جا سکتا کہ کب کوئی ایسا تریاق دستیاب ہوگا جو ان زہریلے جراثیم کو ختم کر سکے جو ہر فرقے کے رگ دپے میں سرایت کر چکے ہیں۔

وطن اور قوم کے خیر اندیش رہنماؤں کی یہ تمنا دل کی گہرائیوں سے نکل کر بار بار زبانوں پر آئی کہ منصفانہ تحقیق و تفتیش کر کے ہندستان کی صحیح تاریخ مرتب کی جائے لیکن بارہ سال سے زیادہ ہو گئے۔ ہندوستان آزاد ہو چکا۔ تمنا کرنے والوں کی بہت سی تمنائیں پوری ہو چکیں مگر یہی تمنا کچھ ایسی ناکام آرزو ہے جس کی تکمیل تو کیا ہوتی اب تک تکمیل کے آثار بھی نمودار نہیں ہوئے یہاں تک کہ تمنا کرنے والے بھی رفتہ رفتہ رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر نہایت دشوار اور مایوس کن مرحلہ یہ ہے کہ ریسرچ اور تحقیق کا مدار عموماً وہی کتابیں قرار دی جاتی ہیں جو "قلم در کف دشمن است" کی شہادت دے رہی ہیں۔ کیونکہ فارسی جو گذشتہ ایک ہزار سال تک علمی زبان رہی ہے اور کم از کم ہند و مسلم تعلقات کی تاریخ کا پورا خزانہ اسی زبان کی کتابوں میں ہے ناآشنا بن چکی ہے "زبان یار من ترکی و من ترکی نمیدانم" اور انگریزی اقتدار کے باقیات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اشیاء کی توہین و تحقیر، مشرقی علوم اور مشرقی زبانوں کی بے اعتباری جو یورپین دماغوں کی خصوصیت تھی وہ ہم میں سرایت کر گئی ہے۔ ہم خود اپنی نظر میں حقیر، ہمارے علوم ناقابل اعتبار، ہماری تصانیف ناقابل التفات، مشرقی علوم کے علماء، تاریخ ناقابل وقعت، جب حقیقت

وصداقت کے راستہ میں ایسی خلیج حائل ہو تو کیا توقع کی جاسکتی ہے کہ کبھی منزل تک رسائی ہوسکے گی۔

**وجہ تالیف** علماء ہند کا شاندار ماضی جو پہلی مرتبہ ۱۹۳۹ء میں شائع ہو دحی برٹش امپیریلزم بموجب دفعہ ۳۸ پریس ایکٹ حسب منشاء ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ) ضبط ہوا تھا۔

یہ احقر جب ۴۶-۱۹۴۵ء میں دوسری مرتبہ طباعت واشاعت کے لئے اس پر نظر ثانی کررہا تھا۔ تو اسی اثنا میں وہ کتاب نظر سے گذری جس کی چند سطریں پہلے صفحہ پر پیش کی گئی ہیں۔

اس میں شک نہیں کہ مرہٹوں سے مغل بادشاہوں کی جنگ کا سلسلہ طویل رہا۔ مرہٹے مسلمانوں کے مخالف تھے، یا مغل بادشاہوں سے ان کو پرخاش تھی، یا مغل بادشاہوں کے دربار میں اپنی وقعت اور اہمیت تسلیم کرانا چاہتے تھے۔ یا (بلا امتیاز مذہب وملت) شمالی ہند اور جنوبی ہند کی قدیم آویزش (جو اس سے بھی پہلے سے چلی آرہی ہے۔ جب سے فن تاریخ نے کاغذی پیراہن اختیار کیا تھا) اس نے اس دور میں مغل بادشاہوں اور مرہٹوں کی باہمی جنگ کا روپ دھارن کرلیا تھا۔ بہرحال وجہ کچھ بھی ہو واقعہ یہی ہے کہ مغل بادشاہوں کی فوجی طاقت عرصہ دراز تک مرہٹوں کے مقابلہ میں نبرد آزما رہی۔

اتنی بات بھی درست ہے کہ مغل بادشاہوں کی فوجی طاقت ختم

ہونے کے بعد جنوبی ہند میں سلطان ٹیپو کی ترقی پذیر حکومت انگریزوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کے لئے خطرہ ثابت ہونے لگی تو اس کو فنا کے گھاٹ اتارنے کے لئے نظام حیدرآباد کی طرح مرہٹے بھی انگریزوں کے دست و بازو تھے جس کی پاداش جس طرح نظام حیدرآباد کو برداشت کرنی پڑی مرہٹوں نے بھی اس کا خمیازہ بھگتا۔ اور کچھ زیادہ بری طرح بھگتا۔ بایں ہمہ یہ تسلیم کرلینا کہ دہلی کی سلطنت کو ہندوؤں نے ختم کیا۔ یا یہ کہ مرہٹوں کی تمام طاقتیں آخری وقت تک صرف اس کام میں صرف ہوتی رہیں کہ مسلمان ہندوستان کی سلطنت سے محروم ہو جائیں۔ جس طرح واقعات کے خلاف انگریزوں کی مسخ کردہ تاریخ کا نفسیاتی نتیجہ ہے اسی طرح یہ احساس کہتری کی بھی غمازی کرتا ہے۔

ہماری غور و فکر کی طاقت اگر عدل و انصاف سے محروم نہیں ہوگئی ہے تو کیا وہ فیصلہ کر سکتی ہے کہ جب ہندوؤں کی تمام طاقتیں ہندوستان میں مسلمانوں کے فاتحانہ داخلہ کو نہ روک سکیں تو سینکڑوں سال کے حاکمانہ اقتدار کے بعد جب مسلمانوں کی عظمت ان کے دل و دماغ کے گوشہ گوشہ میں یہاں تک سرایت کر چکی تھی کہ مغل بادشاہ کے درشن کو وہ مذہبی عبادت سمجھنے لگے تھے کیا ان ہندوؤں کی طاقتیں سلطنت دہلی کو ختم کر سکتی تھیں۔

ہمارا فرض یہ ہے۔ کہ ہم کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت کتاب اللہ کے اس قابل فخر، واجب الاحترام عظیم الشان درس کو فراموش نہ کریں کہ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ الخ

تقاضائے انصاف یہ ہے کہ ہم حقیقت پسندی اور صداقت طلبی کی روشنی میں ماضی کے تمام گوشوں پر نظر ڈالیں اور جہاں جہاں ہماری غلطیاں ہوں ان کا نہ صرف اعتراف کریں، بلکہ غلطی کو غلطی محسوس کرکے آئندہ اجتناب کی کوشش کریں تب ہی ہم تاریخ کا صحیح فائدہ حاصل کرسکیں گے۔ اور مجھے مسلمانوں کے مختلف فرقے معاف فرمائیں۔ اگر فیصلہ ان کے برخلاف ہو کیونکہ گڑے مردے اکھاڑنے اور بھولی ہوئی باتوں کو یاد دلانے کا مقصد کسی کی توہین و تذلیل نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد اصلاح ہے۔

لیکن اگر ہم حقیقت پسندی اور انصاف سے کام نہیں لیتے تو غلط فیصلوں اور غلط تصورات کا دوسرا خطرناک اور تباہ کن نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم ان علتوں کو نہ پہچان سکیں گے جو ہمارے زوال کا سبب بنیں اور یقیناً وہ مریض کبھی شفایاب نہیں ہوسکتا جس کو اپنے مرض کا احساس نہ ہو۔

کسی نے یہ بقراط سے جاکے پوچھا | مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا دکھ جہاں میں نہیں کوئی ایسا | کہ جس کی دوا حق نے کی ہو نہ پیدا

مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں
کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں

سبب یا علامت گراں کو سجھائیں | تو تشخیص میں سو نکالیں خطائیں
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں | یوں ہی رفتہ رفتہ مرض کو بڑھائیں

طبیبوں سے ہرگز نہ مانوس ہوں وہ
یہاں تک کہ جینے سے مایوس ہوں وہ

(حالی رحمتہ اللہ)

# "داستان بربادی" کی سرگذشت

سنہ ۱۹۳۹ء میں جب شاندار ماضی کا پہلا ایڈیشن ہدیۂ ناظرین ہوا تھا تو راقم حروف نے ایک اور تصنیف کے مکمل کرنے کا بھی وعدہ کیا تھا اور یہ بھی بتادیا تھا کہ اس کا نام "داستان بربادی" ہوگا مگر اس اشاعت کے بعد حالات کچھ ایسے بدلے کہ "شاندار ماضی" کی قربانیوں سے مجبور ہوکر بمشکل تمام شائع شدہ جلد کی نظرثانی ہوسکی اور بفضلہ تعالیٰ رفتہ رفتہ اس کی طباعت کے کٹھن مرحلے بھی طے ہوگئے لیکن یہ وعدہ اسی طرح محتاج تکمیل رہا یہاں تک کہ مسودہ بھی نظرانداز ہوگیا۔ جن حضرات نے مطالبہ بھی کیا تو ان سے معذرت کردی گئی۔

اب جبکہ شاندار ماضی جلد اول کا دوسرا ایڈیشن بھی ختم ہوچکا اور حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ ندوۃ المصنفین دہلی کی خصوصی عنایت و نوازش نے تیسری مرتبہ مکتبہ برہان کی طرف سے شاندار ماضی جلد اول کی طباعت کا ارادہ ظاہر فرمایا تو حسن اتفاق سے یہ نظرانداز مسودہ سامنے آگیا۔ اور جب اس پر دوبارہ نظر ڈالی تو مناسب معلوم ہوا کہ جس طرح شاندار ماضی جلد اول کے ضمیمہ میں سلطنت مغلیہ کے دور عروج کو بیان کیا گیا ہے اس کے دوسرے پہلو یعنی دور زوال کو بھی اس کا ضمیمہ بنادیا جائے تاکہ دونوں پہلو سامنے آکر تاریخ کا یہ حصہ مکمل ہوجائے اور ان دونوں حصوں کو نئے عنوان سے شائع کیا جائے حضرت مفتی صاحب موصوف نے بھی اس خیال کی تائید فرمائی چنانچہ اب یہ دونوں حصے ہدیۂ شائقین ہیں۔ اور اس مجموعہ کا نام ہے "داستان بربادی"۔

خدا کرے جلد یہ مجموعہ مراحلِ طباعت طے کر کے اور حضرات طالبانِ حقیقت اس کو شرف پسندیدگی سے نوازیں۔

نیاز مند محتاج دعا
محمد میاں عفی عنہ

# مغل بادشاہوں کے متعلق ہندوستانیوں کا زاویہ نظر

اس کتاب میں آپ جگہ جگہ بغاوتوں اور سرکشیوں کا تذکرہ پائیں گے گویا یہ پوری کتاب بغاوتوں اور سرکشیوں ہی کی فہرست ہے مگر آپ اس کا خیال ضرور فرمائیں کہ بغاوت کس کے مقابلے میں ہے۔ اور یہ فرد کس طرح ہوتی ہے۔ جو باغی یا سرکش نظر آتے ہیں وہ بادشاہ کو کس نظر سے دیکھتے ہیں اور بادشاہت کا حقدار کس کو تسلیم کرتے ہیں۔ سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) سے لے کر ابوظفر بہادر شاہ کے عزل ۱۸۵۷ء تک پورے ڈیڑھ سو سال میں آپ کو بلا کسی بحث و تمحیص کے یہ بات صاف نظر آئے گی کہ نہ صرف ہندوستانی راجہ مہاراجہ اور نواب بلکہ ناخواندہ اجنبی مہمان (انگریز) بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وارث ملک اور مالک تخت و تاج سلطان عالمگیر کی نسل کا مغل شاہزادہ ہے۔ اگر ایک کو کسی طرح ختم کیا جاتا ہے تو اس کا جانشین لازمی طور پر کسی ایسے ہی شخص کو کیا جاتا ہے جو سلطان عالمگیر سے نسلی تعلق رکھتا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس وقت مغرب کا جمہوری طرز اختیار کر لیا جاتا تو جس طرح انگلینڈ میں ایک خاص خاندان کی بادشاہت لازوال ہو گئی ہے، ہندوستان میں مغل شاہنشاہ کی شاہنشاہیت لازوال ہو جاتی۔

# سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی وفات اور اسکے جانشین

سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ ۲۸ ذیقعدہ ۱۱۱۸ھ
جمعہ کے روز اس دنیائے دنی اور جہان فانی سے رخصت ہوئے۔ سلطان مرحوم
نے اپنی زندگی میں اپنے تمام لڑکوں اور پوتوں کو مملکت کے مختلف علاقوں
میں حاکم اور گورنر تیار کیا تھا اور ہر ایک کو ایسے تناسب سے علاقہ دے رکھا تھا
کہ گویا پوری مملکت کو تمام اولاد پر مساویانہ تقسیم کر دیا تھا۔ [1]

اگر سلطان کے وارث کچھ بھی قناعت سے کام لیتے تو جنگ کی نوبت
نہ آتی۔ کیونکہ ہر ایک کو اس کا حصہ رسدی حق ملا ہوا تھا۔ مگر جس دماغ
میں بادشاہت کی خو بو ہو وہاں قناعت کہاں۔ بقول حضرت سعدیؒ

ہفت درویش در یک گلیم بخسپند — دو بادشاہ در یک اقلیم نہ گنجند

نتیجہ یہی ہوا۔ باپ کی تمام تدبیریں اور احتیاطیں اکارت گئیں۔ بھائیوں
میں خوب خوب جنگ ہوئی۔ تین بھائی ملک عدم کے بے تاج بادشاہ بنے اور
سلطنت ہند کا تاج جس کو نصیب ہوا وہ محمد معظم تھا جس نے شاہ عالم بہادر شاہ
اپنا خطاب اختیار کیا اور اب پورا نام مع خطاب یہ ہوا "سلطان محمد معظم شاہ
عالم بہادر شاہ" اکبر آباد (آگرہ) کے خزانہ میں شاہجہان نے جو بیس کروڑ
روپیہ جمع کیا تھا جس میں سے دکھن کی مہم میں اورنگ زیب نے بہت روپیہ خرچ
کیا۔ بعد اس خرچ کے نو کروڑ روپیہ سکہ گنا ہوا سوائے سونے اور چاندی
کی بیشمار اینٹوں کے باقی تھا۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ تیرہ کروڑ سکے تھے

---

[1] سیر المتاخرین صفحہ

جن میں اشرفی - اور غریب نواز روپیہ جو سو تولے سے پانچسو تولہ تک ہوتا تھا اور جو انعامات کے لئے مخصوص تھا، بھی شامل تھے۔ شاہ عالم نے حکم دیا کہ چار کروڑ کے روپیہ اشرفیاں خزانے سے نکالی جائیں۔ یہ رقم کثیر فوراً ہی شاہزادگان - امراء دولت - سپاہیوں - سواروں کارخانہ بار شاہی کے ملازموں اور ارباب طلب اور صاحب رضیت یا درویشوں کو تقسیم کردی گئی۔ [1]

سلاطین مغلیہ کے زمانہ میں اگرچہ سلطنت شخصی تھی لیکن اس کے معنی صرف یہ تھے کہ (۱) سلطنت میں ترکہ جاری ہوتا تھا۔ یعنی بادشاہ کی اولاد میں سے ہی کسی ایک کو مستحق تاج و تخت اور وارث سلطنت سمجھا جاتا تھا۔ (۲) وزراء کا انتخاب بادشاہ باختیار خود کیا کرتا تھا۔ انتخاب اور الیکشن کے ذریعہ سے نہیں ہوتا تھا۔ باقی ذمہ داریوں کے انقسام اور تقسیم کے لحاظ سے عموماً صورت وہی ہوتی تھی جو آجکل ہوتی ہے۔

جن امراء کا تعلق براہ راست بادشاہ سے رہتا تھا وہ حسب ذیل ہوتے تھے۔

وکیل مطلق ـــــ (اس کو وزیر کے عزل و نصب کا اختیار بھی ہوتا تھا۔ اسی کو امیر الامراء بھی کہا جاتا تھا) وزیر اعظم - مدار المہام میر آتش۔

معظم شاہ نے اسد اللہ خاں کو وکیل مطلق - اور امیر الامراء کا عہدہ بخشا اور منعم خاں کو وزیر اعظم مقرر فرمایا۔ خانخاناں کا خطاب بخشا۔

---

[1] تاریخ ہندوستان صفحہ ۱۶/۹

## سید بننے کا شوق

بادشاہ نے اپنے تئیں سید بنایا اور حکم دیا کہ نام نامی "شاہ عالم" لفظ سید کے ساتھ پڑھا جائے[1] سید ہونے کی دلیل ملاحظہ ہو۔[2]

ایک شخص سید میر نامی حضرت غوث اعظم رہ کی اولاد میں تھا۔ وہ کشمیر کے اطراف میں ننھیالی وراثت کے ملک میں جو پہاڑوں میں تھی گوشہ نشین ہو گیا۔

کشمیر کا راجہ اس کا مرید اور معتقد ہوا۔ اپنی بیٹی کو سید شاہ میر کی خدمت میں بھیجا۔ سید نے اس کو مسلمان کرکے نکاح کیا۔ اس سے ایک بیٹی اور ایک بیٹا پیدا ہوا۔ سید بیت اللہ چلا گیا۔ پھر اس کا پتہ نہ لگا کہ کیا ہوا۔ اسی پہاڑ میں اس کی اولاد کی پرورش میں راجہ نے بھی کوشش کی مسلمانوں نے اس کو پیوند نہ دیا۔

جب شاہجہاں نے راجہ سے اس کی لڑکی کی باج و خراج کے ساتھ درخواست کی تو اسی سید کی دختر کو پیش کر دیا اور بہت سے تحائف و ہدایا بطور جہیز پیش کیے۔ یہ لڑکی حسن صورت۔ حسن سیرت۔ ذکاوت اور ذہانت میں موصوف تھی۔ شاہجہاں نے معلم اور ادب دان مغلانیاں اس کے واسطے مقرر کیں اور زبان سے آشنا کیا۔ پھر شاہزادہ اورنگ زیب سے اس کا نکاح کر دیا نواب بائی بیگم اس کا خطاب ہوا۔ اس کے بطن سے شاہ عالم بہادر شاہ پیدا ہوا۔ بس اس صورت سے شاہ عالم کی سیادت ماں کی طرف سے ثابت ہوئی[3]

ربیع الاول ۱۱۲۱ھ میں بادشاہ نے شعیہ مذہب اختیار کر لیا۔ اس

---

[1] تاریخ ہندوستان سیر المتاخرین [2] تاریخ ہندوستان ص ۲۹ ج ۹ [3] تاریخ ہندوستان ص ۲۹ ج ۹

زمانہ میں بادشاہ لاہور میں قیام فرما تھا۔ جامع مسجد کے خطیب کو حکم دیا
کہ خطبہ میں علی ولی اللہ۔ وصی رسول اللہ کا اضافہ کریں۔ اور
شاہزادہ "عظیم الشان" کو خطیب کے ہمراہ جامع مسجد بھیجا تاکہ لوگ
کوئی گزند نہ پہونچا سکیں۔ مگر وہاں ایسا بلوہ ہوا کہ جامع مسجد ہی میں
خطیب کو دم شمشیر سے لقمۂ اجل بنا دیا گیا۔ اور پھر عام ناراضی سارے
شہر میں پیدا ہو گئی۔ اسی طرح احمد آباد میں ایک خطیب کو مار ڈالا۔
مصنف سیر المتاخرین اس واقعہ کو نقل فرما کر لکھتے ہیں۔

اعاظم مذہب حنفی دعوہا و ختمہا
برائے دفع بہادر شاہ و استمداد از ہر
بر و فاجر و مسلم و کافرے نمودند و بہادر شاہ
بدستور اصرار بر تکرار داشتہ در ترویج
و تقویت مذہب شیعہ میکوشید و مدتہا
دراز در مباحثہ با علماء باز بود۔

مذہب حنفی کے اکابر اور بزرگ بہادر
شاہ کی مصیبت کو رفع کرنے کے لئے
دعائیں مانگتے تھے اور ختم کراتے تھے۔
اور ہر نیک و بد مسلم و کافر سے امداد
طلب کرتے تھے اور بہادر شاہ اسی پر مصر تھا
اور مذہب شیعہ کی ترویج و تقویت میں
پوری کوشش کرتا تھا۔ عرصۂ دراز تک
علمائے کرام کے ساتھ بحث و مباحثہ کا
دروازہ کھلا رہا۔

حاجی یار محمد صاحب اور محمد مراد۔ اس گفتگو اور مناظرہ میں پیش پیش
تھے۔ ایک مرتبہ جب حاجی یار محمد بے باکانہ جواب دے رہا تھا۔ تو
بادشاہ نے کہا۔ تم۔ بادشاہوں کے غضب سے نہیں ڈرتے۔
حاجی یار محمد نے برجستہ جواب دیا کہ میں نے خدا سے چار چیزوں
کی دعا کی تھی تحصیل علم حفظ کلام اللہ۔ حج۔ شہادت۔ میں تین مرادوں

میں کامیاب ہو گیا۔ اُمید ہے کہ آپ کی توجہ سے چوتھی مراد میں بھی کامیاب ہو جاؤں گا۔

بہر حال اس وقت بلوہ فرد کرنے کے لئے تو یہ حکم دیدیا گیا تھا کہ عالمگیر کے زمانہ کی طرح خطبہ پڑھا جایا کرے [۱] مگر اس سے خاص کشاکش خود اراکین دولت میں پیدا ہو گئی۔ حاجی یار محمد صاحب اور دیگر علماء کو گوالیار اور دیگر مقامات کے جیل خانوں اور قلعوں میں بند کر دیا۔

اراکین دولت کے باہمی اختلافات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ شاہزادہ عظیم الشان اور خجستہ اختر جہاں شاہ دونوں ناراض تھے حتیٰ کہ خطیب کے قتل کو عظیم الشان کے ایما کا نتیجہ بتایا جاتا ہے۔ [۲]

بموجب روایت سیر المتاخرین اس کشاکش میں ایک مدت لگ گئی حتیٰ کہ تقریباً ۱۰ ماہ بعد ۱۴ محرم الحرام کو بادشاہ کے مزاج میں خلل واقع ہوا۔ حکم ہوا کہ شہر کے سارے کتے شہر سے باہر نکالدیئے جائیں۔ اس زمانہ کی خلقت یہ یقین کرتی تھی کہ علماء سنت کی بد دعا کے باعث بادشاہ کو جنون ہو گیا ہے [۳] کتوں نے بھی سمجھداری کا عجیب و غریب ثبوت دیا یعنی دن کو لاہور سے قطعاً ناپید رہتے اور جب رات کو لوگ سو جاتے تو شہر میں آموجود ہوتے اور اپنی خوراک حاصل کر لیتے۔

دوسرا حکم یہ ہوا کہ ہندو اپنی ڈاڑھی منڈائیں اور آئندہ کوئی ہندو ہرگز ڈاڑھی نہ رکھے۔ تیسرا کام اس نے اپنے آئین کے خلاف یہ کیا کہ علماء پر عتاب و غضب کیا اور جابجا محبوس کیا۔ پھر مزاج پر خفقان کا غلبہ ایسا ہوا کہ دار السلطنت لاہور میں ۱۹ محرم ۱۱۲۴ھ کو

---

[۱] تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۲۶۰ [۲] سیر المتاخرین ص ۵ [۳] تاریخ ہندوستان ص ۲ ج ۱۰

جہانِ فانی سے رخصت ہو گیا۔ [1]

## تبصرہ اور زوال کا پہلا اور بنیادی سبب

حقیقت یہ ہے کہ چونکہ ہمایوں نے شاہ طہماسپ صفوی شاہ ایران سے فوج لے کر دوبارہ ہندوستان کا تخت حاصل کیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ وزارت پر عموماً شیعوں کا قبضہ رہا۔ اور چونکہ۔ شاہ طہماسپ کا۔ زمانہ شیعہ سنی کے شدید تعصب کا دور تھا۔ ترکوں سے اسی زمانہ میں شیعہ سنی کے مسئلہ پر ایرانیوں کی جنگ جاری تھی۔ عراق وغیرہ ملحقہ صوبے دونوں حکومتوں کے جنگ کا میدان بنے ہوئے تھے۔ لہذا اقرینِ قیاس ہے کہ فوجی امداد دیتے وقت وزارت کے متعلق کوئی باہمی معاہدہ بھی ہو گیا ہو۔ بہرحال وزارت میں اگرچہ شیعہ نمایاں رہے مگر اس قسم کی کشاکش اب تک پیدا نہیں ہوئی تھی۔ شاہ عالم کا دورِ حکومت اس کشاکش کا آغاز ہے جس کا انجام سلطنت مغلیہ کی بربادی پر ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ زوال دولت مغلیہ کا سب سے پہلا اور بنیادی سبب ہے، جو شاہ عالم کے دور میں پہلی مرتبہ ابھر کر سامنے آیا۔ بیشک اس چند سال کے دورِ حکومت میں مرہٹوں۔ سکھوں اور راجپوتوں کی طرف سے بھی انحراف اور سرکشی کی صورتیں سامنے آئیں۔ مگر جہاں تک مرہٹوں کا تعلق ہے اس وقت تک ان کی حیثیت سرحد کے لٹیروں سے زیادہ نہ تھی۔ سکھوں نے اگرچہ اپنے فقیرانہ مسلک کو چھوڑ کر حکومت اور سلطنت کی طرف قدم بڑھانا شروع کر دیا تھا۔ مگر وہ بھی ابھی پہاڑی اور سرحدی باغیوں سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتے تھے۔ چنانچہ

---

[1] تاریخ ہندوستان ص۳۴۳

شاہ عالم کے زمانہ ہی میں ان کو بھی منتشر کردیا گیا تھا یہاں تک کہ سردار بابا بندہ۔ اپنے مرکز کو چھوڑ کر کوہستان میں جا چھپے تھے۔ راجپوتوں نے بھی اگرچہ کچھ بغاوت کی تھی۔ مگر وہ بغاوت ایسی تھی جس کی عادت۔ ہندوستانیوں کو ہمیشہ سے رہی ہے۔ اس زمانہ کا دستور ہی کچھ ایسا ہوگیا تھا کہ جب کسی کو کوئی جاگیر لینی ہوتی تھی تو کچھ سوار پیادے فراہم کرکے ـــــ بغاوت کرنے لگ جاتا تھا پھر جب وہ گرفتار ہوکر آتا تھا تو بہت ہی کم ایسا ہوتا تھا کہ قتل کیا جائے یا کوئی سزا ملے۔ ورنہ عموماً یہی ہوتا تھا کہ اس نے تقصیر کی معافی چاہی۔ اور بادشاہ نے معاف فرما کر اس کو کچھ جاگیر دیدی۔ اب وہ منصب دار بن گیا۔ اُس سے زیادہ اگر جاگیر حاصل کرنی ہوئی تو پھر بغاوت کردی۔ گویا ترقی کیلئے ایک کوشش کی شکل ہی یہ تھی۔ یا یہ کہیئے کہ بادشاہ کی جانب سے منصب ہی اس کو ملتا تھا جس سے اس قسم کی جرأت ظاہر ہو چکی ہو۔ اس جرم کے مرتکب صرف ہندو نہ تھے۔ بلکہ عام طور پر مسلمان بھی اسی کے عادی تھے۔ شاہزدگان تک ایسا ہی کرتے تھے۔ چنانچہ آپ تاریخ میں ہی دیکھیں گے کہ ہر شاہزادہ نے اپنے باپ کے زمانہ میں بغاوت کی۔

تاریخ ہندوستان کی چند سطریں تصدیق کے طور پر درج کی جاتی ہیں۔

اورنگ زیب کی مدبرانہ حکمت یہ تھی کہ نہ بیٹوں پر بہت مہربانی کرتا تھا۔ اور سلطنت کے بڑے بڑے معاملات ان کے سپرد کرتا تھا۔ اُس کے بیٹے بادشاہی حاصل کرنے کے لئے اولوالعزمی کرتے تھے۔ اس کا علاج اورنگ زیب نے یہ نکالا تھا کہ ان ہی گھروں میں ان کا دشمن پیدا کردیا تھا۔ بیدار بخت۔ اپنے باپ اعظم شاہ۔ پسر اورنگ زیب کا

رقیب اور عظیم الشان اپنے باپ شاہ عالم کا حریف تھا جس کو اورنگ زیب نے تین صوبے۔ بنگال۔ وبہار واڑیسہ کا صوبہ دار مقرر کیا تھا۔"
حقیقت یہ ہے کہ جب بادشاہت کا مدار تلوار کی قوت اور اپنی ذاتی عقل پر تھا تو لامحالہ یہ ضروری تھا کہ حصول سلطنت اور پھر حکومت کرنے کا عادی لڑکپن سے بنایا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ اُس زمانہ میں صوبہ داری یا کسی جاگیر دیئے جانے کے معنے بھی یہی ہوتے تھے کہ بادشاہ کی جانب سے اجازت مل جاتی تھی کہ اس رقبہ کو تم قوت بازو سے حاصل کر لو۔ چنانچہ گورنر اپنی فوج لیکر جاتا اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ سابق گورنر آسانی سے جگہ خالی کر دیتا۔ عموماً جنگ ہوتی تھی ۔ البتہ چونکہ اس کی پشت پر بادشاہی امداد ہوتی تھی لہٰذا عموماً وہی کامیاب ہوتا تھا۔

جاٹوں کا خاندان جس نے اس آخری عہد میں فروغ پایا اور جس کی یادگار ریاست بھرت پور ہے، اس کی ابتدا کے متعلق صاحب عماد السعادت لکھتا ہے کہ:۔

سورج مل ایک چھوٹا سا زمیندار تھا جس کی آمدنی آٹھ نو ہزار روپیہ سالانہ ہوگی۔ اس کے بیٹے "چورامن" نے چند گھوڑیاں خرید لیں اپنے رشتہ داروں میں سے چند نوجوانوں کو ساتھ ملایا۔ اور لوٹ مار شروع کر دی۔ جب کچھ روپیہ جمع ہو گیا تو اور سپاہی نوکر رکھ لئے۔ ایک قلعہ بنا لیا۔ ایک اچھا لشکر اُس کے پاس ہو گیا تو اُس نے حضرت عالمگیرؒ کے لشکر پر بھی چھاپہ مارنا شروع کر دیا۔ مصنف موصوف تحریر کرتا ہے:۔

چون تدبیر دفع او منافی ہمت شاہانہ نبود زیرا کہ سلیمان را در فکر پامالی مور افتادن پستی پایہ اوست لہذا حضرت خدیو آفاق عہد نامہ بدیں مضمون کہ در قلعہ خود نشستہ بار دگر متعرض حال قوافل نخواہد شد۔ نوسایند چند پرگنہ بجمع بست پنج لکھ روپیہ دیک قلعہ بچرت لور بدو انعام فرمودند پس چورا من بطمانیت تمام در قلعہ خود آمدہ نشست ودر ہزار یک صد و ۲۱ بست ویک درگذشت [۱]

چونکہ اس کے مدافعت کے متعلق خود فکر کرنا اور اس الجھن میں پڑنا ہمت شاہانہ کے منافی تھا کیونکہ ایک چیونٹی کے پامال کرنے کے لئے سلیمان کو سوچ وچار کرنا مرتبہ سلیمان کے لئے پستی ہے۔ لہذا حضرت شاہ آفاق نے اس مضمون کا ایک عہد نامہ لکھ کر اس کو مرحمت فرمایا کہ اپنے قلعہ میں رہ کر پھر کبھی قافلوں کو پریشان نہ کریگا۔ اور چند پرگنے جنکی مالگذاری ۲۵ لاکھ روپیہ تھی اس کو بطور انعام عطا فرما دیئے۔

چنانچہ چورامن اطمینان سے اپنے قلعہ میں آکر رہنے لگا۔ اور ۱۱۲۱ھ میں اس نے انتقال کیا۔

بہرحال اس قسم کی سرکشیاں جو شاہ عالم کے زمانہ میں راجپوتوں یا سکھوں کی جانب سے ہوئیں کسی طرح بھی یہ حیثیت نہ رکھتی تھیں کہ وہ مغلیہ سلطنت کو برباد کردیتیں اور نہ وہ برباد کرسکیں۔ بربادی کا سبب یہی منافقات حرص و طمع اور غداری ہوئی جس کی تفصیل آئندہ پیش کی جائے گی۔ انشاء اللہ

شاہ عالم کے زمانہ میں دستور حکومت میں ایک خاص تبدیلی ہوئی جو بظاہر بہت اچھی تھی مگر درحقیقت سلطنت مغلیہ کی بربادی کا سب سے بڑا سبب ثابت ہوئی۔ یہ تو معلوم ہے کہ ہندوستان میں گورنروں اور عمال حکومت کو نقد تنخواہ دیئے جانیکا طریقہ انگریزی زمانہ ہی میں رائج ہوا ہے۔ اس سے پیشتر تنخواہ کے بجائے جاگیریں دیدی جاتی تھیں۔ جاگیر کے ساتھ ان کو یہ بھی

---

[۱] عماد السعادت صفحہ ۵۵۔

اختیار دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے ساتھ اتنی فوج رکھ سکتے ہیں۔ ہفت ہزاری،
پنج ہزاری وغیرہ کے منصب یہی معنے رکھتے تھے۔ اس صورت سے وہ
گویا اس صوبہ کا خودمختار نواب بنا دیا جاتا تھا۔ پھر وہ اپنے ماتحتوں
کو اسی ترتیب سے عہدے تقسیم کیا کرتا تھا۔ جو زمیندار کہلاتے تھے لیکن
سلاطین مغلیہ کا طریقہ خصوصیت سے یہی رہا کہ جب کوئی گورنر مر جاتا تھا
تو اس کی جاگیر ضبط ہو جاتی تھی جیسا کہ آجکل جب کوئی ملازم مر جاتا ہے،
تو اس کی تنخواہ پنشن وغیرہ سب بند ہو جاتی ہے۔ یہ طریقہ شاہی ملازمان
کے لئے انصاف کے مطابق تھا۔ اس کے دو فائدے بہت بڑے تھے
اول یہ کہ جب وہ منصبدار یہ یقین کرتا تھا میری تمام جائیداد جو زمانہ
ملازمت میں حاصل کی ہے مرنے کے بعد ضبط ہو جائے گی تو وہ بیجا لوٹ
کھسوٹ ہرگز نہ کرتا تھا۔ بلکہ صرف اسی قدر وصول کرتا جو اس کی ضروریات
کے لئے کافی ہو۔ اور مرکزی خزانہ کی واجب رقم ادا کر دی جائے۔
دوسرا فائدہ یہ تھا کہ وہ اپنی اولاد کو لائق فائق بنانے کی کوشش
کرتا تھا کیونکہ اس کو یقین رہتا تھا کہ میری جاگیر میں سے ان کا کوئی حصہ
نہیں۔ ہاں اگر یہ لائق ہوں گے تو میری طرح انعامات خسروانہ کے مستحق
ہو جائیں گے۔ مگر یہ ضرور تھا کہ اپنی تمام جاگیروں کی ضبطی اس کے طبعی
بخل کے لئے یقیناً ایک ناگوار چیز تھی۔ چنانچہ اس دستور کے خلاف شکایتیں
شروع ہوئیں۔ شاہ عالم بہادر شاہ کا دور ایسا آیا کہ بادشاہ کے بجائے
وزراء اور امراء کا اقتدار شروع ہوا۔ انھوں نے سب سے پہلے اس
دستور کو منسوخ کیا۔ اب جو بھی گورنر یا منصبدار مقرر ہوا وہ گویا اس
جاگیر کا مالک ہو گیا۔ جس کے بعد اس کی اولاد نسلاً بعد نسل اس جاگیر پر

قابض رہے گی خواہ وہ اہل ہو یا نہ ہو۔ اور خواہ مرکزی حکومت کی وفادار رہے یا باغی بن جائے۔ جب تک عالمگیری عہد کے امراء اور اراکین دولت باقی رہے اس وقت تک مرکز سے وفاداری کا ایک جذبہ باقی رہا لیکن اُس کے بعد جیسے جیسے دربار کی حالت خراب ہوتی رہی ان صوبہ داروں نے اپنے استقلال کی فکر شروع کر دی۔ لیکن چونکہ وہ تن تنہا مخالف طاقتوں کے مقابلہ کی طاقت نہ رکھتے تھے تو لامحالہ انھوں نے مرہٹہ یا انگریزی طاقتوں کی پناہ لینی شروع کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ تمام حکومت اس پناہ جوئی میں ختم کر کے اپنی اولاد کو انگریز کا غلام بنا گئی۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

## شاہ عالم کے جانشین اور معزالدین جہاندار شاہ کی سلطنت

شاہ عالم کے چار بیٹے تھے معزالدین جہاندار شاہ سب میں بڑا تھا وہ خفیف العقل اور عیش پرست تھا۔ سلطنت کے کاموں کے کرنے میں اپنے اوپر تکلیف نہیں گوارا کرتا تھا۔ اور نہ کسی امیر کو اپنا یار مددگار۔ اور خیر خواہ بنانے کی پرواہ کرتا تھا۔

اُس سے چھوٹا۔ عظیم الشان تھا۔ وہ مدبر اور خلیق تھا اور لوگوں کا دل اُس کی طرف کھنچتا تھا۔

تیسرا بیٹا۔ رفیع الشان وہ عالم تھا مگر عیش پرست۔ موسیقی کا شوقین۔ امور سلطنت سے غافل۔

چوتھا بیٹا۔ خجستہ اختر جہان شاہ۔ وہ سمجھدار۔ مستعد تھا

چنانچہ کاروبارِ سلطنت میں بہت دخیل تھا۔ اولاً چاروں بھائیوں میں
تقسیم ملک کی کچھ گفتگو رہی۔ پہلے یہ قرار پایا کہ دکن جہان شاہ کو ملے۔
ملتان ٹھٹھہ کشمیر رفیع الشان کو دیا جائے۔ اور باقی اور صوبے
ہندوستان کے عظیم الشان اور جہاندار شاہ کے درمیان تقسیم
ہوں مگر خزانہ تقسیم نہ ہو مگر بات نہ بنی۔ نزاع شروع ہوا تین بھائی
قتل ہوئے۔ اور صرف معزالدین جہاں دار شاہ باقی رہ گیا۔
معزالدین ۳۰ محرم ۱۱۲۴ھ کو بھائیوں سے فارغ ہو کر باون برس
کی عمر میں تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اور جہاں دار شاہ اپنا خطاب رکھا
بھائیوں کی اولاد میں سے جو زندہ رہ گئے تھے اور گرفتار ہو سکے اُن
کو شاہجہان آباد کے قلعہ میں نظر بند کر دیا۔ آصف الدولہ اسد خاں بہادر
کو وکالت کے عہدے پر اور اُس کے بیٹے ذوالفقار خاں کو وزارت
کے عہدے پر سرفراز کیا اور بقول مصنف تاریخ ہندوستان وجہ
اس کی یہ تھی کہ ذوالفقار خاں دانشمند فطرتی تھا۔ اور سازشوں
اور جوڑ توڑ کرنے کا استاد تھا۔ وہ اول ہی سے جہاں دار شاہ کے
ساتھ ساری مہمات میں اس لئے شریک ہوتا تھا کہ وہ سب شاہزادوں
میں زیادہ بے ثروت اور احمق تھا سلطنت کی قابلیت نہیں رکھتا تھا
ذوالفقار خاں سمجھتا تھا کہ معزالدین میرے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنا رہے گا
جو ناچ نچاؤں گا ناچے گا۔ چنانچہ سارا اختیار سلطنت ذوالفقار خاں
کے ہاتھ میں تھا۔ اور بادشاہ کی حقیقت نظر میں نہ لاتا تھا۔[1]
اب اس دورِ حکومت کی برکات ملاحظہ فرمائیے مورخ کی شہادت ہے کہ

---

[1] تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۱۰۶

جہاں دار شاہ کے عہد ناپائیدار میں فسق و فجور کی بنیاد پوری مستحکم ہو گئی۔ قوالوں اور کلاونتوں اور ڈوم ڈھاریوں کے گانے اور راگ کا بازار گرم ہوا۔ قریب تھا کہ قاضی قرابہ کش اور مفتی پیالہ نوش ہو۔ بااین ہمہ اگر وہ ذوالفقار خاں کی رائے پر چلتا تو وہ مصائب نہ دیکھتا جو اسکو پیش آئے۔ مگر جب جہاں دار شاہ نے اپنا نرالا رنگ اختیار کیا تو ذوالفقار خاں بھی بے رنگ ہو گئے اور حالت یہ ہوئی کہ ایک کسبی لال کنور تھی۔ بادشاہ اس کے عشق میں مرتا تھا۔ اب اس کو امتیاز محل کا خطاب دیا۔ شاہانہ سواری کا سامان عنایت ہوا۔ لال کنور کے سگے بھائی خوش حال خاں صوبیداری اکبر آباد۔ اور منصب پنجہزاری سہ ہزار سوار مرحمت ہوا۔ اور اس کے چچیرے بھائی نعمت خاں کو اسی قسم کا بلند منصب عطا ہوا۔ ذوالفقار خاں نے ان خطابوں کے اسناد اور فرمان عمداً چند روز نہ لکھے۔ تو بادشاہ کی خدمت میں لال کنور نے ذوالفقار خاں کی شکایت کی جہاندار شاہ نے ذوالفقار خاں سے سبب پوچھا۔ بادشاہ کی خدمت میں ذوالفقار خاں گستاخ تھا اُس نے جواب دیا کہ ہم خانہ زاد رشوت ستان ہیں رشوت لئے بغیر ہم کسی کا کام نہیں کرتے۔ جہاں دار شاہ نے مسکرا کر پوچھا کہ لال کنور سے کیا رشوت لوگے۔ تو ذوالفقار خاں نے عرض کیا۔

(ہزار طنبورے جن پر استادوں کی نقاشی کا کام ہو)

بادشاہ نے کہا طنبورے کیا کروگے۔ ذوالفقار خاں نے کہا جب قوال صوبہ داری کا کام کریں تو ہم خانہ زاد بیٹھے کیا کرینگے۔ طنبورے اور ڈھول ہی بجایا کریں گے۔ بادشاہ نے ہنس کر اپنا

حکم منسوخ کیا۔

عجیب عجیب حکایتیں مشہور ہیں۔ معلوم نہیں سچ یا جھوٹ۔ ایک کنجڑن کا اقبال چمکا۔ وہ لال کنور کی دوگانہ مشہور تھی نام زہرہ تھا۔ اس کی سواری میں سوار اور پیادے چلنے لگے۔

اس بادشاہ کی ایک اور حکایت شہر بشہر نقل مجلس ہوئی کہ بادشاہ، اکثر اوقات اپنی معشوقہ ہمدم کے ساتھ رات کو رتھ میں سوار ہوتا، چند خواصوں کو لے کر سیر و تفریح کے لئے بازار اور خرابات خانوں میں تشریف لے جاتا۔ ایک رات کو دونوں ہمدم جانی سوار ہوئے۔ اور دونوں نے اس قدر شراب پی کر دونوں بد مست ہو کر دولت خانہ بادشاہی کے دروازے پر آئے۔ لال کنور ایسی ہوش باختہ تھی کہ اُترنے کے وقت اصلاً بادشاہ کی طرف متوجہ نہ ہوئی بے ہوش اپنے بستر پر چلی گئی۔ شراب کے نشہ میں سو گئی۔ بادشاہ کو بھی اپنے حال کی خبر نہ تھی۔ بے ہوش رتھ میں پڑا رہا۔ رتھ بان رتھ کو رتھ خانے میں لے گیا[1] اور اس کو کھول دیا۔ صبح کو جب بادشاہ کے خواصوں نے لال کنور کے پاس بادشاہ کو نہ دیکھا اور لال کنور کو خبر ہوئی کہ بادشاہ لاپتہ ہے تو وہ بڑی سراسیمہ ہوئی۔ رونے بیٹھ گئی۔ بادشاہ کی ڈھونڈیا مچی۔ تو بادشاہ سلامت رتھ میں ملے (انا للہ و انا الیہ راجعون) اس قسم کے اور بہت سے افعال ہیں جن کو لکھنے کے لئے تہذیب اور حیا سے عاری ہونا ضروری ہے۔[2]

---

(۱۱) [1] سردیوں کا موسم ہوگا۔ رتھ کے پردے چھوٹے ہوئے ہوں گے گاڑی بان نے نیند کے غلبہ میں پردہ ہٹا کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی [2] تاریخ ہندوستان صفحہ ۹۰۔

بہر حال اس آشفتہ حالی کا نتیجہ یہ تھا کہ امراء دولت بھی تنگ آئے اور چند ماہ بعد ہی انقلاب کی سازش شروع ہو گئی۔ چنانچہ غلام حسین طباطبائی لکھتے ہیں:-

چون از اوضاع زشت معز الدین اکثر امراء و عموم خلق خدا خصوص امرائے تورانیہ متنفر و منزجر بودند نوشتہائے اکثر متضمن آمیزش بہ لشکر فرخ سیر رسید

چونکہ معز الدین کی بد اطواری سے اکثر ارا کین حکومت، عام خلق خدا خصوصاً تورانی امراء متنفر اور تنگ دل تھے تو بہت سی تحریریں جن میں سازش کی تحریک تھی، فرخ سیر کے لشکر میں پہونچیں۔

## معز الدین جہاں دار شاہ کی معزولی اور موت

آپ پہلے مطالعہ کر چکے ہیں کہ شاہ عالم بہادر شاہ کے دوسرے بیٹے یعنی معز الدین جہاں دار شاہ کے چھوٹے بھائی کا نام عظیم الشان تھا۔ فرخ سیر۔ اسی عظیم الشان کا بیٹا ہے جو دادا کے زمانہ سے بنگال کی گورنری پر فائز چلا آ رہا تھا بہار اور اڑیسہ سے بھی اس کو تعلق رہتا تھا۔

اسی زمانہ میں بارہ کے سادات میں سے ایک ہونہار سید حسین علی خاں جو شاہزادہ عظیم الشان کی طرف سے نائب تھا ملک میں بہت اچھا رسوخ حاصل کئے ہوئے تھا۔

سید حسین علی خاں کا حقیقی بھائی سید عبد اللہ خاں الہ آباد میں مستقل صوبہ دار تھا۔

اس صورت سے صوبہ الہ آباد سے ختم بنگال تک ان تین گورنروں

کا قبضہ تھا۔

خبر ہونچی کہ عظیم الشان، رفیع الشان، جہاں شاہ۔ قتل کر دیئے گئے۔ جہاں دار شاہ معزالدین تخت نشیں ہوا۔ فرخ سیر کو اپنے باپ اور چچا کے قتل کا رنج ہونا تھا۔ ہوا۔

فرخ سیر کی ماں بھی اس کے پاس ہی تھی۔ اس فرط غم میں چچا سے انتقام کی سوجھی یا واقعی سلطنت کا شوق ہوا کہ ایک سازش شروع ہو گئی۔ فرخ سیر اور اس کی ماں نے سید حسین علی خاں سے ساز باز شروع کر دی اور حسین علی خاں نے اپنے بھائی عبداللہ خاں کو ہموار کرنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سازش کے جملہ مراحل طے ہو گئے اور پھر سفر کے مراحل بھی طے کرنے کے بعد شاہزادہ برادر سیدوں کے ساتھ چچا کے مقابلہ پر آموجود ہوا۔

جہاندار شاہ نے دہلی سے حرکت کر کے اکبر آباد کا رخ کیا۔ میدان جنگ گرم ہوا۔ بادشاہ اپنی بازاری محبوبہ بمعیت قلب فوج میں رونق افروز ہوا لیکن سید حسین علی خاں کی فوج نے دھوکا دیکر عقب کی جانب سے کچھ اس طرح حملہ کیا کہ لال کنور اور نغمہ سرائیوں اور خواجہ سراؤں کی سواری کے ہاتھی تیروں کی بارش سے گھبرا کر اپنی جگہ خالی کر گئے۔ جہاں دار شاہ دشمن کی طرف متوجہ ہونا چاہتا تھا کہ اس کا ہاتھی بھی اور ہاتھیوں کی طرح شوخی کرنے لگا۔ اور فیل بانوں کے اختیار میں نہ رہا مختصر یہ کہ بادشاہ کا حال ایسا تنگ ہوا کہ لال کنور کی سواری کے ہاتھی پر جا بیٹھا۔ اور شام کے وقت آگرہ چلا گیا۔ ایک پہر رات تک ذوالفقار خاں دشمن سے لڑتا رہا مگر بادشاہ غائب تھا جس کے باعث

ذوالفقار خاں پریشان تھا۔ بادشاہ اور اس کے بیٹے اعزالدین کی جستجو میں ذوالفقار خاں نے آدمی دوڑائے کہ مل جائیں تو سامنے لائیں تاکہ فوج اپنی جگہ جمی رہے۔ خبر لانے والوں کے لئے انعام بھی مقرر کر دیا۔ مگر بادشاہ یا شاہزادہ کا کہیں پتہ نہ چلا۔

دوسری طرف سے ذوالفقار خاں کے پاس پیغام بھیجا گیا کہ جب بادشاہ ہی فرار ہو گیا تو آپ کو جنگ سے کیا فائدہ۔

بہر حال رات کو ذوالفقار خاں بھی میدان خالی کر کے دہلی کی طرف روانہ ہو گیا۔ فرخ سیر کے لشکر میں فتح کی نوبت بجنے لگی۔

جہاں دار شاہ رات کو آگرہ میں رہا۔ اور پھر ڈاڑھی مونچھ منڈوا کر اور بھیس بدل کر اپنی محبوبہ ہمدم کے ساتھ نکلا اور دہلی پہونچا۔

ذوالفقار خاں کا ارادہ اب بھی مقابلہ کا تھا۔ مگر اس کے باپ آصف الدولہ اسد خاں نے کہا کہ:-

| | |
|---|---|
| ازنسل بادشاہ عالمگیر بادشاہے مے باید | بادشاہ عالمگیر کی نسل سے کوئی بادشاہ |
| معزالدین نہ باشد فرخ سیر باشد[۱] | ہونا چاہئے معزالدین نہ ہو فرخ سیر ہو۔ |

بہر حال فرخ سیر نے فاتح اور منصور ہو کر ۱۴ محرم ۱۱۲۴ھ کو بارہ پلہ پر جو دارالخلافہ سے متصل ہے نزول اجلال فرمایا۔ اور ۱۷ محرم کو قلعہ اور شہر میں داخل ہوا۔[۲] آصف الدولہ۔ اور ذوالفقار خاں نے بارہ پلہ پر خیمہ لگایا۔ اور بادشاہ کی ملازمت کا ارادہ کیا۔

---

[۱] سیر المتاخرین صفحہ ۱۲ پر یہ مضمون ہے الفاظ میں اختصار کر دیا ہے۔ اس سے عالمگیر کی عام مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے ۱۲۔ [۲] سیر المتاخرین تاریخ ہندوستان وغیرہ۔

## قتل و سزائیں اور وزارتوں کی تقسیم

اس انقلاب میں فریقین کے امراء اور وزراء شیعہ ہی تھے۔ ذوالفقار خاں اور آصف الدولہ۔ ایک طرف تھے اور حسین علی خاں۔ عبداللہ خاں جدید انقلاب کے ہیرو تھے اور آئندہ کے لئے وزارت اور امیرالامراء کے آرزومند۔ اس موقعہ پر بہت آسان تھا کہ یہی چاروں مل کر کسی شیعہ کو بادشاہ منتخب کر لیتے۔ مگر بظاہر ملک اس کے لئے تیار نہ تھا۔ چنانچہ آئندہ کے واقعات سے اس پر روشنی پڑے گی۔ اور مذکورہ بالا عبارت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔

علاوہ ازیں دوسرے وزراء اور خود بادشاہ کو اس کا خیال ضرور تھا کہ یہ چاروں وزراء اگر مل جائیں تو پھر عاقبت خراب ہے۔ سید حسین علی خاں نے ذوالفقار خاں کو کہلا بھیجا تھا کہ اگر میرے توسط سے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو تو تمہارا بال بیکا نہ ہوگا۔ مگر بقول صاحب سیر المتاخرین۔ میر جملہ کو اپنے وقار کی فکر پڑی۔ اس نے بادشاہ کے کان بھر دیئے اور چالاکی یہ کی کہ تقرب خاں کو جو ایرانی ہونے کی وجہ سے ذوالفقار خاں کا ہم جنس تھا ذوالفقار خاں کے پاس بھیجا کہ اس کو تسلی دے۔ قرابت خاں نے حلف کے ساتھ ذوالفقار خاں کو یقین دلایا کہ حسین علی خاں کے ذریعہ سے بادشاہ سے ملاقات کرنے میں ندامت اور جانی و مالی نقصان کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ بادشاہ کا دل حسین علی خاں وغیرہ سادات بارہہ سے صاف نہیں۔ آپ بذات خود صاحب تجربہ، ہوشیار، قابل قدر وزیر ہیں۔ آپ خود

بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوجیے۔ عفو تقصیر کے بعد آپ ہی ہر چیز کے مالک ہوں گے۔ بادشاہ کو بذات خود آپ سے بہت کچھ توقعات ہیں۔ حسین علی خاں کے ذریعہ سے خدمت میں حاضری ہوئی تو آپ حسین علی خاں کے دست نگر رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔

بہرحال اس قسم کی باتیں یہاں تک بنائی گئیں کہ آصف الدولہ کو اطمینان ہو گیا۔ ذوالفقار خاں کو اگرچہ کچھ دغدغہ باقی تھا مگر باپ نے اس کو بھی مجبور کیا۔ بہرحال میر جملہ اُس زمانہ کے طرز کے بموجب آصف الدولہ اور ذوالفقار خاں کے ہاتھ باندھکر بادشاہ کی خدمت میں لایا۔ آصف الدولہ نے عفو تقصیرات اور معذرت کے طور پر کچھ جملے عرض کیے۔ بادشاہ بظاہر بہت تپاک سے ملا۔ اور مہربانی فرماکر اُن کے ہاتھ کھلوادیئے۔ مگر اس کے بعد آصف الدولہ کو اجازت دی کہ وہ باہر تشریف لے جائیں۔ ذوالفقار خاں کو حکم دیا کہ تھوڑی دیر کیلئے باہر کے خیمہ میں بیٹھیں اُن سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

آصف الدولہ فوراً کھٹکا مگر اب چارہ بھی کیا تھا۔ گریہ وزاری کرتا ہوا واپس ہوا۔ ذوالفقار خاں خیمہ میں جاکر متردد بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے خدام کے ذریعہ ذوالفقار خاں سے اپنے باپ عظیم الشان کے خون کا مطالبہ کیا۔ ذوالفقار خاں نے اول معذرت کی اور عفو تقصیر کی درخواست کی مگر جب دیکھا کہ بادشاہ کی نیت خراب ہے تو بقول ہر کہ دست از جان بشوید۔ ہر چہ در دل آید بگوید۔ جو دل میں آیا کہا۔ اسی اثنا میں لاچین قلمقاق نے غفلت میں پیچھے سے آکر ذوالفقار خاں کی گردن میں تسمہ ڈال کر کھینچا اور نوکر چاکر لپٹ گئے

غریب ذوالفقار خاں کی بڑی گت بنائی حتیٰ کہ چھریوں اور خنجر سے اس غریب کا کام تمام کیا۔ باپ نے بیٹے کے قتل پر یہ تاریخ کہی
ہاتف شام غریباں بادو چشم خوں فشاں ۔ گفت ابراہیم اسمٰعیل را قربان نمود [۱۱۲۵]

اسد خاں کا نام ابراہیم اور ذوالفقار خاں کا نام اسمٰعیل تھا۔[1]

اسی روز قلعہ میں جاکر جہاندار شاہ کو جو تر پولیہ میں تنگ اور تاریک جگہ میں مقید تھا قتل کرا دیا۔

فرخ سیر ۱۷ محرم ۱۱۲۵ھ کو شہر اور قلعہ میں داخل ہوا حکم دیا کہ جہاں دار شاہ کے سر کو نیزے پر لگا کر ہاتھی پر کھڑا کیا جائے، لاش کو حوضہ میں ڈال دیا جائے۔ اور ذوالفقار خاں کی لاش کو ہاتھی کی دم کے پاس الٹا لٹکایا جائے۔ اس طرح شہر میں گشت کرائی جائے۔ اور آصف الدولہ کو پالکی میں ڈالکر زنانہ سواریوں سمیت ہاتھی کے پیچھے پیچھے شہر میں گھمایا جائے۔ اور جب یہ جلوس ختم ہو جائے تو لاشوں کو قلعہ کے دروازہ کے سامنے ڈال دیا جائے اور آصف الدولہ اور زنانہ سواریوں کو خان جہاں خاں کی حویلی میں محبوس کر دیا جائے ان باپ بیٹوں اور کوکلتاش اور راجہ سبھا چند کا تمام مال اور اسباب ضبط کر لیا جائے۔ چنانچہ ان غریبوں کے پاس بدن کے کپڑوں کے سوا کچھ نہ چھوڑا گیا۔

راجہ سبھا چند ذوالفقار خاں کا دیوان تھا۔ اس نے کچھ زبان درازی کی تو اس کی زبان کٹوا دی گئی۔ وہ کٹی ہوئی زبان سے بھی باتیں کر لیا کرتا تھا۔

---

[1] سیر المتاخرین صفحہ ۱۴

یہ تھا انجام اس کا جو جہاندار شاہ نے ذوالفقار خاں کی امداد سے عظیم الشان اور اپنے دوسرے بھائی بھتیجوں کے ساتھ کیا تھا۔ از مکافاتِ عمل غافل مشو۔ گندم از گندم بروید جو ز جو۔

اس کے بعد معز الدین جہاندار شاہ کے بیٹے اعز الدین۔ اور عالی تبار پسر اعظم شاہ۔ یعنی اپنے بھتیجوں اور اپنے چھوٹے بھائی ہمایوں بخت کی آنکھوں میں سلائی ڈلوا کر اندھا کرا دیا۔ ہمایوں بخت کی عمر اس وقت تقریباً ۱۲ سال تھی۔ اسی طرح دیگر امرا دولت کو بھی قتل اور تباہ کیا حتیٰ کہ لاچین بیگ مخاطب بہ بہادر دل کا نام تسمہ کش مشہور ہو گیا تھا۔ نہ کوئی قصور ہوتا نہ اس کا کوئی ثبوت مگر تسمہ گلے کا ہار بنجاتا۔

اے برادر مادرِ دہر از خورد خونت گریخ ٭ چوں ترا خون برادر ہو شیر مادر ست

مصنف سیر المتاخرین۔ د تاریخ ہندوستان وغیرہ لکھتے ہیں کہ

خوف ہلاکت ہر یکے را بحدے رسیدہ بود کہ وقت آمدن بدربار مردم از عیال و اطفال عفو تقصیر خواستہ مترصد قتل خود مے آمدند و بعد رسیدن در خانہ خود بعافیت نذر و صدقات بفقرار و مساکین میرسانیدند۔[۱]

یعنی ہر شخص کو ہلاکت کا خوف یہاں تک پیدا ہو گیا تھا کہ جب گھر سے بادشاہ کے مجرے کو آتے تھے تو بال بچوں کو خدا حافظ کہکر اور کہا سُنا معاف کرا کر آتے تھے۔ اور جب عافیت سے واپس پہنچتے تو فقرا اور مساکین کو خیرات کیا کرتے تھے۔

بہرحال اس جبار حکومت کا قیام ہوا جس میں علی خاں کو امیر الامرا کا

---

[۱] سیر المتاخرین صہ۳

عہدہ امام الملک کا خطاب بخشی گری اول کا مرتبہ اور منصب ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار بخشا گیا۔ عبداللہ خاں کو خلیب الملک کا خطاب عنایت ہوا اور منصب مذکور مرحمت ہوا۔ اور وزارت عظمے کا قلمدان تفویض ہوا

محمد امین خاں کو بخشی گری دوم کا مرتبہ عنایت ہوا۔ ہزاری منصب ہزار سوار اور اعتماد الدولہ کا خطاب ارزانی ہوا۔

چین قلیچ خاں کو جو پنج ہزاری منصب رکھتا تھا۔ ہفت ہزار سوار کا عہدہ بخشا گیا۔ اور ذوالفقار خاں کے نائب داؤد خاں کی جگہ۔ دکن کی نظامت ان کے سپرد ہوئی اور نظام الملک کا خطاب ملا۔ اور قاضی عبیداللہ تورانی کو خانخانان میر جملہ کا خطاب عنایت ہوا۔ ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کے منصب پر سرفراز فرمایا۔ اور بظاہر اگرچہ داروغگی خواص اور ڈاک خاص کی خدمت سپرد تھی۔ مگر درحقیقت اپنا ہمدم اور محرم راز بنا کر دستخط خاص کا اختیار اس کے سپرد ہوا تھا۔

قاضی صاحب موصوف، جہانگیر نگر ڈھاکہ کے قاضی تھے۔ مگر آپ نے اس انقلاب میں بہت کام کیا تھا۔ تورانی امراء کو ہموار کرنے اور اس قسم کے دوسرے کاموں کے لئے فرخ سیر نے روانگی بنگالہ سے پیشتر ان کو روانہ کر دیا تھا۔

اس قسم کے منصب دوسرے حضرات کو بھی مرحمت ہوئے۔ مگر چونکہ آئندہ خلفشار کے ہیرو یہی حضرات تھے۔ اس لئے ان کو ذکر کیا گیا۔ ناظرین کرام یہاں یہ خبر بھی محفوظ کرلیں کہ اب وزارت میں شیعہ۔ سنی اشتراک حسب ذیل تھا۔

| شیعہ وزراء | سنی وزراء |
|---|---|
| (۱) امام الملک حسین علی خاں۔ امیرالامراء بخشی اول | (۳) خانخاناں قاضی عبید اللہ۔ تورانی |
| (۲) قطب الملک عبداللہ خاں۔ وزیر اعظم | میر جملہ۔ داروغہ خواص دڈاک |
| | (۴) اعتماد الدولہ محمد امین خاں بخشی دوم |

نظام الملک چین قلیچ خاں بھی آئندہ انقلابات کے بہت بڑے ہیرو ہیں مگر ان کو وزارت کے بجائے دکن کی نظامت تفویض ہوئی تھی۔ اب یہاں سے ایک عجیب رسہ کشی شروع ہوتی ہے جو درحقیقت سلطنت مغلیہ کی تباہی کی جڑ اور اصل ہے۔ بیشک عالمگیرؒ نے بھی بھائیوں کو قتل اور باپ کو معزول کر کے تخت حاصل کیا تھا۔

مگر وہ خود بیدار مغز۔ بہادر۔ جفاکش۔ مدبر تھا۔ وہ تمام وزراء پر حاوی رہا۔ لیکن فرخ سیر۔ ان اوصاف سے خالی تھا۔ وہ بزدل، مکار تھا۔

عالمگیر کے انقلاب میں عالمگیر کا نام آتا ہے۔ اُس کے اعوان اور انصار کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔ لیکن فرخ سیر کے انقلاب کی باگ ڈور حسین علی خاں اور عبداللہ خاں کے ہاتھ میں تھی۔ اور فرخ سیر ان کے تابع تھا۔

اب برائے نام اگرچہ فرخ سیر بادشاہ بنا دیا گیا مگر تمام اختیار عبداللہ خاں اور حسین علی خاں کے ہاتھ میں رہا۔ عبداللہ قطب الملک عیاش تھا۔ اس کا معتمد علیہ۔ راجہ رتن چند تھا۔ جو راشی۔ دغاباز۔ اور متعصب تھا۔ اس موقعہ پر بہتر تو یہ تھا کہ ہم سیر المتاخرین کی عبارت نقل کرتے مگر طوالت سے بچنے کے لئے اس کا لفظی ترجمہ درج کئے دیتے ہیں

جس سے بخوبی واضح ہو جائے گا کہ اس شیعہ سنی جھگڑے نے اول دن سے ہی کس طرح فرخ سیر کی حکومت کو برباد کیا۔ اور پھر آخر کار دولت مغلیہ کے زوال کا باعث بنی۔ مگر یہ خیال رہے کہ سیر المتاخرین کے مصنف سید غلام حسین صاحب خود بھی شیعہ ہیں۔ اس لئے وہ شیعوں کی غلط کاریوں کو دبی زبان سے بیان کرتے ہوئے سنیوں کی غلطیوں کو زیادہ اچھالتے ہیں۔ بہر حال سید غلام حسین صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

سب سے پہلا نزاع جو پہلے ہی دن بادشاہ اور سادات کے درمیان ہوا یہ تھا کہ سید عبداللہ قطب الملک وزیر اعظم کو جب بادشاہ نے شہر اور قلعہ کے بندوبست کے لئے حکم فرمایا تو اس نے اپنے خاص آدمی لطف اللہ خاں کو دیوانی خالصہ کا عہدہ سپرد کیا اور سید امجد خاں کو صدر الصدور۔ (مدار المہام) کا منصب تفویض کیا۔ لیکن فرخ سیر نے دیوانی خالصہ کے لئے چھبیلا رام ناگر کو تجویز کیا اور اپنے استاذ افضل خاں کو صدر الصدور بنایا اسی پر بادشاہ اور وزیر اعظم میں اختلاف پیدا ہوا قطب الملک کہتا تھا کہ جب تک قلعے کے اندر میرے خاص آدمی معین نہ ہوں گے تو میری وزارت کس طرح چل سکتی ہے۔ اور میر جملہ نے بادشاہ کو یہ پڑھا رکھا تھا کہ حضور والا نے اگر یہ خدمت قطب الملک کو سپرد کی تھی تو اس کے یہ معنی نہیں کہ وہ حضور کے گوشہ خاطر کا کچھ بھی خیال نہ کرے۔ اور جن عہدوں کا تعلق رات دن حضور کی ذات کے ساتھ ہوگا ان پر ایسے لوگوں کو مامور کردے جن سے خاطر مبارک کو کوئی تعلق نہیں۔

خواجہ گر لطف بے عدد داند + بندہ باید کہ حدِ خود داند

بہر حال ایک بحث و تمحیص کے بعد اس جھگڑے کا اس طرح تصفیہ ہوا کہ صدر الصدور بادشاہ کی تجویز کے مطابق افضل خاں کو رکھا گیا۔ لیکن تنِ خالصہ کی دیوانی۔ وزیر کی منشار کے بموجب لطف اللہ خاں کو دیدی گئی۔ یعنی ایک شخص بادشاہ کا لے لیا گیا ایک وزیر کا۔

مگر اس کے معنے یہ ہوئے کہ جیسے تمام وزارتاں رسا کشی ہو رہی تھی۔ اس طرح ان عہدوں میں بھی اختلاف کا بیج بو دیا گیا جن کا تعلق بادشاہ کی ذات خاص سے تھا۔ بہر حال معاملہ طے ہوا۔ مگر کدورت ہر ایک دل میں بیٹھ گئی۔

## بادشاہ اور ارکان حکومت کا کردار اور فرخ سیر کی عام حالت

وزارتوں میں تبدیلی اور تقسیم خدمات میں اختلاف رائے کوئی نئی بات نہیں تھی اس قسم کے اختلافات ہوتے رہتے ہیں مگر جس چیز نے اس اختلاف کو حد درجہ بھیانک اور تباہ کن بنا دیا۔ شمس العلمار ذکار اللہ خاں نے اسکی وضاحت اس طرح کی ہے۔

> لیکن وزرار اور ارکان سلطنت کے درمیان آشفتگی اور پراگندگی اور اس بدنامی کا جو وزیر اور امیرالامرا یعنی سادات بارہ پر آئی، اصل سبب یہ ہے کہ فرخ سیر سلطنت کی عقل دوراندیشی اور فراست نہ رکھتا تھا۔ پست ہمت اور بزدل واقع ہوا تھا۔ اگرچہ کبھی کبھی ہمت بھی دکھاتا تھا مگر وہ سراسر بے موقعہ

ہوتی تھی۔ اور اپنے ہی جیسے بے استعداد و سفلہ آدمیوں کو منہ لگالیتا تھا۔ اسی باعث اعتقاد خاں اور بازاری لوگوں کے نزدیک بہت زیادہ محبوب تھا۔ مگر درحقیقت سلطنت تو کیا ادنیٰ ریاست کی لیاقت بھی نہ رکھتا تھا۔ ان کے مشیر خاص اور ہمدم و ہمراز میر جملہ تھے۔ جو بدلیاقتی۔ بداستعدادی۔ ناسمجھی کے باوجود تمام امراء دولت پر برتری چاہتا تھا۔ چنانچہ اسی حسد اور رشک میں اسد خاں اور ذوالفقار خاں کی ڈیڑھ سو سالہ دولت کو برباد کر دیا تھا۔ اور اب سادات کے پیچھے پڑا تھا۔

ادھر قطب الملک بھی چونکہ عورتوں کی طرف بہت زیادہ رغبت رکھتا تھا۔ اور عیش و طرب کا شوقین تھا۔ آرام طلب ہو گیا تھا۔ اور اپنے تمام کاروبار کی باگ ڈور راجہ رتن چند کے ہاتھ میں دیکر اس کو مطلق العنان کر دیا تھا۔ راجہ اس کے وطن کا بنیا اور اس کا خاص دیوان (سکریٹری) تھا۔ یہ کمبخت حد سے زیادہ متعصب تھا۔ اور وزارت کے عظیم الشان کاموں کے سنبھالنے کی لیاقت ہرگز نہیں رکھتا تھا۔ اور اب صورت یہ ہوئی کہ ادھر تو بادشاہ کی مہر اور اس کے دستخط میر جملہ جہاں چاہتا استعمال کر لیتا، اُدھر راجہ رتن چند جو چاہتے کر بیٹھتے۔ غرض ایک انتراقری امورِ سلطنت میں پیدا ہو گئی۔ انھیں وجوہات سے بادشاہ اور وزیر میں دن بدن عداوت بڑھتی رہی۔ جس نے چار سو سالہ تیموری سلطنت کی جڑیں کھوکلی کر دیں۔ اور بہت بڑی بدنامی سادات بارہ کے سر تھوپ دی۔

بہرحال۔ اب میر جملہ۔ بادشاہ۔ اور اس کے دوسرے ہمراز دوستوں نے حسین علی خاں اور عبداللہ خاں کے نکالنے کی تدبیریں سوچنی شروع کر دیں۔ اور اس سلسلہ کی پہلی کڑی یہ تھی کہ حسین علی خاں امیرالامراء کو راجہ اجیت سنگھ۔ راٹھور کی سرکوبی کے لئے بھیجدیا جس نے ایک عرصہ سے بہت سر اٹھا رکھا تھا۔ اور اپنی حکومت میں مسجدوں کو بھی برباد کر دیا تھا۔

جب حسین علی خاں راجہ موصوف کی تنبہ کے لئے روانہ ہوا تو اب عبداللہ خاں وزیر تنہا رہ گیا۔ اس کو ان لوگوں نے نکالنا چاہا۔ تو اس نے فوراً حسین علی خاں کو واپس آنے کے لئے خطوط لکھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اجیت سنگھ جو بادشاہی فوج کے مقابلہ میں خوف کھا کر پہاڑوں میں جا چھپا تھا۔ اس کو حسین علی خاں نے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور اس شرط پر اس سے صلح کر لی کہ وہ اپنی لڑکی بادشاہ سے بیاہ دیگا اور اپنے بیٹے کو بادشاہ کے دربار میں ملازم رکھے گا۔" اس صورت سے سادات کی پارٹی میں ایک راجہ کا اور اضافہ ہو گیا۔

حسین علی خاں نے لڑکی کے باپ کی نیابت میں اور بادشاہ نے بذات خود اس شادی میں اس قدر دھوم دھام کی کہ اس کی نظیر تاریخ ہندوستان میں نہیں ملتی۔ اور بقول صاحب عماد السعادت ۳۶ لاکھ روپیہ اس شادی پر خرچ کیا گیا۔

بہر حال جب حسین علی خاں واپس دہلی پہونچے اور خفیہ ریشہ دوانیوں کا علم ہوا تو بادشاہ اور ان دونوں بھائیوں میں خوب خوب تن گئی۔ حتیٰ کہ ان دونوں بھائیوں نے قلعہ میں حاضری بند کردی اور جنگ کی تیاری شروع کردی۔ جس سے سارے ملک میں سنسنی پھیل گئی۔ آمد و رفت اور ڈاک وغیرہ کا سلسلہ بند ہو گیا جس سے اہل شہر کے لئے بہت پریشانی کا سامنا ہوا۔ غلہ اور اجناس کا نرخ بھی بہت بڑھ گیا۔ آخر کار فرخ سیر کی ماں قطب الملک کے پاس گئی اس کو سمجھایا۔ تسلی دی۔ تب یہ دونوں بھائی بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور اب تصفیہ یہ ہوا کہ قلعہ میں تمام بندوبست سادات کا ہوگا یعنی وزیر کی سب سے پہلی ہٹ کو پورا کیا گیا۔ حسین علی خاں اور میر جملہ دونوں باہر بھیجدیئے جائیں۔ چنانچہ میر جملہ کو عظیم آباد (صوبہ بہار) کی گورنری پر بھیجا گیا اور حسین علی خاں کو دکھن کے تمام صوبوں کی نظامت مرحمت ہوئی نظام الملک قلیچ خاں۔ جو دکن کا گورنر تھا۔ اور داؤد خاں افغان [1] جو گجرات کا گورنر تھا ان صوبوں سے علیحدہ کئے گئے اور بظاہر دونوں کو دربار میں طلب کر لیا گیا۔ مگر بباطن داؤد خاں کو لکھدیا گیا کہ وہ حسین علی خاں کو جس صورت سے ممکن ہو ختم کردیں اور اس کو قابو پانے کا موقعہ نہ دیں۔ چنانچہ جب امیر الامراء حسین علی خاں گجرات پہنچا تو داؤد نے سختی سے مقابلہ کیا۔ داؤد خاں افغان تھا۔ نہایت بہادر اس طرف کے مرہٹے وغیرہ سب اس سے لرزتے تھے۔ اور بہت اچھی دھاک اس کی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس

---

[1] سیر المتاخرین ص ۲۸

جنگ میں بھی داؤد خاں نے امیر الامراء کی فوج کو تتر بتر کر دیا تھا۔ مگر بدقسمتی یہ ہوئی کہ خاص اس وقت جب داؤد خاں آگے بڑھ کر امیر الامراء کو گرفتار کرنا چاہتا تھا۔ ایک گولی اس کے آ کر لگی اور وہ وہیں ختم ہو گیا۔ پھر حسین علی خاں نے اپنی فوج کو للکار کر ایک حملہ ایسا کیا کہ داؤد خاں کی فوج کے پیر اکھڑ گئے۔ مختصر یہ کہ حسین علی خاں کے لئے فتح مقدر تھی وہ ظاہر ہوئی۔

جب داؤد خاں کے مرنے کی خبر فرخ سیر کو پہنچی تو بہت غمگین ہوا اور افسوس کرتے ہوئے قطب الملک سے کہا۔

چنان سردار شجاع نامی صاحب اقتدار را بے جا کشتند۔

ایسے نامی گرامی بہادر سردار کو بے جا مار ڈالا۔

قطب الملک نے فوراً جواب میں کہا۔

اگر برادرم از دست آن افغان کشتہ مے شد موافق مرضی مبارک و بجا مے بود۔ اگر میرا بھائی اُس افغان کے ہاتھ سے مارا جاتا تو مرضی مبارک کے موافق اور بجا ہوتا۔ بہر حال اس طرف حسین علی خاں کے برخلاف اس قسم کی خفیہ سازش کی گئی تھی۔ اس طرف میر جملہ کو عظیم آباد بھیجا گیا تو وہاں کی صورت یہ تھی کہ فوج کی تنخواہ عرصہ سے نہیں ملی تھی۔ فوج نے شہر اور دیہات کے لوگوں کو پریشان کر رکھا تھا۔ میر جملہ کے پہنچنے پر وہ یا تو مشتعل ہو گئی یا اسکو مشتعل کر دیا گیا جیسا کہ عام طور پر خیال ہی کیا گیا کہ اس میں قطب الملک کی شرارت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میر جملہ کو وہاں سے بھاگتے بنی۔ وہ پھر دربار میں آحاضر ہوئے۔

تیسری طرف یہ ہوا کہ بادشاہ نے جب سریر سلطنت پر جلوس

فرمایا تو حکم فرمایا تھا کہ آٹھ ہزار فوج بھرتی کی جائے اس کی تنخواہ کے لئے جاگیر مقرر کر دی گئی۔ اور جب تک جاگیر سے آمدنی وصول ہو اس وقت تک فی سوار پچاس روپے ماہانہ خزانہ سے مقرر ہوا لیکن یہ ماہانہ انکو پورا پورا ادا نہیں کیا گیا۔ اور جب ایک سال ختم ہونے لگا تو اس فوج کی برطرفی کا حکم صادر ہو گیا جس پر یہ فوج برافروختہ ہوئی۔ اس نے امراء اور وزراء کے دروازوں پر دھرنا دیدیا۔ اور باغیانہ انداز میں بازاروں میں گشت کرنے لگی۔ دوسری طرف سے قطب الملک کی فوج اس کی مدافعت کیلئے گشت کرتی پھرتی قطب الملک پر اس قدر ہراس طاری ہوا کہ اس نے محمد امین خاں کے مکان میں جا کر پناہ لی۔

میر جملہ جو عظیم آباد سے ناکام واپس ہوئے تھے مورد عتاب ہوئے۔ اُن کا منصب گھٹا دیا گیا پھر اُن کو پنجاب کی طرف بھیجدیا گیا۔ اور صوبہ عظیم آباد کی صوبہ داری سربلند خاں کو سپرد ہوئی۔

غرض اس قسم کے واقعات رونما ہوتے رہے جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ تاریخ ہندوستان کے الفاظ میں مختصر یہ کہ افراتفری یہاں تک ہو گئی کہ دربار کے تمام ہی کاموں میں خلل آ گیا۔ بادشاہ اپنی عیش پرستی میں مشغول، اور قطب الملک اپنی رنگ رلیوں میں مصروف کچہری کا تمام کام راجہ رتن کرتا جو اپنے غرور میں۔ بادشاہ تک کی بھی پرواہ نہ کرتا۔ قطب الملک مہینوں کچہری کا رخ بھی نہ کرتا۔ ادھر بادشاہ کا حکم کچھ ہوتا رتن چند کا حکم اس کے برخلاف ہوتا۔ بادشاہ کسی کو سزا دیتا۔ قطب الملک یا رتن چند اُس کو امن دیدیتا۔ یہ سلسلہ یہاں تک بڑھا کہ وزیر اور بادشاہ دونوں کی طرف سے جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

قطب الملک کی حمایت میں راجہ اجیت سنگھ راٹھور تھا۔ محمد مراد بخش ایک کشمیری شخص تھا۔ سب گنوں پورا تھا۔ کوئی عیب اس سے چھوٹا نہ تھا۔ فرخ سیر کی ماں بھی کشمیری تھی۔ اس کے توسل سے بادشاہ سے ہمکلامی کی نوبت خلوت میں پہونچی۔ اس نے بادشاہ کو سمجھایا کہ میں جدال و قتال کے بغیر سادات کا قلع قمع کرسکتا ہوں۔ غرض اس نے اپنی چکنی چپڑی باتوں سے بادشاہ کو ایسا سبز باغ دکھایا کہ تھوڑے دنوں میں بادشاہ اس کا غلام بن گیا۔ اسکو رکن الدولہ اعتقاد خاں کا خطاب ہفت ہزاری دہ ہزار سوار کا منصب عنایت ہوا۔ اب اس نے یہ صلاح دی کہ پٹنہ عظیم آباد سے سربلند خاں کو اور مراد آباد سے قلیچ خاں نظام الملک بہادر فتح جنگ کو۔ اور احمد آباد سے راجہ اجیت سنگھ کو طلب فرمائیے۔ ہر ایک کو عمدہ خدمات کا امیدوار کیجئے اور ان کے ہاتھوں سے دولت کو خاک میں ملائیے۔ بادشاہ نے ایسا ہی کیا نظام الملک وغیرہ نے بادشاہ سے عرض کیا کہ قلمدان وزارت اپنے بندوں میں سے جس کو لائق دیکھیں اس کو مرحمت فرمادیں۔ جس کے سبب سے سید عبداللہ خاں کے استقلال میں خلل پڑیگا وہ نافرمانی کرے گا تو سزا پائے گا۔ مگر بادشاہ نے جواب دیا کہ وزارت کے لئے میرے نزدیک سب سے بہتر اعتقاد خاں ہے اس سے امرار کی بہت زیادہ دل شکنی ہوئی۔ امرار دولت اس کشمیری نو مسلم کی اطاعت کو سخت توہین اور تنقیص خیال کرتے تھے۔

دکن کی حالت یہ تھی کہ حسین علی خاں نے اپنا تسلط جمالیا تھا۔ خود اپنی طرف سے قلعہ دار مقرر کرتا۔ بادشاہ جن آدمیوں کو مقرر کرکے بھیجتا ان کو داخل نہ ہونے دیتا۔

مرہٹوں سے متعلق نظام الملک کا جو ایک سال پانچ ماہ بیان ہو چکا تھا

نہایت عمدہ طرز عمل یہ تھا کہ مرہٹوں کے کمزور گروہ کو تقویت دیکر قوی گروہ کی بیخ کنی کے درپے ہو جاتا۔ مگر وہ اسی تدبیر میں تھا کہ یکایک یہاں سے بدل گیا حسین علی خاں کے سامنے پہلے ہی دن سے۔ سادات کے وقار کا سوال تھا۔ وہ بادشاہی مفاد کے مقابلہ پر ذاتی مصلحت اور ذاتی قوت کو زیادہ ترجیح دیتا تھا۔

اس نے اول اول تو مصلحت کے بموجب کچھ لڑائیاں لڑیں۔ اس کے بعد نرم گرم شرائط پر راجہ ساہو سے صلح کر لی اور بادشاہ کی اجازت اور فرمان کا انتظار کئے بدوں ہی سلطنت مغلیہ کے ان پرانے مخالفوں کو صلحنامہ لکھ کر دیا۔ اور جس مسئلہ پر (یعنی مرہٹوں کا یہ مطالبہ کہ آمدنی کا ربع جس کو اس زمانہ میں چوتھ کہا کرتے تھے بطور ٹیکس، رعایا سے وصول کرنے کا حق مرہٹوں کو ہو۔)

عالمگیر نے مرہٹوں سے سالہا سال جنگ کی تھی۔ اس کو بآسانی امیر الامراء نے مرہٹوں کے لئے تسلیم کر کے، راجہ ساہو کے گماشتوں کو مستقل دخیل کار کر دیا۔ مزید براں راجہ ساہو کے دو عمدہ اور بہترین افسروں یعنی بالاجی بشوناتھ۔ اور جمناجی کو مقرر کیا کہ شائستہ جمعیت کے ساتھ راجہ ساہو کے نائب اور وکیل کی حیثیت سے (یا بطور ریزی ڈنٹ) اورنگ آباد میں رہیں اور ملکی اور مالی کام ان کی وساطت سے سرانجام پائیں۔

جب یہ سب کچھ کر چکا تو بادشاہ کی خدمت میں ایک عرضی بھیجی اور درخواست کی جیسا کچھ کیا ہے اسی کے بموجب ضابطہ کے کاغذات کی خانہ پری کر کے شاہی مہر اور دستخط کے ساتھ بھیج دیئے جائیں۔ دولت کے ہوا خواہوں نے بادشاہ سے عرض کیا کہ محصول اور حکمرانی میں غنیم کو شریک غالب بنا لینا

مصلحت نہ تھا۔ بہرحال یہ صلح فرخ سیر، دربہی خواہان دولت کی مرضی کے خلاف اور مصالح حکومت سلطنت کے برعکس ہوئی مگر حسین علی خاں کے سامنے اپنا مقصد تھا وہ حاصل ہوگیا۔ ابتک اس کو خطرہ تھا کہ اگر وہ عبداللہ کی امداد کے لئے دہلی پر فوج کشی کرے گا تو اس کے پیچھے مرہٹے دکن کو تباہ اور برباد کردیں گے اور ممالک محروسہ پر اپنا قبضہ جمالیں گے اب اس کو نہ صرف یہ کہ اس خطرہ سے اطمینان ہوگیا بلکہ مرہٹوں جیسی طاقت اس کی مدد کے لئے اُس کو حاصل ہو گئی۔

چنانچہ حسین علی خاں کے "ہم جنس مورخ" غلام حسین، مؤلف سیر المتاخرین لکھتے ہیں:-

اطمینانے از طرف آقادر البقاء برادر وسلامتی خود نیز نداشت بنا بریں ناچار۔ برائے بہم سابندن استعداد مدافعۂ اعداء بنائے مصالحت با مرہٹہ گذاشت۔ و از انچہ در عہد داؤد خاں پنی مقرر بود، با نمانہ دیس لکھی کہ سرصدہ روپیہ باشد قبول نمودہ مرہٹہ ہارا با خود متفق ساخت و مقرر نمود کہ بشوناتھ و جمعیت شائستہ بطور نیابت و وکالت راجہ ساہو۔ در خجستہ بنیاد اورنگ آباد۔ بحضور امیر الامراء حاضر باشند۔ و چوتھ از اعمال بادشاہی و جاگیرداران۔ چنانچہ مقرر بود۔ بگیرند و دیس لکھی کہ سرصدہ روپیہ باشد از رعایا بگیرند[1]

بھائی کو اپنے منصب اور عہدہ پہ باقی رکھنے اور خود اپنی

---

[1] اس خاص ٹیکس کا ہندی نام ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ سرصدہ روپیہ یعنی دس فیصدی
ص ۴۲ سیر المتاخرین۔

سلامتی کا بھی اس کو (حسین علی خاں کو) اطمینان نہیں تھا۔ اسی وجہ سے مجبور ہو کر اس غرض سے کہ مخالفین کو جواب دیتے "اور قلع" کی طاقت میسر ہو مرہٹوں کے ساتھ صلح و مصالحت کی طرح ڈالی جس کی صورت یہ کی کہ داؤد خاں پنی کے زمانہ میں جو کچھ مرہٹوں کا مقرر تھا اس "پردیس لکھی" کا اضافہ منظور کر کے مرہٹوں کو اپنے ساتھ جوڑ لیا۔ اور طے کر دیا کہ شونا تھ اور مجھنا مناسب اور شائستہ جمعیت کے ساتھ راجہ ساہو کے نائب اور وکیل کی حیثیت سے "خجستہ بنیاد" اورنگ آباد" میں امیر الامراء کے حضور میں حاضر رہا کریں اور جیسا کہ مقرر تھا شاہی گماشتوں کا رپدراز (؟) اور جاگیرداروں سے چوتھ (آمدنی کا چوتھائی) وصول کرتے رہیں اور رعایات دیس لکھی (دس فیصدی) وصول کرتے رہیں۔

## فرخ سیر کی معزولی ۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء اور دہلی پر مرہٹوں کی سب سے پہلی چڑھائی

واقعات بہت زیادہ طویل ہیں مختصر یہ کہ فرخ سیر اور قطب الملک (وزیر اعظم) کے درمیان ہنگامۂ فساد و عناد روز افزوں ہوتا گیا۔ بادشاہ اس قدر تلون مزاج تھا کہ کبھی سید عبداللہ کی طرف جھکنے لگتا اور کبھی وہ اس کے قلع قمع کے لئے کمربستہ ہو جاتا۔ معاملہ ایک طرف نہ ہوتا۔ تقریباً ۳ سال اسی حالت میں گذر گئے۔ سید عبداللہ خاں نے تقریباً بیس ہزار سوار نوکر رکھ لئے تھے۔ روز بروز فتنہ اور فساد کو بڑھاتا جا رہا تھا۔ امیر الامراء کی عرضداشتیں بھی قدمبوسی کے لئے چلی آتی تھیں۔ جس میں آب و ہوا

کی مخالفت کی شکایت بھی ہوتی تھی۔ قطب الملک کے خطوط بھی امیرالامرا کے پاس پہونچ رہے تھے کہ "بھائی یہاں جلد آؤ"۔

چنانچہ آخر ذی الحجہ ۱۱۳۰ھ میں اورنگ آباد سے امیرالامراء باہر آیا۔ اور امور ضروری کے لئے ایک ہفتہ توقف کیا۔ پھر آغاز محرم ۱۱۳۱ھ میں بہت سے امراء پچیس ہزار سوار۔ توپ خانہ اور دس ہزار برقنداز ہمراہ لے کر دارالخلافہ شاہجہان آباد دہلی کی طرف روانہ ہوا۔ قلعہ ظفر اور گرد و تین قلعوں کو اپنے ہمراہیوں کے حوالہ کیا۔ بہت سے قلعوں کے بادشاہی قلعہ داروں پر کچھ تہمت لگا کر معزول کر دیا۔ اور اُن کی جگہ اپنے آدمی مقرر کئے۔ تیرہ ہزار سوار مرہٹہ بسرداری کھنڈو دھبارے۔ جو مشہور سرفوج اور خاندیس کا صوبہ دار راجہ ساہو کی طرف سے تھا۔ اور سنتا اور تین اور نامی سردار اپنے ہمرکاب کئے بڑے بڑے نامی سرداروں اور جمعداروں کو ہاتھی، گھوڑوں اور بیش بہا خلعت اور انعامات سے مرہون کیا۔

ربیع الاول کے آخر میں فیروز شاہ کی لاٹھ کے نیچے۔ شہر سے دو تین کوس پر سید حسین علی خاں نے اپنے ڈیرے ڈالے۔ بغاوت کے اظہار کے لئے طبل مخالفت بجایا۔ اور بادشاہانہ شکوہ کے ساتھ خیمہ میں داخل ہوا جو سرائے موضع باولی کے قریب تھا۔ اور علانیہ کہتا تھا کہ اب میں اپنے تئیں بادشاہ کے نوکروں کے زمرہ میں نہیں جانتا کہ آداب بجا لاؤں[1] کچھ دنوں بادشاہ اور ان دونوں بھائیوں میں سوال و جواب کا سلسلہ جاری رہا۔ مگر شامتِ اعمال سے کوئی بات طے نہ ہو سکی

---

[1] تاریخ ہندوستان۔

قلعہ پر قبضہ پہلے سے سادات کا تھا۔ (جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا) اب بادشاہ جب مایوس ہو چکا تو وہ محل کے اندر چلا گیا۔ سید عبداللہ خاں قطب الملک اور راجہ اجیت سنگھ نے بہت کچھ باتیں بنا کر پیغام بھیجا کہ وہ محل سے نکلے مگر فائدہ نہ ہوا۔ حبشی اور ترکی کنیزیں جنگ کے لئے تیار ہو گئیں۔ مگر اب قطب الملک اور اس کے ساتھی محل میں گھس گئے عورتوں اور باندیوں کو مار پیٹ کر بادشاہ کا پتہ لگایا۔ وہ بام محل کے گوشہ میں چھپا ہوا تھا۔ اس کو بڑی بے حرمتی سے کھینچ کر باہر لائے ماں بہنیں بیٹیاں اور بیویاں سب حرم سے فرخ سیر کو آ کر لپٹ گئیں اُس کو گھیر کر ان یزیدوں کے نیچے سے چھڑانا چاہا۔ بہت کچھ خوشامدیں کیں۔ روئیں گڑگڑائیں۔ گرفتار کرنے والوں کے پاؤں میں شاہزادیوں نے سر رکھے، ہاتھ جوڑے، خدا کے واسطے دیئے مگر ایسے وقت میں کسی کی کون سنتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہوا کہ ان کے زیورات کھسوٹ لئے گئے اور اُن کو بے حرمت کیا گیا۔

اب آگے سنئے، فرخ سیر کو گرفتار کر کے آنکھوں میں سلائی پھیر دی اور قلعہ کے اندر ترپولیہ کے اوپر جس خانہ میں جو قبر کی صورت تھا بادشاہ کو قید کیا۔ ایک طشت اور ایک آفتابہ۔ قضائے حاجت کے لئے اور ایک صراحی پانی۔ اس کے پاس رکھ دیا گیا۔

شہر میں کہرام مچا ہوا تھا۔ قلعہ کی خبریں مختلف پہونچ رہی تھیں۔ کبھی یہ خبر اڑتی کہ قطب الملک قتل کر دیا گیا کبھی یہ خبر سنی جاتی کہ بادشاہ گرفتار ہوا۔ قلعہ پر قبضہ پہلے ہی سادات کا تھا۔ قلعہ سے باہر ان کی فوج اس قدر تھی کہ امرائے دولت کے لئے خاموشی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، ہاں

شہر میں جگہ جگہ بلوے ہو رہے تھے۔ اور کبھی کبھی قطب الملک کی وفات کی خبر سے سادات کی فوج میں سنسنی پھیل جاتی تھی آخر قطب الملک کو تاکیدی پیغام بھیجے گئے کہ جلد از جلد اپنے کام سے فارغ ہو جائے۔ چنانچہ فرخ سیر قید کر لیا گیا۔ اور ہنگامے فرو کرنے کے لئے۔ دونوں بھائیوں نے چاہا کہ کسی شہزادے کو بادشاہ بنائیں مگر معز الدین جہاندار شاہ کے زمانہ میں ذوالفقار خاں اور فرخ سیر کے عہد حکومت میں حسین علی خاں اور قطب الملک یا یہ کہو کہ جہاندار شاہ اور فرخ سیر شاہزادوں کو چن چن کر قتل کرا چکے تھے۔ اور جو زندہ تھے وہ زنداں میں تھے یا محلوں میں چھپے چھپائے لڑکیوں کی طرح پرورش پا رہے تھے۔ ان سیدوں کو ایسا ہی شاہزادہ بھی۔ بھلا عقل کا پورا چاہئے تھا جو ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہے۔۔

چنانچہ۔ ابھی بازارِ دار و گیر گرم تھا۔ شہر میں سب طرف بلوے اور ہنگامے ہو رہے تھے فتنہ فساد برپا تھا کہ یکایک شمس الدین ابوالبرکات رفیع الدرجات کے جلوس کا شادیانہ بجا۔ جس سے شہر کا امن بحال ہوا۔

شمس الدین موصوف۔ رفیع الشان پسر بہادر شاہ کا بیٹا تھا۔ اور محمد اکبر خلف اورنگ زیب عالمگیر کا نواسہ۔ صرف بیس سال عمر تھی ''وارث تاج'' تاریخ ولادت ہے۔ مگر وہ مرض دق میں مبتلا تھا قید خانہ میں پڑا ہوا تھا۔ شورش عام اور غلبہ اژدحام کے باعث اتنا موقعہ بھی نہ ملا کہ اس کو غسل دیا جاتا۔ اور۔ کپڑے بدلے جاتے۔ یا تخت کی آرائش اور زینت ہوتی۔ وہ اسی لباس میں تخت پر بٹھا دیا گیا۔ صرف سچے موتیوں کی ایک مالا گلے میں ڈالی گئی۔ اور رفع رنج کرنے کے لئے شہر میں الامان الامان کی منادی کرا دی گئی۔

قطب الملک نے اس مصنوعی بادشاہ کی خدمت میں مبارک بادیش کی اپنے خاص ہمدموں اور معتمد نوکروں کو قلعہ کے اندر رکھا۔ خواجہ سرا۔ خواص اور دیوان عام وخاص اور تمام دروازوں پر تمام کارخانہ جات میں اپنے معتمد اور خاص معتبر آدمیوں کو مقرر کر دیا۔ اول روز کے دیوان میں راجہ اجیت سنگھ داماد کش اور راجہ رتن چند کی آرزو کے موافق جزیہ موقوف کر دیا گیا۔

پھر امرار دولت کے مکانات ضبط اور بہت سے قید و بند میں محبوس کر دیئے گئے۔ بہر حال اپنی مرضی کے مطابق تمام عزل ونصب کر دیا گیا۔ اسی طرح فرخ سیر کی قید پہ دو مہینے گذرے دو دفعہ اس کو زہر دیا گیا۔ مگر اثر نہ ہوا۔ تیسری دفعہ زہر نے اثر کیا۔ مگر جان جلدی نہیں نکلتی تھی کہ دونوں بھائیوں نے تسمہ کشی اور زدوکوب سے مروا دیا۔ مرنے سے بارہ پہر کے بعد کفن و دفن میں مشغول ہوئے۔ تابوت کو مقبرہ ہمایوں میں لائے۔ دو تین ہزار مرد عورت اور بالخصوص شہر کے لچے اور فقیر جن کو بادشاہ سے فیض پہنچتا تھا۔ تابوت کے آگے آگے روتے پیٹتے۔ سر پہ خاک ڈالتے ہوئے گریبان چاک۔ گالیاں دیتے ہوئے جاتے تھے۔

ایک سرکاری لوگوں کی جماعت بھی تابوت کے ساتھ تھی۔ مگر لوگ اس جماعت کی پالکی اور گھوڑوں پر پتھر پھینکتے تھے۔ اور روٹی پیسے جو فقراء کو خیرات دیتے تھے نہ لیتے تھے۔ سوم کے روز ایک جماعت بچوں اور گدا پیشہ کی اُس چبوترہ پہ جمع ہوئی جس پہ بادشاہ کو غسل دیا تھا۔ بہت سا طعام پکا کے فقراء کو کھلایا۔ مجلس مولود صبح تک بھی احیا شب کیا

## شاہی خزانوں کی بربادی

بعد اس واقعہ کے بادشاہی خزانہ جواہر اور مرصع آلات۔ ہاتھی گھوڑوں کو دونوں بھائی اپنے تصرف میں لائے۔ سید عبداللہ خاں کو عورتوں کے ساتھ محبت اور عشرت میں بڑی رغبت تھی مشہور روایت یہ ہے کہ دو تین مرتبہ بادشاہی حرم میں سے پسند کرکے اپنے تصرف میں لایا۔ باوجودیکہ ستر اسی خوش ادا پری جمال اس کے پاس پیشتر سے تھیں۔

راجہ اجیت سنگھ۔ تیسرا ساجھی تھا۔ جو بادشاہ کا خسر بھی تھا اُس نے بھی قلعہ کو خوب لوٹا۔ جب وہ بازار میں نکلتا تو بازار کے دونوں طرف سے اُس پر گالیاں پڑتیں کہ داماد کا خون بہا کر دولت سے خزانے بھرے لڑکی کی عزت کی بھی پرواہ نہیں کی۔ راجہ ان باتوں سے ایسا تنگ ہوا کہ ایک دو آدمیوں کو جان سے مارا۔ اور ایک روز چند کشمیریوں کو اسی تقصیر میں گرفتار کرکے سادات کے حکم سے انکو گدھوں پر سوار کراکر تشہیر کی گئی۔ دونوں بھائیوں اور راجہ کی فکر ہر وقت یہ تھی کہ کس طرح امراء اور راجاؤں کی جائیدادیں اور مال اور دولت ضبط کرکے اپنے خاص خاص لوگوں کو تقسیم کریں اور کس طرح اطراف و جوانب سے خزانہ اور جواہر جمع کریں۔

اجیت سنگھ نے اپنی بیٹی "زوجہ فرخ سیر" کو ایک کروڑ روپیہ کی دولت کے ساتھ روانہ کردیا۔ زمانہ سلاطین میں راجاؤں کا ایسا تسلط تواریخ میں نہیں ملتا نہ کوئی راجہ اپنی بیٹی کو بادشاہ کے عقد میں دینے کے بعد اپنے گھر واپس لے گیا۔[۲] محمد فرخ سیر کی سلطنت چھ سال چار ماہ کچھ دنوں رہی۔

---

[۱] صفحہ ۱۵۲ تاریخ ہندوستان ۱۲ [۲] صفحہ ۱۵۵ تاریخ ہندوستان الیفاً سیر المتاخرین۔

اس عزل و نصب کی تاریخ کہ ایک بادشاہ گرفتار ہوا دوسرا سات برس کا قیدی بادشاہ ہوا "فاعتبروا یا اولی الابصار" ہے۔

## ایک سال میں تین بادشاہ

رفیع الدرجات مبتلا ، دق تھا۔ اس کو برائے نام بادشاہ بنا دیا گیا۔ مگر مرض بڑھتا رہا حتیٰ کہ قریب المرگ ہوا۔ اس نے سیدوں سے کہا کہ اگر میرے بڑے بھائی رفیع الدولہ کو تخت سلطنت پر بٹھادو اور میری زندگی میں اس کے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کرادو تو میری کمال خوشنودی کا سبب ہوگا اور میں آپ کا احسان مانوں گا۔ سادات نے اس کو قبول کیا چنانچہ ۲۰ رجب ۱۱۳۱ھ کو رفیع الدولہ کو (جو رفیع الدرجات سے ڈیڑھ سال بڑا تھا شاہجہان ثانی کا لقب دیکر تخت سلطنت پر بٹھا دیا گیا۔ رفیع الدولہ کو تخت پر بیٹھے ہوئے تین روز ہوئے تھے کہ رفیع الدرجات نے عین جوانی میں انتقال کیا تین ماہ دس روز برائے نام سلطنت کر گیا ) اب رفیع الدولہ کی بادشاہت کا خلاصہ یہی تھا کہ سکوں پر نام کندہ ہوا۔ خطبوں میں اس کا تذکرہ ہوا اس کے علاوہ دیگر امور ملکی میں کوئی اختیار اسکو نہ ملا۔ اس کو چاروں طرف سے قطب الملک کے آدمی گھیرے ہوئے تھے۔ باہر جانے۔ اندر آنے۔ لباس۔ خوراک کا اختیار ہمت خاں کو تھا۔ سادات کے سی۔ آئی۔ ڈی ہر وقت مسلط رہتے اُن کی موجودگی بغیر کسی امیر سے بات کرنے کی بھی ممانعت تھی۔

## نیکو سیر کی بادشاہت اور قلعہ آگرہ کی لوٹ

۱۰۸۹ھ میں عالمگیر کے بیٹے "اکبر" نے عالمگیر سے بغاوت کی تھی۔ اور جب کہ دہلی میں فوج صرف ایک ہزار تھی وہ دہلی میں اپنے باپ کے

مقابلہ کے لئے آچڑھا تھا مگر عالمگیر کے تدبر اور جنگی مہارت نے ایک ہزار فوج ہی سے اکبر کو شکست دیکر اس کو گرفتار کر لیا۔ اور اس کے بیٹے نیکو سیر اور بیٹیوں کو اکبر آباد کے قلعہ میں نظر بند کر دیا تھا چالیس سال کی نظر بندی کے بعد اب اس پُر آشوب انقلابی دور میں اکبر آباد کے کچھ عمائدین نے نیکو سیر کو بادشاہ بنا دیا۔ اور سیم و زر پر سکہ لگایا۔

بزر زد سکہ صاحبقرانی
شہ نیکو سیر تیمور ثانی

قطب الملک نے بادشاہ سمیت اکبر آباد پر حملہ کیا نتیجہ یہ کہ ۲۷ رمضان کو نیکو سیر مع متوسلین کے مقید ہوا۔

اب جب نیکو سیر سے فراغت ملی تو حسین علی خاں امیر الامراء نے قلعہ میں داخل ہو کر خزانہ اور جواہر پر قبضہ کر لیا۔ جو تین چار سو برس سے سکندر لودھی اور بابر کے وقت سے کوٹھیوں میں جمع ہو رہا تھا۔ اور اس میں خاص کر نورجہاں اور ممتاز محل کے مال تھے۔ بعض کارخانہ جات سربستہ تھے جن میں ظروف طلا و نقرہ بے شمار اور کئی ہزار آتشیں تھیں بلاشبہ کروڑوں روپیہ کی دولت تھی۔ ان میں چند چیزیں بہت ہی نفیس اور بیش قیمت تھیں۔

(۱) مروارید کی چادر جو ممتاز محل کے قبر پوش کے لئے شاہجہاں نے بنوائی تھی۔ اور جو عرس یا شب جمعہ کو قبر پر ڈالی جاتی تھی۔

(۲) نورجہاں کا بنایا ہوا چمن کا جوڑا۔ (۳) اور ایک شمع نہایت بیش بہا

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس دولت میں سے سید عبد اللہ کو کچھ نصیب نہیں ہوا۔ ہاں بھائی سے تین چار ماہ کی بدمزگی کے بعد صرف

اکیس لاکھ روپیہ کسی طرح مل سکا۔

ابھی یہ بھائی لوٹ کھسوٹ اور اپنی مرضی کے مطابق نظم و ترتیب سے فارغ نہیں ہوئے تھے کہ شاہجہان ثانی اسہال میں مبتلا ہو گیا علاج کیا گیا مگر بے سود رہا۔ آخر شوال یا ابتداء ذی قعدہ سنہ ۱۱۳۱ھ میں اس جہان فانی سے کوچ کر گیا۔ ہفتہ عشرہ تک اس کی موت کی خبر مخفی رکھی گئی۔ بادشاہ بنانے کے لئے کسی شاہزادہ کی تلاش ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ ۱۵ ذی قعدہ سنہ ۱۱۳۱ھ ۱۹ ستمبر سنہ ۱۷۱۹ء کو روشن اختر نے فتح پور میں تخت سلطنت پر قدم رکھا اور ابو الفتح یا ابو المظفر ناصر الدین محمد شاہ لقب تجویز کیا۔

**نتائج** فرخ سیر کے حالات آپ پڑھ چکے۔ آغاز بھی قتل و خون سے تھا انجام بھی قتل خون پر ہوا۔ درمیان کے چند سال حکومت کے چند سال کہو یا مجالس ماتم اور برباد کن واقعات کا لگاتار تسلسل۔ اب کچھ نتائج اخذ کرنے کے لئے ان واقعات پر دوبارہ نظر ڈالئے۔

فرخ سیر کا زمانہ شیعہ تسلط کا دور ہے۔ ابتداء میں شیعہ پارٹی کے ساتھ سنی پارٹی بھی تھی۔ مگر آخر میں صرف شیعہ پارٹی رہ گئی۔ وزارت عظمیٰ قطب الملک کے ہاتھ۔ دیوانی تن خالصہ رتن چند کی دست برد میں وکالت مطلق یا امیر الامرائی حسین علی خاں کے قبضہ میں۔ قلعہ پر تمام شیعوں کا قبضہ۔ شہر پر شیعوں کی حکومت۔

ابھی تک آپ نے مرہٹوں کا کوئی تسلط نہیں دیکھا۔ دربار کی دولت جاتی رہی۔ بابر اور ابراہیم لودھی کے وقت کے خزانے لٹ گئے۔ کن کے ہاتھوں — ؟ کیا مرہٹہ کے ہاتھوں۔ ہندوؤں کے ذریعہ سے۔ کوئی نہیں۔

## اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

بیشک حرص و طمع۔ بغض و عناد انسان کی آنکھیں اندھی کر دیتا ہے۔ قلب کی بصیرت کو کور باطنی ناعاقبت اندیشی سے بدل دیتا ہے غریب قاضی عبیداللہ۔ جس کا خطاب میر جملہ تھا۔ جو بادشاہ کا ہمدم و ہمراز تھا اُس کا تو دربار میں پتہ بھی نہ رہا۔ کابل یعنی ممالک محروسہ کے آخری صوبہ پر مامور کر دیا گیا۔ ہاں سید حسین علی خاں بہادر امیر الامرار کی جب استعماری خواہشات پر کچھ اثر پڑنے لگا تو ان ہی مرہٹوں کو جو آجتک مقہور اور مغلوب کئے جا رہے تھے۔ دکن کے نظام حکومت میں برابر کا دخیل کر کے اُن کی کافی فوج لے کر دہلی پر چڑھ آئے۔ اور اُن نامحرموں کو دہلی کے حرم میں گھسا دیا جن کی خواب میں بھی آجتک دہلی نہیں آئی تھی۔ آپ ہی بتایئے غداری مرہٹوں کی ہے یا حسین علی خاں کی۔ افسوس۔ صدیاں گذر جانے پر بھی ہماری آنکھیں نہیں کھلتیں۔ جب مرہٹوں کے ظلم وستم کی داستان بیان کرنے بیٹھیں تو پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈالنا چاہیئے۔

آگے چل کر عرض کیا جائے گا کہ مرہٹوں کی تمام تعدی۔ خود مسلمانوں کے اشاروں اور ان کے ہمت دلانے سے ہوئی۔ انکو بہادر مسلمانوں نے بنایا دہلی کے تخت کا تخیل مسلمانوں نے انکے ذہن نشین کرایا۔ اور مسلمانوں اور صرف مسلمانوں نے ہی۔ مغلیہ سلطنت کے خلاف ان کے حوصلے بڑھائے۔ خود مسلمانو نے شاہی وقار اور شوکت کو مرہٹوں کے ہاتھوں تباہ کرایا۔ ورنہ اُس وقت بھی اگرچہ یہ غریب دہلی چلے آئے تھے۔ مگر یہاں پہونچکر جو ان کی گت بنی وہ تاریخ ہندوستان کے الفاظ میں پیش کی جاتی ہے۔ بغیر اس کے کہ مرہٹوں کے ساتھ مقابلہ اور مقاتلہ ہو۔ اور کارزار کی نوبت آئے۔

خان دوران خاں کے چودہ پندرہ کمبل پوش سواروں نے جذیتر مرہٹوں کی طرف پھینکے۔ مرہٹے میدان کے لڑنے والے۔ شہر کی گلیوں میں لڑنا کیا جانیں ان کے سب سردار اور دس بارہ ہزار سوار ایک دفعہ فرار ہوئے۔ بازار کے لچوں اور تماشائیوں اور بے روزگار مغلوں نے خبردار ہو کر تلواریں ہاتھ میں لیں یہ ہر طرف سے مرہٹوں کو مارتے۔ مرہٹے پگڑی اچک لے جاتے اور سر تن سے جدا کرتے۔ ہاتھ سے نیزہ اور کمر سے شمشیر چھین لیتے زمین کو ان سے خالی کرتے اور خون سے رنگین بناتے۔ گھوڑوں اور ہتھیاروں کو لے لیتے۔ مرہٹے ان کے آگے ایسے بھاگتے جیسے بھیڑوں کا گلہ بھیڑئے سے یہاں تک نوبت آئی کہ دھوبیوں۔ قصائیوں۔ خاک روبوں اور اہل پیشہ نے لاٹھی چونکے مار کے زبان سے للکار کے اور تیز آنکھیں دکھا کے جو چاہا ان سے چھین لیا۔ بھالے اور آفتاب گیر جو مرہٹوں کا سرمایۂ افتخار ہے۔ اس قدر انھوں نے پھینک دئے کہ بعض بے سروسامانوں کے لئے چھیروں کا سامان جمع ہو گیا۔ بعض مرہٹے ننگے ہو گئے اور منہ میں تنکا لے کر دکنیوں کے دستور کے موافق پناہ مانگنے لگے۔ غرض چوک سعد اللہ خاں سے ان کی بنگاہ تک جو تین چار کروہ (کوس) پر تھا سب جگہ مرہٹے قتل ہوئے۔

خافی خاں بچشم خود مشاہدہ کر کے لکھتا ہے کہ پندرہ بیس مرہٹوں کے سواروں میں ایک آفتاب گیر ہوتا ہے۔ اور وہ ان کا سرمایہ فخر ہوتا ہے۔ چار پانچسو آفتاب گیر پڑے ہوئے تھے۔ مقتولوں کے گھوڑوں اور گھوڑیوں کے خوگیروں میں اکثر لوٹ کا زر و زیور تھا۔ اور ان کی کمروں میں روپیوں اور اشرفیوں کی ہمیانیاں تھیں جو انھوں نے راہ میں راجہ جے سنگھ کے دیہات اور مسافروں سے لوٹی تھیں۔ یہ سب بازار کے لچوں اور بیکاروں

مغلوں کے ہاتھ آئیں۔ پندرہ سو پیادے اور سوار اور ستا سردار اور دو تین اور نامور سردار اُن کے زخمی اور کشتہ ہوئے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو مرہٹے ہمیشہ شیخی مارا کرتے کہ ہم نے پایہ تخت میں جا کر ایک بادشاہ کو مقید کیا دوسرے بادشاہ کو تخت پر بٹھایا۔[1]

غرض مرہٹوں کی طرف سے یا سکھوں یا مسلمان گورنروں کی طرف سے جو بھی بغاوت اور سرکشی نمودار ہوئی وہ دبادی گئی۔ امن وامان بحال کر دیا گیا۔ مگر افسوس جو چیز نہ دب سکی۔ وہ دربار کا فتنہ تھا شیعہ اور سنیوں کا مناقشہ تھا۔

## زوالِ مغلیہ کا ایک اور سبب

جو جہاندار شاہ معزالدین کے زمانہ سے پیدا ہوا تھا۔ وہ یہ تھا کہ شاہزادوں کو حکومت کے منصبوں سے الگ کر دیا گیا۔ ان کو قتل کر دیا گیا۔ باقی ماندہ کو قید کر دیا گیا۔ کچھ کو اندھا کر دیا گیا۔ کچھ کو بدستور جیل خانوں میں رکھا گیا۔ ان کی زندگی زنانہ ہوئی۔ طبیعت آرام طلب۔ بزدل۔ پست ہمت۔ ڈرپوک۔

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جب نظامِ سلطنت کا مدار دولت اور آراء پر نہ ہو۔ بلکہ سیف وسنان پر ہو۔ تو بادشاہ کو بہترین سپاہی اور اعلیٰ مدبر ہونا چاہیئے۔ چنانچہ سلاطین مغلیہ کا یہی دستور رہا کہ وہ شاہزادوں کو بڑے بڑے معرکوں میں بھیجتے۔ بڑے بڑے صوبوں پر گورنر مقرر کرتے۔ وہ اپنی شجاعت اور شوق ملک گیری میں اپنے باپ کے مقابلہ پر بھی آجاتے۔ بغاوت کرتے۔ مگر یہ سب چیزیں ایک ہنر مانا جاتا

---

[1] تاریخ ہندوستان ج ۹ صفحہ ۳۴ و صفحہ ۳۱۔

اس کا فائدہ یہ بھی ہوتا کہ وہ اس عرصہ میں جہانگیری اور جہانداری کے دستور سے پوری طرح واقف ہو جاتے اور جب وہ اپنے باپ کے مقابلہ پر بغاوت کرتے تو ان کو اپنے دوست اور دشمن کا بھی صحیح اندازہ ہوتا۔ وہ زمانہ شاہزادگی میں ہی وزارت کا پورا کابینہ مرتب کر لیتے۔ جہانگیر، شاہجہاں، عالمگیر کی سوانح اس دعوے کی کھلی کھلی دلیلیں ہیں۔ فرخ سیر کو بھی یہ نوبت ضرور آئی تھی کہ وہ ایک عرصہ تک بنگال کا گورنر رہا۔ مگر بدقسمتی یہ کہ وہ اپنی طبیعت سے ناسمجھ واقع ہوا تھا۔ جس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے بادشاہ بنانے کے لئے اس کی ماں کا مشورہ بہت زیادہ کارفرما تھا۔

جو صاحبزادہ اماں جان کے مشورے سے بادشاہ بنے وہ کیا بادشاہی کر سکتا ہے۔ دوسری حماقت کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ تخت دہلی حاصل کرنے میں وہ پیش پیش نہیں رہا۔ بلکہ عبد اللہ خاں اور حسین علی خاں کو آگے رکھا اور جب ان دونوں کی کوشش سے صاحب تاج و تخت ہو گیا تو پھر ان دونوں کے اقتدار کو مٹانے کی فکر کرنے لگا۔ اگر ان کے ساتھ ہی رہتا تو اگرچہ حکومت پر اقتدار شیعوں کا تھا مگر بہرحال سلطنت تو باقی رہتی۔ دوسری حماقت خود اپنے دل سے یا شیعہ وزراء کے مشورہ سے یہ کی کہ شاہزادوں کو ختم کر دیا۔ باقی ماندہ کو مقید کر دیا۔ اب آئندہ جن بادشاہ صاحب کا ذکر آئے گا۔ وہ وہ ہیں جو آئندہ سے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ فتح پور کے قلعہ میں مقید رہے۔ لامحالہ طبیعت زنانہ تھی بادشاہ بننے کے بعد عیش و ترنگ کی سوجھی۔ نہ سلیقۂ حکومت تھا نہ حکومت سنبھال سکے۔

(۱۴) کچھ نادان، یہ الزام عالمگیر پر لگاتے ہیں کہ اس نے شاہزادوں

کی تربیت درست نہیں کی۔ مگر عالمگیرؒ کے متعلق یہ الزام قطعاً غلط ہے۔ اس نے تو نہ صرف بیٹوں کو بلکہ پوتوں کو بھی گھر میں نہیں رہنے دیا۔ برسرِ حکومت ہی رکھا اور پھر ان کی نگرانی ایسی کرتا رہا کہ اگر کسی شاہزادے کے لباس میں بھی کوئی غیر مناسب بات معلوم ہوئی تو فوراً اس کو تنبیہ کی گئی خواہ وہ شاہزادہ عالمگیر سے ہزاروں کوس ہو مگر اس کے پرچہ نویس جزوی جزوی معاملات کی اطلاع عالمگیر کو دیدیتے اور عالمگیر اُن اطلاعات کے بموجب ہدایات نافذ کرتے۔

تعصب کے اندھے حضرت عالمگیرؒ پر الزام لگاتے کہ اُن کے عہد حکومت میں اہل ہنود کو بد دلی پیدا ہو گئی مگر اس الزام کی سراسر تردید اس سے ہو جاتی ہے کہ اس کی وفات پر کسی ایک ہندو نے بھی تو دلی کا رخ نہیں کیا۔ اور اگر شاہ عالم کے زمانہ میں شیعہ سنی فساد بر روئے کار نہ آتا تو شاہنشاہیت کی شوکت میں کئی پشت تک کوئی فرق آنے والا نہیں تھا۔

علاوہ ازیں آپ نے دیکھا اور آئندہ ملاحظہ فرمائیں گے کہ اگرچہ سلطنت کی باگ ڈور، وزراء کے ہاتھ میں تھی، وہ جس کو چاہتے بادشاہ بنا دیتے جس کو چاہتے تخت سے اُتار کر قید کر دیتے قتل کرا دیتے۔ مگر یہ ہمت نہ تھی کہ عالمگیر کی اولاد کے ماسوا کسی اور کو بادشاہ بنا دیں کیونکہ ملک تسلیم کر چکا تھا کہ تخت دہلی کی وراثت صرف عالمگیر کی اولاد کو حاصل ہے۔ تم نے اوپر پڑھا کہ فرخ سیر کی گرفتاری پر بلوہ شروع ہو گیا مگر جوں ہی رفیع الدرجات کی تخت نشینی کا اعلان ہوا، امن و امان ہو گیا۔

رفیع الدرجات مدقوق تھا۔ بیمار تھا۔ مگر محبوب اور پسندیدہ وجہ یہ تھا کہ عالمگیر کی اولاد میں سے تھا۔ ملک کو اس کی پرواہ نہیں تھی کہ فرخ سیر

کو کیوں گرفتار کیا گیا۔ ہاں مؤرخین کی تصریحات کے بموجب اس پہ ملک آمادہ نہ تھا کہ عالمگیر کی اولاد کے سوا کوئی اور بادشاہ بنایا جائے۔

بہر حال ایک بنیادی سبب یہ ہے کہ جن کو تخت پر بٹھایا گیا وہ تخت کے اہل نہ تھے۔ مگر اس کا اصل سبب بھی شیعہ گردی ہی تھی۔ مذکورہ بالا تحریر کے علاوہ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ فرخ سیر کے بعد شیعوں نے بھی ایسے شاہزادوں کو تاج و تخت کے لئے منتخب کیا جو ناتجربہ کار، بھولے بھالے اور سادہ لوح ہوں تاکہ ان کے اقتدار پر کوئی اثر نہ پڑ سکے۔ بلاشبہ بادشاہوں کی بدسلیقگی کا الزام خود ان بادشاہوں سے زیادہ ان پر ہے جنھوں نے ان کو بادشاہ بنایا۔

# مرزا روشن اختر ابوالفتح ناصر الدین محمد شاہ

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ دورِ سادات کا بدترین کارنامہ یہ تھا کہ انھوں نے شاہزادوں کی زندگی زنانہ بنا دی۔ شجاعت، بہادری، آئین جہانبانی کے اوصاف ان سے سلب کر دیئے۔ اس کی پوری مثال یہ شاہزادہ محترم ہیں جن کی سلطنت کا دور ۱۵ ذیقعدہ ۱۱۳۱ھ مطابق ستمبر ۱۷۱۹ء سے شروع ہوتا ہے۔

آپ کا اسم گرامی روشن اختر ہے۔ آپ خجستہ اختر کے صاحبزادے ہیں جو شاہ عالم عرف بہادر شاہ کے سب سے چھوٹے اور چہیتے بیٹے تھے۔ آپ کے والد صاحب بھی معز الدین جہاں دار اپنے بڑے بھائی کی آغاز سلطنت کی بھینٹ چڑھ چکے تھے۔

شاہزادہ روشن اختر ۱۵ ذی قعدہ ۱۱۱۴ھ کو پیدا ہوئے تھے۔

۲۰ محرم سنہ ۱۱۲۳ھ آپ کے عم محترم معزالدین جہاں دار شاہ کی تخت نشینی اور
آپ کی گرفتاری کی تاریخ ہے یعنی ۹ سال ۲ ماہ ۵ یوم کی عمر میں آپ کو آپ
کی والدہ قدسیہ بیگم کے ساتھ قلعہ سلیم گڈھ میں قید کر دیا گیا تھا۔ آپ کی عمر
اس وقت ۱۷ سال تھی۔ ۸ سال آپ قید میں رہے۔ جب رفیع الدولہ کا
مرض لاعلاج معلوم ہوا۔ موت کا یقین پختہ ہو گیا۔ تو پھر ضرورت پڑی کہ
عالمگیر کی اولاد میں سے کوئی شاہزادہ ہو جس کو کاٹ کا الو بنا کر زیب تخت
کر دیا جائے۔ شاہزادہ روشن الدولہ کے علاوہ کوئی شاہزادہ میسر نہ
آتا تھا۔ چنانچہ ماہ شوال کے آخر میں غلام علی خاں پسر خانجہاں خاں کو
فتح پور بھیجا گیا کہ شاہزادہ کو لائیں۔

شاہزادہ کی ماں نواب قدسیہ بیگم۔ عاقلہ۔ اور ہوشیار تھی۔
زمانہ کی بوقلمونی۔ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر کہا
برائے خدا اس یتیم کو اپنے حال پر رہنے دو مجھے اس یتیم کے لئے تاج
شاہی نہیں چاہئے خدا کے لئے اس کا سر سلامت رہنے دیجئے مجھے وہی
تاج سے پیارا ہے۔

تب امراء دولت نے بہت کچھ عہد و پیمان کر کے اس کو تشفی و
تسلی دلائی۔

قلعہ شاہجہان آباد میں ابھی روشن اختر طلوع نہ ہوا تھا کہ رفیع الدولہ
کو آفتاب حیات غروب ہو گیا۔ چنانچہ پہلے گذرا ہے کہ کسی شاہزادہ کی
تخت نشینی ہونے تک اس کی نعش مخفی رکھی گئی۔ موت کی خبر نہیں دی گئی۔
کسی نے جلوس کی تاریخ موزوں کی ہے

روشن اختر بود اکنوں ماہ شد یوسف از زنداں بر آمد شاہ شد

(۱۱۳۱ھ)

اس تاریخ میں "دو سال" زائد ہیں۔ ایک شخص نے اس شعر کے پیش نظر یہ تاریخ نکالی۔ چو خواہد کہ ویراں کند عالمے (۱۱۳۱ھ)

نہد ملک در پنجۂ ظالمے

یعنی ملک کے عدد پنجہ ظالم کے عدد میں زیادہ کریں تو تاریخ کے سنہ حاصل ہو جاتے ہیں۔

یہ شاہزادہ قید خانہ کی کوٹھری سے نکل کر ہندوستان کے تخت پر بیٹھا۔ مگر سیدوں کی قید سے رہائی نہ ہوئی۔ سیدوں نے اس کے گرد اگرد اپنا پہرہ۔ چوکی۔ جمائے رکھا۔ انھیں کی نگرانی میں کبھی باغ کی سیر کو جاتا۔ کبھی چڑیا گئے شکار کو۔ محل سے نکلا تخت پر بیٹھا۔ تخت سے اترا محل میں چلا گیا۔ وہ حیران تھا کہ میں ہندوستان کا بادشاہ ہوں یا بساطِ شطرنج کا۔ شاہزادہ زیادہ ذکی اور ذہین نہ تھا مگر اتنا ناسمجھ بھی نہ تھا۔ ابتدا میں فراست اور عقل کا اظہار کیا مگر لاڈوں سے پلے ہوئے تھے۔ کچھ شوق شراب پیدا ہوا۔ اور پھر جام و سبو کے ایسے متوالے بنے کہ سب کچھ اسی پر قربان کر دیا۔

قدسیہ بیگم۔ ملکی معاملات کی باریکیوں کو خوب سمجھتی تھی۔ بلا کی صائب اور فہم رسا کی مالک تھی۔ اس نے مصلحت وقت کے بموجب پورے احتیاط سے کام لیا۔ سیدوں کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہیں ہونے دیا۔ پندرہ ہزار روپیہ ماہانہ اس بیگم کو ملتا تھا۔

## ارکین دولت اور دربار

حسین علی خاں بدستور امیرالامرائ تھے۔ وزارت عظمیٰ کے مالک

قطب الملک کے باقی تمام عہدے بھی بظاہر بدستور رکھے گئے۔ البتہ تاریخ ہندوستان میں یہ اضافہ ہے کہ میر جملہ کو صدر کل کی خدمت سپرد ہوئی۔ سیر المتاخرین کی درج ذیل عبارت خاص طور پر قابل توجہ ہے:۔

بندوبست کلاں بارہ و نظارت و عہدہ داران بدستور ہر دو بادشاہزادہ حاے مغفور مذکور باختیار معتمدین سلطنت مقرر ماند۔ خواجہ سرایاں وخواص و فیلبانان و مردم خاص جلو روز سواری و باورچی و رکابدار و فراش وغیرہ عملہ از نوکران سید عبد اللہ خاں برادر بزرگ کا ہے منصوب بودند۔ و ہمت خاں برادر اتالیقی بادشاہ و چار پنج خدمت حضور و صاحب اختیار ے و دیوان خاص و عام از طرف سادات مقرر بود۔ ؎

غرض بھنگی۔ نقیے۔ باورچی سے لیکر خواص مقربین۔ اور وزراء امراء تک۔ ان سیدوں ہی کے مخصوص آدمی مامور تھے اور بادشاہ سیدوں کی بتیسی کے بیچ میں زبان کا لوتھڑا بنا ہوا تھا۔

رتن چند کل امور ملکی، مالی اور شرعی پر یہاں تک کہ شہروں کے قضاۃ وغیرہ اور ارباب عدل کے معین کرنے میں غرض جملہ درباری امور میں اس درجہ قابو یافتہ اور قابض ہو گیا تھا کہ تمام بادشاہی متصدی معطل ہو گئے تھے۔ صرف دستاویزوں پر مہریں ان کی لگتیں اور کام وہ ہوتا جو رتن چند چاہتا تھا۔

ایک دن رتن چند نے کسی شہر کی قضاء کے لئے ایک شخص کو مقرر کیا۔ جب حکم نامہ پر عبد اللہ کے دستخط کرانے کے لئے آیا تو سید عبد اللہ نے مسکرا کر کہا کہ

---

؎ سیر ص ۴۴۴ ج ۲۔

ہمارے رتن چند تو قاضی اور جج بھی مقرر فرمانے لگے۔ ایک مصاحب نے برجستہ جواب دیا کہ راجہ صاحب ملکی اور دنیوی امور سے فارغ ہو چکے اب دینی کاروبار کے انتظام میں مشغول ہوئے ہیں۔

الحاصل دربار میں اوس وقت وہ کیفیت تو نہ تھی کہ سنی اور شیعی تصوں کا رزمگاہ ہو۔ تمام انتظام اور قوت شیعوں کے ہاتھ میں تھا مگر سب سے بڑی قباحت یہ تھی کہ ان سادات کرام نے بیچارے بادشاہ کو اس درجہ مقید اور مجبور کر دیا کہ اپنی بے بسی پر ضبط کرنا امکان سے باہر ہو گیا۔ اب وہ اور اس کی ماں قدسیہ بیگم اس مہذب گرفتاری سے نجات کی صورتیں سوچنے لگے۔ اعتماد الدولہ محمد امین خاں ان کا ہمراز تھا جو کبھی کبھی ترکی زبان میں محمد شاہ کے ساتھ گفتگو کر لیتا تھا۔ سید برادران جس طرح بادشاہ پر قابض تھے ایسے ہی ان کی کوشش تھی کہ تمام ملک کے امراء دولت اور گورنر ان کے ہاتھ میں کٹ پتلی بن جائیں۔ اس کے لئے لامحالہ کچھ کی تبدیلی ضروری تھی۔ کچھ کی علیحدگی وغیرہ وغیرہ

چنانچہ سب سے پہلے سید حسین علی خاں نے نظام الملک چین قلیچ خاں پر ہاتھ صاف کرنا چاہا۔ جو آجکل مالوہ کی گورنری پر فائز تھے۔

چنانچہ نظام الملک کے پاس حسین علی خاں کا مکتوب پہنچا کہ ہم چاہتے ہیں کہ صوبہ داری دکھن اور اطراف دکھن و مالوہ پر بذات خود رہیں اور آپ صوبہ الہ آباد۔ ملتان۔ آگرہ۔ یا برہان پور۔ میں سے جس کو چاہیں منتخب فرمالیں۔

نظام الملک پچھلے دنوں ان اطراف سے علیحدہ رہا تھا۔ حسین علی خاں گورنر رہے تھے تو تمام نظام خراب اور برباد ہو گیا تھا۔ اب نظام الملک نے دوبارہ پہنچ کر بڑی جانفشانی اور محنت سے ان اطراف کی اصلاح کی تھی۔

علاوہ ازیں سلطان عالمگیرؒ کے زمانہ کا باقتدار عمر رسیدہ۔ شریف الطبع باخلاق۔ صاحب علم و زیرک تھا۔ اب تک دربار سے کسی قسم کی سرتابی نہیں کی تھی۔ اُس پر اس غریب کی یہ قدر۔ لامحالہ ناگواری کا سبب بنتی۔ چنانچہ اُس نے ایک خط امیر الامراء اور قطب الملک کے نام لکھا جس میں بقول سیر المتاخرین کچھ کلمات رعونت آمیز تھے۔ اور پیشانی پر یہ شعر تھا۔

من بے وفانیم بوفائے خورم قسم   من چو شمانیم بشمائے خورم قسم

اس پر دونوں بھائیوں نے نظام الملک کے وکیل خاص کو خلوت میں طلب کر کے نظام الملک کے متعلق بہت سخت اور سست کلمات کہے۔ ایک خاص خار ان دونوں بھائیوں کے لئے یہی تھا کہ پرانے زمانہ کے حکام اور امراء جو بچے بچائے نظام حکومت میں اب تک داخل اور شامل تھے وہ نظام الملک کی بہت زیادہ قدر کرتے تھے کیونکہ اس نے اخلاق۔ ہمت۔ دیانت اور اوصاف اسی قسم کے پائے تھے۔

مزید براں بادشاہ کے دستخط خاص کے کچھ پرچے محمد امین اعتماد الدولہ کی معرفت نظام الملک کے پاس پہونچے کہ ان نمک حراموں کے تسلط کے باعث نماز جمعہ کے علاوہ کسی حکم کے جاری کرنے کا مقدور نہیں۔ ان تمام چیزوں نے نظام الملک کو مجبور کیا کہ اللہ پر بھروسہ کر کے بادشاہ کی امداد کرے اور نظام وزارت میں اطمینان بخش انقلاب پیدا کر دے۔ سیر المتاخرین کے الفاظ جملہ اسباب کی طرف مختصر طور سے اچھا اشارہ کر رہے ہیں:-

بعد رسیدن خبر گفتگوئے سادات بنظام الملک و تحریک نہانی بادشاہ بوساطت محمد امین خان اوشارالیہ را جاہ و اقتدار و اکرمے

خود جمیع امرا مغلیہ و غیر ہم منحصر در انعدام و اعدام امیرالامرا و قطب الملک دیدہ و از تسلط سادات و رتن چند و راجا جیت سنگھ دل تنگ گردیدہ بصلاح ہمدمان صاحب راز و رفیقانِ جان باز چارۂ کار منحصر دران دانست کہ توکل بر نصرت و بخت و طالع نمودہ علمِ منازعت برافرازد۔

نظام الملک کو جب سید برادران کی اس گفتگو کا علم ہوا اور پوشیدہ تحریک کا بھی پتہ چلا جو بادشاہ کی طرف سے محمد امین کی معرفت چل رہی تھی تو خود اپنی عزت و اقتدار اور نیز تمام مغل اور غیر مغل امرا کی عزت و آبرو کی حفاظت صرف اسی میں منحصر دیکھی کہ امیرالامرا اور قطب الملک (حسین علی خاں اور عبداللہ خاں) کا قصّہ تمام کیا جائے یہ سادات۔ رتن چند اور راجہ اجیت سنگھ کے تسلط سے سب کا دل تنگ ہو چکا تھا لہٰذا ہمدمانِ صاحب راز اور رفیقانِ جاں باز کے صلاح مشورہ سے یہی طے کیا کہ نصرتِ خداوندی اور اپنی قسمت پر بھروسہ کر کے علمِ منازعت بلند کیا جائے۔ اور ان کا مقابلہ شروع کر دیا جائے۔

چنانچہ۔ نظام الملک مصمم ارادہ اور مناسب انتظام کے ساتھ مالوہ سے روانہ ہوا اولاً برہان پور کا قلعہ فتح کیا۔ پھر سید دلاور علی خاں بخشی امیرالامرا۔ اور سید عالم علی خاں افسرانِ فوج کو جو سید حسین علی خاں کے مایہ ناز رفقا رہتے۔ اور سرمایۂ عُجب و افتخار تھے شکست دیکر ان کو قتل اور ان کی فوج کو برباد کیا۔ اسی طرح مہاراؤ بھیم سنگھ ہاڈہ راجہ کوٹہ گج سنگھ کھیکوار وغیرہ کو جو سیدوں کے ممد و معاون تھے

شکست و برباد کیا۔ اور سمندر کے طوفان کی طرح بڑھتا ہوا۔ دہلی کیطرف کوچ بہ کوچ کرنے لگا۔

قطب الملک اور امیر الامراء نے اولاً تو اپنے مذکورہ بالا ساتھیوں کے ذریعہ سے کامیابی کا تصور جاری رکھا تھا لیکن جب معاملہ اس کے برعکس نظر آیا تو اب طے یہ ہوا کہ سید عبداللہ قطب الملک دہلی میں ہیں اور امیر الامراء کو ساتھ لے کر بادشاہ بہ نفس نفیس نظام الملک کی سرکوبی کے لئے روانہ ہو چنانچہ ڈیڑھ دو لاکھ جمعیت عظیم الشان توپ خانہ اور ہر قسم کے جنگی سامان کے ساتھ بادشاہ دہلی سے روانہ ہو کر فتح پور سے بھی ۳۵ کوس آگے بڑھ کر خیمہ زن ہوا تھا کہ اعتماد الدولہ محمد امین خاں اپنی مخفی سازش میں کامیاب ہوا جس کی صورت یہ ہوئی کہ امیر الامراء جب بادشاہ کو محلسرا میں داخل کرنے کے بعد اپنے خیمہ کو واپس جا رہا تھا تو میر حیدر خاں جو حسین علی خاں کا پہلے سے روشناس تھا۔ دور سے نظر آیا اور ایک کاغذ درخواست کا دکھایا۔ امیر الامراء کے چوبداروں اور نقیبوں نے آگے بڑھنے سے روکا مگر حسین علی خاں کے سر پر قضا کھیل رہی تھی اس نے میر حیدر خاں کو اجازت دے دی میر حیدر نے پالکی کے پاس پہونچ کر ایک درخواست پیش کی اور محمد امین کی شکایتیں کرنے لگا۔ غرض اس طرح امیر الامراء کو غافل کر کے چستی اور چالاکی سے خنجر آبدار امیر الامراء کے پہلو میں مارا۔ جس سے حسین علی خاں کا کام تمام ہو گیا۔ نور اللہ جو امیر الامراء کا بھتیجا ہوتا تھا اور پالکی کے آس پاس کے پیادے لپکے۔ انھوں نے میر حیدر کو بھی ختم کر دیا اس طرح قاتل و مقتول دونوں کا قصہ ختم ہوا۔

**خطابات اور عہدے** آج بادشاہ کو آزادی کے ساتھ سانس لینے کا موقعہ ملا۔ مگر اس صورت میں کہ خزانے خالی ہیں۔ تمام محلسرا اور قلعہ تاراج ہے۔ شاہی خاندان پراگندہ ہے بہرحال خود اس نے اپنے طور سے خطابات اور عہدے تفویض کئے چنانچہ اعتماد الدولہ محمد امین خاں ہشت ہزاری ہشت ہزار سوار دو اسپہ۔ کا منصب اور ڈیڑھ کروڑ دام نقد انعام عنایت فرمایا۔ وزارت عظمےٰ کے مرتبہ عظیم اور وزیر الممالک بہادر ظفر جنگ کے لقب سے سرفراز کیا۔ صمصام الدولہ کو میر بخشی بنایا گیا۔ امیر الامراء کا خطاب اور ہشت ہزاری کا منصب بخشا گیا۔ محمد امین خاں کے بیٹے قمر الدین خاں کو بخشی دوم داروغہ غسل خانہ بنایا گیا اور کچھ اور خدمات سپرد ہوئیں۔ حیدر قلی خاں کو ناصر جنگ کا خطاب اور منصب ہفت ہزاری۔ تیس ہزار سوار مرحمت ہوا۔ اس کے بعد ان کو ہشت ہزار مقرر کر دیا گیا[1] سعادت خاں کو پنج ہزاری کا عہدہ اور بہادر کا اور پھر بہادر جنگ کا خطاب مرحمت ہوا اور داروغگی خواص مرحمت ہوئی[2] یہ وہی سعادت خاں ہیں جو بعد میں برہان الملک کے خطاب سے مشہور ہوئے۔ اعتماد الدولہ نے رتن چند کے نام لطف آمیز پیغام بھیجا۔ مگر وہ یہ خیال کئے ہوئے تھا کہ انقلاب کے بعد زندگی ناممکن ہے، وہ پالکی میں بیٹھکر روانہ محل شاہی ہوا۔ بازار میں مغلوں اور آوارہ لوگوں نے اس کو پالکی سے اتار کر خوب جوتی ہزار، لات مکوں سے خبر لی اور اس کے کپڑے اتار کے ننگا کر دیا۔ جب اس کو برہنہ بدن اعتماد الدولہ کے پاس لائے تو اس نے اس کو کپڑے دے اور طوق و زنجیر کا زیور اس کے

---

[1] سیر ج ۱ ص ۶۳ [2] ایضاً۔

اور نہ زیادہ کیا۔ آں را کہ چناں کند چنیں آید پیش

## سلطان محمد ابراہیم اور سید عبداللہ قطب الملک

دہلی میں عبداللہ خاں کو بھائی کے مرنے کی خبر ملی تو اپنی فکر پڑی ۔ ایک جدید انقلاب کی سوجھی مگر سید عبداللہ خود بادشاہت کا دعوے کردیں تو کون تسلیم کرے۔ اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ عالمگیر کی اولاد کا کوئی شاہزادہ تلاش کیا جائے۔ چنانچہ ہر ایک شاہزادہ کی ڈیوڑھی پر تخت و سلطنت کا تحفہ لے کر گھومے مگر کوئی بھی آمادہ نہ ہوا۔ قضا کار محمد ابراہیم پسر رفیع الشان اس پر آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ ۱۱ر ذی الحجہ ۱۱۳۲ھ کو ابراہیم کو مسند آرائے سلطنت دہلی کر دیا گیا۔ لیکن افسوس سید عبداللہ کی یہ تدبیر کار گر نہ ہوئی۔ اگرچہ فوج پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا۔ مگر بھرتی ہونے والے یہی سوچ کر بھرتی ہو رہے تھے کہ عبداللہ کا وقت تنگ ہے جس قدر روپیہ کھسوٹا جاسکے کھسوٹ لو۔ اور پھر عبداللہ کے پاس کروڑوں روپیہ کی دولت اسی دن کے لئے تھی۔ جب وہ فوج پر بے شمار اور بے تعداد خرچ کر رہا تھا تو اس سے کہا گیا کہ اس اسراف کی کیا ضرورت ہے۔ جواب دیا۔ اگر وزارت پر ہم دوبارہ قابض ہو گئے تو پوری شہنشاہیت کے خزانے ہمارے قبضہ میں ہوں گے۔ اور اگر ناکامی رہی تو ہماری دولت ضبط و برباد ہوگی لہذا خود ہی خرچ کردیں۔

بہر حال روپیہ بھی بہت کافی خرچ کیا۔ مقابلہ بھی خوب کیا مگر اقبال منہ موڑ چکا تھا۔ شکست پر شکست ہوتی رہی۔ حتیٰ کہ عبداللہ خاں

گرفتار ہوئے۔ مگر غالباً یہ قدسیہ بیگم یا محمد امین اعتماد الدولہ کی شرافت تھی کہ اس مرتبہ گرفتار شدگان کو قتل نہیں کیا۔ سلطان محمد ابراہیم۔ عبداللہ۔ رتن چند۔ وغیرہ سب ہی گرفتار ہوئے مگر قتل کسی کو نہیں کیا گیا۔

## محمد شاہ کے زمانے کے اہم واقعات

روشن اختر محمد شاہ کی روشن تاریخ کے روشن واقعات حسب ذیل ہیں۔

(۱) سادات بارہ کا زوال۔ جس کا ذکر پہلے گزرا۔ (۲) سلطنت دہلی کے حصے بخرے اور صوبوں کا استقلال (۳) نادرشاہ کا حملہ اور دہلی میں قتل عام۔ (۴) مرہٹوں کی یورش دہلی پر (۵) احمد شاہ کا حملہ ہندوستان پر۔

سادات کے زوال کا تذکرہ پہلے گذرا۔ باقی تین نمبروں کے بیان کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ دربار کی حیثیت اور اُس زمانے کی پارٹیوں کا مجمل تذکرہ کر دیا جائے۔

## (۱) دربار کی حیثیت

شیعہ سنی جماعتوں کے لحاظ سے اس مرتبہ کابینہ وزارت یا دربار کی حیثیت حسب ذیل تھی۔

### سنی

۱۔ محمد امین خاں[۱] اعتماد الدولہ۔ دو تین ماہ بائیس روز وزیر اعظم رہا پھر وفات ہو گئی ؛ تاریخ وفات ۲۹ محرم ۱۱۳۲ھ سنی ملک[۲]

۲۔ نظام الملک آصف جاہ۔ جو ۱۱۲۳ھ میں برطرف کیا گیا تھا۔

۳۔ قمر الدین خاں۔ پسر محمد امین خاں جو آصف جاہ کے بعد وزیر اعظم

[۲] سیر ص ۶۹۵ - حاشیہ نمبر ۱ صفحہ ۲۰۶ پر ملاحظہ فرمائیے۔

مقرر کیا گیا۔

۴۔ صمصام الدولہ۔ امیرالامراء

**شیعہ**

۵۔ حیدر قلی خان ناصر جنگ میر آتش

۶۔ سعادت خاں بہادر جنگ دارو غہ خواصان برہان الملک۔

۷۔ صفدر جنگ

مختصر یہ کہ محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں اگرچہ امارت کبرٰی اور وزارت عظمٰی سنیوں سے وابستہ ہوئی مگر شیعوں کی طاقت بھی ٹکر کی رہی۔

---

بقیہ حاشیہ صـ۲۰۵) لـه محمد امین خاں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی کی اولاد میں سے ہیں۔ دادا کا نام شیخ عالم تھا۔ جن کے دو بیٹے تھے میر شہاب الدین۔ میر بہاؤ الدین۔ میر شہاب الدین کے پوتے نظام الملک تھے۔ جن کا مفصل ذکر آگے آئے گا (انشاء اللہ) میر بہاؤ الدین کے صاحبزادے محمد امین خاں ہیں۔ اپنے چچا غازی الدین کے بلانے پر ۱۱۰۵ھ عہد عالمگیری میں ہندوستان آئے اور شاہی ملازمت اختیار کی۔ محمد امین خاں کے صاحبزادے میر محمد فاضل ہیں جن کا خطاب اعتماد الدولہ وزیر الملک قمر الدین خاں چین بہادر نصرت جنگ ہے (عماد السعادت) صاحب عماد السعادۃ کی تحقیق یہ ہے کہ شیخ شہاب الدین سہروردی اور مولانا روم اور خواجہ عبداللہ احرار حضرت باقی (حاشیہ صفحہ صـ۲۰۷ پر ملاحظہ فرمائیے)

بقیہ ص۲۰۵ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہم کی نسل سے ہیں۔ واللہ اعلم۔

لہ صفحہ ۲۰۷ - صمصام الدولہ۔ حضرت خواجہ علاؤالدین عطار کی اولاد میں سے ہیں۔ دعماد السعادت) اصل نام عاشم ہے دعماد السعادت میں عاشم کے متعلق تین احتمال بیان کئے ہیں (۱) عاصم کا آشم کرلیا گیا (۲) آثم (۳) عربی لفظ نہیں۔ کیونکہ اکثر کتابوں میں اسی طرح عین اور ثار کے ساتھ ہے صد۲۳) خواجہ علاؤالدین سید تھے۔ ان کی شادی خواجہ بہاؤالدین نقشبند کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ چونکہ حضرت خواجہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ کے اولاد نہ تھی تو انھوں نے داماد کو اپنا جانشین بنا دیا تھا۔ اسی نسبت سے حضرت عطار کی اولاد کو بھی نقشبندی کہتے ہیں حضرت عطار کی اولاد میں سے کوئی صاحب ہندوستان میں تشریف لائے۔ اول اول پنجاب میں ایک محلہ میں قیام فرمایا جس کا نام بہرہ کشاب تھا۔ ان کے پوتے پنجاب چھوڑ کر بنگال چلے گئے۔ تین پشتیں وہاں گزریں پھر انکی اولاد میں سے کوئی بزرگ اکبر آباد (آگرہ) چلے آئے۔ یہاں خواجہ قاسم کی پیدائش ہوئی جو صمصام الدولہ کے والد ماجد تھے۔ خواجہ قاسم کے تین بیٹے ایک بیوی سے تھے۔ خواجہ الور۔ خواجہ باقر۔ خواجہ جعفر۔ اور دو بیٹے دوسری بیوی سے خواجہ مظفر اور خواجہ عاشم خواجہ الور نے بہت کچھ دولت حاصل کی۔ ان کی وفات کے بعد یہ دولت خواجہ آثم کو ملی چونکہ خواجہ آثم نے

(بقیہ صد۲۰۸ پر)

# ہندوستان کے صوبے اور صوبہ دار

**نوابان روہیلکھنڈ** صوبہ۔یو۔پی کے شمالی مغربی حصہ میں آجکل بریلی۔ رام پور ریاست ۔ مراد آباد اور بجنور رہ آباد ہیں ۔ جو متمدن اور زرخیز اضلاع ہیں ۔ یہ تمام اضلاع کوہ ہمالیہ کے دامن میں واقع ہیں۔ سلاطین مغلیہ کے عہد سے پہلے یہاں گھنے جنگلات تھے۔ سنبھل اور امروہہ، اس علاقہ کے پرانے مقامات ہیں اس علاقہ میں ایک قوم رہتی تھی جس کو کیٹھر کہا جاتا تھا۔ یہ قوم متمرد تھی۔ اور چونکہ اس کا مسکن جنگلات اور پہاڑی علاقہ تھا۔ اس لئے اس پر قابو پانا بھی مشکل تھا۔ اسی لئے امروہہ سنبھل میں خاص طور سے چھاؤنی رہا کرتی تھی۔

---

بقیہ صفحہ ۱۶۱

سلطنت کے انقلاب میں حصہ لیا فرخ سیر کی امداد کی لہذا ان کو صمصام الدولہ خاندوران کا خطاب۔ اور ہفت ہزاری ششش ہزار سوار کا منصب عطا کیا (سیر المتاخرین ص $\frac{19}{1}$ ج)

پھر محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں امیر الامراء اور میر بخشی گری کا منصب تفویض ہوا۔

ان کی ایک خاص پارٹی تھی جس کو بانکہ کہا جاتا تھا مگر یہ بانکہ عرف عام کے بانکے کے برعکس ۔ نہایت خلیق بہادر اور خادم خلق ہوتے تھے۔

سابق زمانہ میں بجنور کا نام مدینہ تھا جس کی مناسبت سے اخبار مدینہ کا نام قدرے تبدیلی سے مدینہ رکھ لیا گیا۔

**وجہ تسمیہ** روہ۔ افغانستان میں کوہستان کا ایک وسیع سلسلہ ہے جس کے شمال میں کوہ کاشغر جنوب میں لیکر اور بلوچستان مشرق میں کشمیر۔ اور مغرب میں دریاء ہلمند ہے۔ جو قندھار کے قریب بہتا ہے۔ اس علاقہ کے رہنے والوں کو روہیلہ کہتے ہیں تم پہلے پڑھ چکے ہو کہ فرخ سیر نے حسین علی خاں کو جب دکن کا صوبہ دیا تو قلیچ خاں نظام الملک کو دکن سے بدل کر مراد آباد بھیج دیا تھا۔ اس کے بعد رکن الدولہ کو یہ علاقہ تفویض ہوا تو مراد آباد کا نام رکن آباد بھی فرخ سیر نے تجویز کیا تھا۔ مگر عرف عام نے اس نام کو قبول نہیں کیا۔

اسی زمانہ میں علاقہ روہ کا رہنے والا داؤد خاں نامی یہاں آیا۔ چونکہ وہ روہیلہ تھا اس کی مناسبت سے اس علاقہ کا نام روہیلکھنڈ ہو گیا۔[۱]

**داؤد خاں روہیلہ** روہیلہ بڑہیچ قوم کا ایک شخص شاہ عالم خاں بڑہیچ تھا۔ اُس نے اپنے باپ کے ترکہ

---

[۱] حیات حافظ رحمت خاں میں شاہ عالم صاحب کے خاندان کے متعلق ذکر کیا ہے کہ قیس ایک بزرگ تھے جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق زیارت میں اپنے وطن کو سفر کیا مدینہ منورہ پہونچے اسلام و زیارت سے مشرف ہو کر زمرۂ صحابہ میں داخل ہوئے۔ اسلامی نام آپ کا عبدالرشید تجویز ہوا۔ حضرت سارہ بنت خالد رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی۔ جن کے بطن سے سربڑہ بن عبدالرشید اور تین فرزند پیدا ہوئے ۴۱ھ میں عبدالرشید کی وفات ہوئی۔ سربڑہ بن سے سرخبون پیدا ہوئے جس کا اسلامی نام شرف الدین تھا شرف الدین کے لڑکے کا نام بڑہیچ تھا۔ شاہ عالم کا سلسلۂ نسب بڑہیچ تک اس طرح ہے۔ شاہ عالم خاں پسر محمود خاں پسر شہاب الدین خاں پسر دولت خاں پسر بدل خاں پسر داؤد خاں پسر بڑہیچ خاں

میں ایک غلام حاصل کیا جس کا نام داؤد خاں تھا۔ چونکہ شاہ عالم کے اُس وقت تک کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ داؤد خاں کو اپنی اولاد کی طرح سمجھتا تھا۔ اُس کو جب ہندوستان کی زرخیزی اور بالخصوص ملک کیٹھر میں جو اُس کے وطنی لوگ آکر رہ پڑے تھے اُن کی خوشحالی کا علم ہوا تو اُس کو بھی شوق ہوا ہندوستان چل کر قسمت آزمائی کی جائے لیکن شاہ عالم نے اس کو بخوشی اجازت نہ دی تو وہ فرار ہو کر یہاں آیا۔ اور بہت کوشش کی کہ ملازمت مل جائے مگر کامیاب نہ ہوا۔

وہ[1] جب ملازمت سے مایوس ہوا تو بادشاہت کی سوجھی۔ کچھ افغان نوجوان جو ہندوستان میں آئے ہوئے تھے اُن کو اپنے ساتھ ملا کر ایک ٹولی بنالی۔ اور چھوٹے چھوٹے زمینداروں پر تاراج شروع کر دیا۔

---

[1] صاحب عماد السعادت نے داؤد خاں کے جتھہ بنانے کی شکل یہ بیان کی ہے کہ جب داؤد خاں ملازمت سے مایوس ہو گیا تو اس نے اپنے آقا کے پاس اپنی پریشانی کا خط لکھکر تحریر کیا کہ وہ دکن جانا چاہتا ہے۔ کچھ سفر خرچ بھیجدیا جائے۔ شاہ عالم نے ایک ہزار روپیہ بھیجا اور لکھا کہ ہردوار کے میلہ میں جاکر وہاں سے آٹھ سو روپیہ کی گھوڑیاں خرید کر میرے پاس بھیجدو اور مبلغ دو سو روپیہ اپنے سفر خرچ کے لئے رکھو۔ داؤد خاں نے ایک ہزار روپیہ پر قبضہ کر کے افغان کی ایک ٹولی بنائی۔ اور ہردوار سے گھوڑیاں خرید کر تاخت وتاراج کی فکر میں لگ گیا میلہ میں ایک مہاجن کو دیکھا جو سونے کے زیور پہنے ہوئے تھا۔ یہ اس کے پیچھے لگ گئے اور جب وہ میلہ سے واپس جارہا تھا تو راستہ میں اسکو لوٹ لیا۔ جس سے کافی رقم ان کے ہاتھ لگ گئی اور ان کی شکستہ حالی دور ہوئی۔ ۱۲۔ واللہ اعلم۔

کچھ دنوں بعد یہ ٹولی ضلع بدایوں کے پرگنہ پرسیر کے زمیندار کے ہاں نوکر ہو گئی،
اب زمیندار کی فوج کی حیثیت سے اطراف پر تاخت وتاراج شروع کر دیا،
پرگنہ چومحلہ کے زمیندار سے مقابلہ کر کے فتح پائی۔ موضع بانکولی گولوٹا جہاں
ایک خوبصورت لڑکا اس کے ہاتھ لگا۔ جس کو داؤد خاں نے اپنی فرزندی میں
لے لیا۔ علی محمد خاں نام رکھا۔ اس کی تعلیم وتربیت کے لئے معلم اور ادیب مقرر
کئے۔ نوابان رامپور کا مورث اعلیٰ یہی لڑکا ہے۔ کچھ عرصہ بعد شاہ عالم داؤد خاں
کے پاس آئے۔ داؤد خاں نے اس کا وہی اکرام کیا جو آقا کا کرنا چاہئے اور
مبلغ دو ہزار روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ پھر وہ وطن چلے گئے مگر کچھ عرصہ بعد زراعت
وغیرہ کے خراب ہو جانے کے باعث ہندوستان چلے آئے۔ داؤد خاں
نے ان کا مبلغ دو ہزار روپیہ سالانہ مقرر کیا۔ مگر چونکہ شاہ عالم ایک
متقی بزرگ تھے اور داؤد خاں سے کچھ افغانوں کے حق میں بدعنوانی
ہوئی تھی تو شاہ عالم نے داؤد کو بہت زیادہ زجر وتوبیخ کی۔ جو داؤد خاں
کو ناگوار گذری۔ آخر کار داؤد خاں نے شاہ عالم کو شہید کرا دیا۔

شاہ عالم کو شہید کرنے والے چار آدمی تھے۔ جن میں سے تین تو اسی
روز زمینداروں کے ہاتھ سے مارے گئے۔ ایک باقی رہ گیا جو مرض
برص میں مبتلا ہو کر مرا۔

داؤد خاں بھی اس کے بعد کچھ زیادہ عرصہ نہیں زندہ رہا۔ وہ
راجہ دیبی چند کے ہاں ملازم ہو گیا۔ جو کمایوں کا راجہ تھا۔ مگر جب راجہ
کا عظمت اللہ خاں حاکم مراد آباد سے مقابلہ ہوا تو داؤد خاں نے راجہ کو
دھوکا دیکر شکست دلا دی۔ راجہ نے بھی کچھ عرصہ بعد ادائیگی تنخواہ
کے بہانے سے بلوا کر قید کر دیا اور پھر پیروں کی نوخیں کٹوا کر پھر گرد لونکی

دیگیں کھچوا کر کام تمام کر دیا۔

تو ہم شب را بسر کے نمی بری اے شمع کم فرصت
گرفتم سوختی پروانہ آتش بجانے را

**علی محمد خاں کی سرداری** | داؤد خاں کے مقتول ہونے کے بعد اُس کے ساتھیوں مثلاً

ملک شادی خاں۔ دوندے خاں۔ صدر خاں۔ پائندہ خاں سردار خاں۔ اور فتح خاں وغیرہ شکستہ دل نہیں ہوئے۔ بلکہ آپس میں مشورہ کر کے یہ طے کیا کہ جس طرح بھی ہو یہیں ہندوستان میں رہ کر اپنا اقتدار بڑھانا چاہئے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے انھوں نے داؤد خاں کے متبنّے علی محمد خاں کو سردار بنا لیا۔ علی محمد خاں کی عمر اس وقت صرف ۱۴ سال کی تھی۔ لیکن اس کم عمری کے باوجود فن سپہ گری میں ایسے ماہر تھے کہ سرداری کے لئے موزوں ثابت ہوئے۔ علی محمد خاں اپنی جمعیت لیکر حاکم مراد آباد عظمت اللہ خاں کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور وہاں سے رخصت حاصل کر کے داؤد خاں کی جائداد پر متصرف ہوئے پھر آس پاس کے مواضعات پر تاخت کر کے منونا۔ آنولہ۔ ضلع بریلی۔ پر قبضہ کر لیا جس کو اپنی چھوٹی سی ریاست کا مرکز قرار دیکر رئیسانہ ٹھاٹ سے رہنے لگے اور اپنا ایک وکیل دلّی بھیجکر آنولہ وغیرہ کی سند حکومت حاصل کر لی۔ انھیں ایام میں سید عبداللہ سے بادشاہی فوجوں کو جنگ کرنی پڑی۔ علی محمد خاں کو بھی بادشاہ نے طلب فرمایا۔ علی محمد خاں شاہی فوج میں شامل ہوئے اور بڑی کوشش درجانبازی کا ثبوت دیا۔ جس کے صلہ میں زر مالگذاری میں تخفیف

کی گئی۔ نوابی کا خطاب۔ نوبت اور علم وغیرہ سے سرفراز ہوئے۔

وہاں سے واپس آکر بعض مصالح کی بنار پر شاہ عالم خاں کے صاحبزادے حافظ رحمت خاں کو روہ سے ہندوستان آنے کی دعوت دی۔

اب ان دونوں سرداروں کی ماتحتی میں یہ جمعیت دن بدن بڑھتی گئی۔ استقلال کی شان حاصل ہو گئی۔ بہت سی جاگیروں پر قبضہ کرلیا۔

## روہیلوں کا حکومت دہلی سے تصادم

روہیلوں کی دست درازیوں کی شکایت جاگیرداران نے قمرالدین خاں وزیراعظم دہلی کے پاس پہونچائیں۔ وزیر نواب علی محمد خاں کے ہمدرد تھے اس لئے انھوں نے ان شکایات سے چشم پوشی کرنی چاہی۔ مگر اس سے کچھ کام نہ چلا کیونکہ جاگیرداروں اور عاملوں کی متواتر شکایات محمد شاہ بادشاہ تک پہونچ گئیں۔ چنانچہ ۱۱۵۲ھ میں راجہ ہرنندن کھتری کو نواب صاحب کی تادیب اور علاقہ کے انتظام کے لئے مقرر کیا گیا۔

راجہ موصوف پچاس ہزار سواروں کے ساتھ براہ سنبھل مرادآباد میں داخل ہوا۔ نواب علی محمد خاں نے اول تو صلح کی کوشش کی مگر ناکام رہی تو بیس ہزار پیادہ اور سوار فوج سے مقابلہ کیا۔ اور راجہ کو شکست دی۔ راجہ کی ساری فوج فرار ہو گئی۔

اور بہت کچھ مال و اسباب نواب علی محمد خاں کے ہاتھ لگا۔ اس فتح کے بعد روہیلوں نے اپنے حدود مملکت میں وسعت دی۔ بریلی

پیلی بھیت۔ وغیرہ سب پر قبضہ کر لیا۔ اور پھر ایک سال بعد المورڑہ پر بھی قبضہ ہو گیا۔ کمایوں بھی روہیلوں کے قبضہ میں آگیا۔

**محمد شاہ بادشاہ کا حملہ**

فتح کمایوں کے ایک سال بعد محمد شاہ بادشاہ۔ ابوالمنصور خاں صفدر جنگ کے اغواسے تسخیر روہیلکھنڈ کے لئے روانہ ہوئے۔ صفدر جنگ نواب سعادت خاں بہادر برہان الملک کے بھانجے اور داماد تھے۔ اور اس وقت اودھ کے والی تھے۔ اودھ میں راجہ نول رائے کو اپنا نائب بنا کر خود دہلی رہتے تھے۔ اعتماد الدولہ قمرالدین خاں وزیر اعظم کے برخلاف دربار کے ایرانی امراء کے سرغنہ تھے۔ بادشاہ کے مزاج میں بہت زیادہ دخیل تھے۔ صفدر جنگ کو روہیلوں سے کاوش کی وجہ یہ تھی کہ وہ اودھ کی حدود سے متصل روہیلکھنڈ میں افغانوں کی طاقت کو اپنے لئے خطرناک سمجھتا تھا۔ لہذا ان کی ترغیب سے بادشاہ نے ۱۷۴۵ء میں روہیلکھنڈ پر حملہ کیا۔ قمرالدین خاں وزیر اعظم نے اس مصیبت کو روہیلوں کے سر سے ٹالنے کے لئے بہت کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بادشاہ کے ساتھ ایک لاکھ پیادہ اور سوار کی جمعیت تھی۔ روہیلوں میں اتنی بڑی فوج کے مقابلہ کی طاقت نہ تھی۔ چنانچہ قلعہ بن گڑھ عرف یوسف نگر میں جو آنولہ سے پانچ کوس کے فاصلہ پر تھا پناہ گزیں ہو گئے۔ لیکن زیادہ عرصہ تک ان کی شکل نہ نکل سکی۔ آخر کو شکست ہوئی۔ نواب علی محمد خاں نظر بند ہو کر دہلی لیجائے گئے۔ اور روہیلکھنڈ کا انتظام بادشاہ کی جانب سے دوسرا کیا گیا۔ مگر حافظ رحمت خاں نے نہایت پامردی سے کام کیا۔ تقریباً سات ہزار

افغانوں کی فوج بھرتی کرکے دہلی پہونچ گئے اور قلعہ کے سامنے جاکر صف آراستہ کی اور نواب علی محمد خاں کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ دارالسلطنت اسوقت فوج سے خالی تھا۔ قمرالدین خاں وزیر روہیلوں کے حامی تھے۔ آخر کار نواب علی محمد خاں کو رہا کیا گیا اور ان کو سرہند شریف کا گورنر بناکر بھیجدیا گیا۔

### دوبارہ روہیلکھنڈ پر تسلط

لیکن تین سال بعد ہی وہ وقت آیا کہ ۱۷۴۸ء میں احمد شاہ درانی نے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ محمد شاہ بادشاہ اور ارکان دولت کو خطرہ ہوا کہ مبادا نواب علی محمد خاں۔ حافظ رحمت خاں۔ ہم قومی کے باعث احمد شاہ کا ساتھ دیں لہذا طے یہ ہوا کہ ان کو واپس روہیلکھنڈ بھیج دیا جائے چنانچہ ایک فرمان متضمن سند روہیلکھنڈ نواب صاحب کے نام جاری کیا گیا اور اسی زمانہ میں احمد شاہ درانی کا ایک مکتوب نواب علی محمد خاں صاحب کے نام اس مضمون کا آیا کہ

"اگر تم اس وقت ہماری مدد کرو۔ تو انشاء اللہ بوقت کامیابی وزارت ہند تمہارے سپرد ہوگی۔"

لیکن قمرالدین خاں وزیر اعظم کے احسانات اس خط پر لبیک کہنے سے مانع رہے۔ اور وزارت ہند پر روہیلکھنڈ کی ریاست کو ترجیح دی۔

محمد شاہ بادشاہ نے بسرکردگی شاہزادہ احمد شاہ وغیرہ ایک لاکھ فوج احمد شاہ درانی کے مقابلہ کے لئے بھیجی جو کامیاب ہی۔ درانی کو شکست کھاکر واپس ہونا پڑا[1]۔ مگر تخت دہلی کے لئے مصیبت یہ آئی

[1] مرہٹوں سے جنگ کا قصہ اس واقعہ کے بعد پیش آیا جب احمد شاہ چوتھی مرتبہ ہندوستان آئے

کہ قمرالدین خاں وزیر اعظم توپ کے گولے سے شہید ہوگئے۔ اور جب یہ فوج صفدرجنگ اور شاہزادہ احمدشاہ سرکردگی میں دہلی کو واپس آرہی تھی تو راستہ ہی میں محمدشاہ بادشاہ کے انتقال کی خبر پہونچی۔ اب فوج کے سرداروں نے شاہزادہ احمدشاہ کو تخت نشین کرکے اس کی بادشاہت کا اعلان کردیا۔ جدید بادشاہ کی وزارت صفدرجنگ کے سپرد ہوئی صفدرجنگ اگرچہ وزارت حاصل کرنے میں روہیلوں کے سردار حافظ رحمت خاں کی جاں بازانہ مدد سے کامیاب ہوئے تھے۔ مگر منصب وزارت پر فائز ہونے کے بعد وہ روہیلوں کے سخت ترین دشمن تھے۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے گلستانِ رحمت۔ اور حیات حافظ رحمت خاں وغیرہ)

# نوابانِ اودھ

میر محمد امین سعادت خاں بہادر کا نام پہلے آچکا ہے۔ یہ صاحب نیشاپور ملک خراسان کے باشندے تھے۔ مذہباً شیعہ شاہ عالم بہادر شاہ کے زمانہ میں ان کے باپ میرزا نصیر۔ اپنے بڑے بیٹے۔ میرزا باقر کو ہمراہ لے کر ہندوستان آئے۔ عظیم آباد پٹنہ میں قیام کیا۔ میر محمد امین وطن رہے۔ سنہ ۱۱۲۰ھ مطابق سنہ ۱۷۰۸ء میں باپ اور بڑے بھائی کی زیارت کے شوق میں ہندوستان آئے۔ مگر عظیم آباد پہونچ کر معلوم ہوا کہ والد کا انتقال ہوگیا۔ صدمہ ہوا پھر اپنے بڑے بھائی مرزا محمد باقر کے ساتھ عظیم آباد سے دہلی آئے۔ زمانہ سازگار تھا۔ اقبال سامنے تھا۔ مرزا محمد امین۔ سید

سربلند خاں صوبہ دار گجرات کے ہاں میر منزل کی خدمت پر معین ہو کر گجرات چلے گئے پھر وہاں سے برداشتہ خاطر ہو کر دہلی کا رخ کیا۔ نواب قطب الملک وزیر اعظم تھے۔ اتحاد مذہب رعایت مراعات کیلئے سب سے بڑی وجہ تھی۔ پھر راجہ رتن چند کے ساتھ تعلق قائم کر لیا۔ بہر حال قطب الملک کی نظر عنایت سے ۱۱۳۲ھ مطابق ۱۷۱۵ء میں ہنڈول اور بیانہ مقامات (جن کی آمدنی تقریباً اٹھارہ لاکھ روپیہ تھی) کی سند لیکر روانہ ہو گئے۔ اسی زمانہ میں نواب محمد تقی خاں صوبہ دار آگرہ کی لڑکی سے شادی ہو گئی [۱]

آخر کار وہ زمانہ آیا کہ بادشاہ محمد شاہ حسین علی خاں امیر الامراء کی معیت میں نظام الملک کے مقابلہ کے لئے دہلی سے روانہ ہوئے۔ اس وقت ان کو بھی فوج سمیت طلب کیا گیا۔ اسی سفر میں حسین علی خاں کے قتل کا واقعہ پیش آیا۔ میر محمد امین نے اس تمام جھگڑے میں بادشاہ کا ساتھ دیا۔ چنانچہ کامیابی کے بعد اولاً اُن کو بہادر کا خطاب ملا۔ پھر جب بادشاہ نے دہلی میں داخل ہونے کے لئے خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے مزار مبارک کے قریب نزول فرما کر خدام کو انعامات دیئے تو مرزا محمد امین کو بہادر جنگ کے خطاب سے مشرف فرمایا [۲]۔ پھر جب محمد امین خاں اعتماد الدولہ وزیر اعظم کی وفات پر عنایت اللہ خاں کو وزارت عظمیٰ کا مرتبہ دیا گیا۔ اور دیگر وزراء میں تبدیلی ہوئی تو میر محمد امین سعادت خاں بہادر بہادر جنگ کو اکبر آباد کی صوبہ داری تفویض ہوئی۔ [۳] اور داروغگی خواصان کا منصب مرحمت ہوا [۴]

---

[۱] عماد السعادت و تاریخ اودھ مصنفہ سید کمال الدین حیدر [۲] سیر المتاخرین صفحہ ۴۶۳

[۳] سیر المتاخرین صفحہ ۴۶۲ [۴] عماد السعادت صفحہ ۸ ۔

پھر ۱۱۳۲ھ کے آغاز میں راجہ گردھر بہادر ناگر کی جگہ اودھ کی صوبہ داری میر محمد امین موصوف کو عنایت ہوئی اور صوبہ اکبرآباد کے لئے راجہ جے سنگھ کچھواہہ کو۔

راجہ گردھر کے زمانہ میں اودھ کی آمدنی ستر لاکھ سے زائد نہ ہوتی تھی۔ لیکن میر محمد امین موصوف جب یہاں پہنچے تو پہلے ہی سال ایک کروڑ سات لاکھ آمدنی ہوئی اس پر بادشاہ نے خوش ہوکر برہان الملک کا خطاب عنایت فرمایا [1]

اس وقت سے موصوف اودھ کی حکومت پر پوری طرح قابض ہو گئے اور ایسے کہ پھر مستقل بادشاہ کی حیثیت حاصل کرلی۔ برہان الملک کو اپنی بڑی بیٹی۔ صدر جہاں بیگم مخاطب بہ نواب بیگم و نواب عالیہ کے نکاح کی فکر ہوئی تو اپنے بھانجے مرزا محمد مقیم کو وطن سے بلا کر ان سے شادی کر دی۔ یہی مرزا مقیم ہیں جو صفدر جنگ کے خطاب سے مشہور ہوئے برہان الملک کے قائم مقام ہوئے۔ اور بادشاہ دہلی کے وزیر اعظم ہوئے۔

## اتر پردیش کی حکومت کا خصوصی نشان

اتر پردیش کی حکومت کے خاص نشان میں اب بھی دو مچھلیاں بنی ہوئی ہیں۔ اور قیصر باغ کے موجودہ پھاٹکوں پر مچھلیوں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ اتر پردیش کی حکومت کے پیش نظر مچھلیوں کے متعلق جو تصور بھی ہو وہ زیر بحث نہیں۔ یہاں سعادت خاں کے تذکرہ میں مچھلیوں کے متعلق نیک فالی کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب سعادت خاں اودھ کی صوبہ داری پر جا رہے تھے۔ تو فرخ آباد سے آپ نے گنگا کے راستہ

---

[1] عمادت السعادت ص۵

کشتیوں میں سفر کیا۔ برسات کا موسم تھا۔ دریا خوب چڑھا ہوا تھا۔ جب کشتیاں گنگا کے بیچ دھار پر تیزی سے تیر رہی تھیں تو ایک مچھلی دریا سے جست کر کے نواب صاحب کے دامن میں آ پڑی۔

محمد میر صاحب زائر۔ اپنی کتاب تواریخ اودھ جلد اول میں تحریر فرماتے ہیں:۔

نواب نے اسے شگون نیک جان کر مثل حرز رکھ چھوڑا۔ چنانچہ اس مچھلی کے استخوان سالم۔ بہت احتیاط سے سرکار شاہی میں رہے۔ مفتاح الدولہ بہادر نے اس عاصی کو بھی اسے دکھایا تھا۔ اسے تبرکاً تیمناً خزانہ میں رکھا تھا ص ۲

# نوابان بنگالہ و بہار

حضرت خلد آشیاں سلطان عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں مرشد قلی خاں عرف جعفر خاں۔ صوبہ بنگالہ کے دیوان تھے۔ جو ترقی کرتے کرتے۔ صوبہ بنگالہ و اڑیسہ کے ناظم اور دیوان ہو گئے۔ مرشد آباد ان کا آباد کردہ ہے۔ مرشد قلی خاں نے اپنی صاحبزادی زیب النسا کا نکاح شجاع الدولہ سے کر دیا۔ پھر سفارش کر کے شجاع الدولہ کو اڑیسہ کا گورنر منوا دیا۔

نکاح تو ہو گیا۔ مگر چونکہ شجاع الدولہ۔ خرچ۔ خوش طبع اور عیاش تھا۔ مرشد قلی خاں سے نباہ نہ ہو سکا۔ بیوی بھی اپنے باپ کے ہاں پڑی رہا کرتی تھی۔

شجاع الدولہ کے بیٹے کا نام سرفراز خاں تھا۔ وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ نانا کے مکان پر رہا کرتا تھا۔ نانا کو اس سے بہت محبت تھی۔

اب یہاں سے ایک دوسرے سلسلہ کا آغاز ہوتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ شاہزادہ اعظم شاہ کے رفیقوں میں سے ایک شخص مرزا محمد تھا۔ اس کے دو بیٹے۔ مرزا احمد علی اور حاجی احمد بھی شاہزادہ کے خاص آدمیوں میں سے تھے۔ جب شاہزادہ اعظم مارا گیا تو مرزا محمد شجاع الدولہ کے پاس اڑیسہ چلا گیا۔ مرزا محمد کی بیوی۔ شجاع الدولہ[1] کی رشتہ دار تھی۔

اس کے بعد مرزا محمد علی بھی باپ کے پاس چلا گیا۔ اور شجاع الدولہ کے ہاں نوکر ہو گیا۔ اس نے اپنے بڑے بھائی حاجی احمد کو بھی دہلی سے اپنے پاس بلا لیا۔ اور یہ دونوں بھائی۔ شجاع الدولہ کی خدمت میں رہکر اڑیسہ کا انتظام بہتر سے بہتر بنانے لگے۔ شجاع الدولہ نے خوش ہو کر بادشاہ سے مرزا محمد علی کو علی وردی خاں کا خطاب دلوا دیا۔

اب یہاں ایک عجیب تاریخی واقعہ پیش آیا جس میں باپ نے نہایت ہوشیاری سے بیٹے کو شکست دی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مرشد قلی خاں کو چونکہ شجاع الدولہ سے رنجش تھی تو اس نے یہ چاہا کہ اپنے مرنے کے

---

[1] خراسانی ترکوں کی ایک برادری کا نام "افشار" تھا شجاع الدولہ اور مرزا محمد کی بیوی اسی قوم سے تھے۔ شجاع الدولہ کے آباد اجداد کچھ عرصہ سے برہان پور۔ صوبہ دکھن میں بود و باش رکھتے تھے۔ صاحب عماد السعادت نے لکھا ہے کہ مرزا محمد کی بیوی نے شجاع الدولہ کی لڑکی کو دودھ پلایا تھا۔ اس وجہ سے مرزا محمد کو شجاع الدولہ سے تعلق ہو گیا تھا۔ ۱۲۔

بعد شجاع الدولہ کے بجائے اپنے نواسہ سرفراز خاں پسر شجاع الدولہ کو ناظم بنگالہ بنایا جائے۔ چنانچہ اس نے دربار شاہی سے نوشت وخواند کر کے سرفراز خاں کے لئے سند نظامت حاصل کرلی۔ اس کی خبر شجاع الدولہ کو بھی ہوگئی۔ اس کو اپنی نظامت کا شوق ہوا۔

جب مرشد قلی خاں بیمار پڑا تو نہایت ہوشیاری اور چستی سے اپنی نظامت کے متعلق ایک درخواست بادشاہ کے ہاں بھیجدی اور چرب زبان ہوشیار وکلا کو ساتھ کردیا۔ ادھر اپنی فوج میں سے کچھ سپاہیوں کو بظاہر خارج کردیا۔ مگر درپردہ ان کو حکم کردیا کہ مرشد آباد میں مختلف مقامات پر پہونچ جاؤ اور ہمارے بنگالہ پہنچنے کے منتظر رہو۔

چونکہ موسم برسات کا تھا۔ عام طور سے خیال نہ ہوتا تھا کہ اڑیسہ سے اس طرف کوئی جماعت آسکتی ہے۔ مگر شجاع الدولہ نے بہت سی کشتیاں کرایہ پر لے کر تیار کرلیں۔ اور جعفر خاں کی ڈیوڑھی تک ڈاک لگادی۔ جب یہ معلوم ہوا کہ مرشد قلی خاں کی حالت نازک ہے تو فوراً بطریق ملغار شجاع الدولہ۔ اپنے رفقا، محمد علی وردی خاں اور حاجی احمد وغیرہ کے ساتھ مرشد آباد روانہ ہوگیا۔ اڑیسہ میں اپنے دوسرے بیٹے محمد تقی کو جو دوسری بیوی سے تھا نائب بنا گیا۔ راستہ ہی میں جعفر خاں کی وفات کی خبر پہونچ گئی۔ اور اس کے ساتھ ساتھ خوش قسمتی سے دربار کی طرف سے نظامت بنگالہ کی سند اور دستاویزات اور احکام شاہی بھی پہونچ گئے۔ جس مقام پر یہ اس روز اترا ہوا تھا۔ اس کا نام مبارک منزل رکھا۔

اس کے بعد دن رات کی یلغار کر کے مرشد آباد پہنچ گیا اور جعفر خانی دار الحکومت میں پہونچ کر سیدھا۔ چہل ستون میں پہنچا۔ جس کو دیوان عام کے طور پر جعفر خاں نے بنایا تھا۔ اور فوراً ہی وقائع نگار وغیرہ شاہی کارکنوں کو طلب فرما کر شاہی فرامین اور دستاویزیں پڑھوا کر سنوا دیں اور مسند نظامت پر جلوس فرما کر اس دولت خداداد کے شادیانے بجوانے کا حکم دیا۔ نظامت تسلیم کر لی گئی۔ نذریں گذرنے لگیں۔

جب سرفراز خاں کو یہ خبر پہنچی تو بہت پریشان ہوا۔ وہ اپنی جگہ پر اپنی نظامت کے متعلق یقین اور اطمینان رکھتا تھا۔ اس خبر کو سنکر حیران ہوا۔ اپنے رفقاء سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی مشورہ دیا کہ باپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطاعت قبول کرنی چاہیئے۔ چنانچہ حاضر خدمت ہو کر سر اطاعت خم کیا۔ نذر گذارنی مبارکباد پیش کی اور اس طرح بساط منازعت کو طے کر دیا۔ شجاع الدولہ کے ارکان اور مشیر حسب ذیل تھے۔

۱۔ مرزا محمد۔ (۲) محمد علی وردی خاں (۳) حاجی احمد جن کا ذکر پہلے سے ہی رہا ہے۔ (۴) عالم چند۔ رائے رایان۔ دیوان۔ شجاع الدولہ۔ جس کا ہندوؤں پر بہت زیادہ اثر تھا (۵) جگت سنگھ فتح چند۔ جس کی دولت اور ساہوکاری کروڑوں سے بھی زیادہ تھی۔

ان سب کے مشورہ سے اب عہدوں کی تقسیم حسب ذیل کی۔

(۱) سرفراز خاں کو بدستور دیوان صوبہ رکھا۔ (۲) دوسرے بیٹے محمد تقی کو اڑیسہ کا نائب صوبہ (۳) اپنے داماد مرشد قلی خاں بہادر رستم جنگ کو جہانگیر پور ڈھاکہ کا حاکم (۴) محمد علی وردی خاں کو عظیم آباد میں اپنا نائب مقرر کیا اور بادشاہ کے ہاں سے اس کو

مہابت جنگ کا خطاب اور پنج ہزاری کا منصب دلوا دیا۔

(۵) مہابت جنگ کے بھتیجے یعنی حاجی احمد کے بیٹے کو جس کا نام سعید احمد خاں تھا، رنگپور کا فوجدار بنایا۔

مہابت جنگ کے دوسرے بھتیجے زین الدین جو مہابت جنگ کا داماد بھی تھا، اکبر نگر عرف راج محل کی فوجداری مرحمت کی مہابت جنگ کے تیسرے بھتیجے اور سب سے بڑے داماد یعنی نوازش محمد خاں کو فوج کی بخشی گری نوازش فرمائی۔

چونکہ یہ سب حکومت کا سلیقہ رکھتے تھے۔ لہذا کام نہایت حسن اور خوبی سے ہونے لگا۔ جس سے شجاع الدولہ کا اعزاز دربار میں دو بالا ہوا چنانچہ عظیم آباد کی نظامت بھی فخرالدولہ سے بدل کر شجاع الدولہ ہی کے سپرد ہوگئی۔ اب گویا بہار، اڑیسہ اور بنگالہ کی بادشاہت پر شجاع الدولہ قابض ہوگیا جس کی حدود مغرب میں الہ آباد تک تھی۔ جنوب میں برار اور اورنگ آباد۔ جبکہ شجاع الدولہ کو صوبہ بہار کی نظامت بھی مل گئی تو اس کے متعلق نائب مقرر کرنے کا سوال پیش آیا۔ ارکان مشورہ کی رائے یہی ہوئی کہ یہ خدمت مہابت جنگ کے سپرد ہو۔

چنانچہ شجاع الدولہ نے جھالدار پالکی علم اور نقارہ وغیرہ کے بہت سے اعزاز و اکرام کے ساتھ اس خدمت کی منظوری دربار سے حاصل کرنے کے لئے اپنے وکیل دہلی روانہ کئے۔

یہ منصب مہابت جنگ کے لئے منظور ہوا۔ شجاع الدولہ کی بیوی نے مہابت خاں کو حرم سرا کی ڈیوڑھی پر بلا کر اپنا احسان ظاہر کرنے کے لئے عظیم آباد ہی کی صوبہ داری کی خاص خلعت عطا فرمائی۔ شجاع الدولہ نے

بھی ہاتھی۔ مرصع تلوار۔ جواہرات کے ساتھ مسندِ نظامت مہابت جنگ کے سپرد کی۔ انھیں ایام میں مہابت جنگ کی چھوٹی لڑکی سے جو زین الدین خاں سے منسوب تھی۔ ایک لڑکا تولد ہوا جس کا نام مرزا محمد رکھا گیا۔ مہابت جنگ نے اس کو فال نیک سمجھا اور اس سے بہت زیادہ محبت کرنے لگا۔ یہی مرزا محمد ہیں جو سراج الدولہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

یہاں تک کے حالات نہایت خوشگوار تھے۔ شجاع الدولہ جس کو ہم نے عیاش بھی کہہ دیا تھا۔ وہ ابتداءِ عمر میں اگر ایسا تھا تو اس نے بہت جلد اس کی مکافات کر دی۔ اس کی تمام جود و سخا[1] رعایا کی پرورش کی جانب متوجہ ہو گئی۔ اُس نے تمام ناجائز محاصل کو بند کر دیا۔ رشوت کا سختی سے انسداد کیا۔ جو مسافر اُس کے شہر مرشد آباد میں پہونچتے شاہی مہمان خانے سے دعوتیں کھاتے۔ ان کی درخواستوں کی طرف خاص توجہ کی جاتی۔ حتی الوسع ان کو کامیاب بنایا جاتا۔ کمزور دل بیوہ اور مسکینوں کے وظائف مقرر کر دئے۔ اپنے تمام ملازموں کے پاس ہفتہ میں دو یا تین بار عمدہ عمدہ کھانوں اور پھلوں کا خاصہ پہنچوآتا۔ اس کی بیاض میں جو اس کے پاس رہتی تھی ملازمانِ خاص کے نام لکھے رہتے تھے۔ شب کو خوابگاہ میں جانے کے وقت اس بیاض

---

[1] میاں بیوی کے تعلقات کی کشیدگی بیان کرتے ہوئے غلام حسین طباطبائی مصنف سیر المتاخرین لکھتا ہے کہ زیب النساء بیگم اگرچہ زنِ نیکو کار شائستہ اطوار بود اما بنابر اطاعت پدر خود و کثرت رغبت شجاع الدولہ بسوانِ دیگر مع پسر خود ہمراہ پدر اقامت می ورزید ۱۲ صفحہ سیر المتاخرین۔ غلام حسین کے والد سید ہدایت علی خاں بہادر فتح جنگ۔ مہابت جنگ کے مقرب تھے۔ ۱۲ صفحہ ۱۰۲ سیر المتاخرین ج ۱

پر ایک نظر ڈالتا - اور جو جو ملازمین مستحق انعام ہوتے ان کے نام کے سامنے ایک مناسب رقم تحریر کر دیتا جو اگرانقدر ہوتی تھی۔ پھر زمینداران سرکار خالصہ سے مالگزاری کے وصول کرنے پر اس کو معین کر دیتا۔ اور اس زمیندار کے وکیلوں کے ذریعے یہ کہلا بھیجتا کہ اگر اس شخص کو اتنی رقم دیدی جائے تو ہمیں بہت مسرت ہو گی۔

اس صورت پر سرکاری خزانہ پر بھی بار نہ پڑتا اور قابل قدر کارکنوں کی قدر افزائی بھی ہو جاتی تھی۔

بہرحال شجاع الدولہ ابتداء میں خواہ کیسا بھی ہو۔ مگر آخر میں بہترین حاکم ثابت ہوا۔ اس کے ارکان شوریٰ بھی بہتر آدمی تھے۔ شجاع الدولہ کی وفات کے بعد اس کا جانشین سرفراز خاں علاء الدولہ ہوا۔ کیونکہ دوسرے بیٹے محمد تقی سے وہ ناراض ہو گیا تھا۔ سرفراز خاں اگرچہ عابد و زاہد تھا۔ رمضان شریف کے علاوہ رجب اور شعبان اور ایام بیض کے روزے بھی رکھتا تھا۔ راتوں کو جاگ جاگ کر نوافل بھی پڑھتا تھا۔ مگر بقول غلام حسین طباطبائی ایسے بڑے گورنر یا نواب کے لئے جس عقل و شعور۔ تدبر اور مردم شناسی کی ضرورت تھی وہ اس میں نہیں تھی۔

دوسری جانب یہ ہوا کہ مہابت جنگ کے بڑے بھائی حاجی محمد سے سرفراز خاں کے مقربین خصوصی کو شکایت پیدا ہو گئی۔ تیسری بات یہ بھی پیش آئی کہ حاجی احمد کی نواسی کا رشتہ لیاقت جنگ کے نواسہ یعنی سراج الدولہ سے ہو گیا تھا۔ سرفراز خاں نے فرمائش کی اس رشتہ کو جواب دے کر سرفراز خاں کے بیٹے سے اس کا رشتہ کر دیا جائے۔ غرض اس قسم کی صورتیں پیش آ گئیں جن کے باعث مہابت جنگ سرفراز خاں کے مخالف ہو گیا۔

مہابت جنگ نے وہی کیا جو سرفراز خاں کے باپ نے کیا تھا۔ یعنی بادشاہ کے پاس اپنے خاص دوست موتمن الدولہ محمد اسحاق خاں بہادر کے ذریعہ سے یہ درخواست بھیجدی کہ اگر سرفراز خاں کے بجائے تینوں صوبوں کی نظامت مجھے عطا کر دی جائے اور سرفراز خاں سے جنگ کرنے کی اجازت مرحمت ہو جائے تو ایک کروڑ روپیہ نقد اور سرفراز خاں کا تمام مال اور خزانہ ضبط کر کے خزانہ شاہی میں پیش کروں گا۔[1]

چنانچہ نظامت کی سند اور سرفراز خاں سے جنگ کی اجازت اس کو دربار دہلی سے عطا کر دی گئی۔

اسی زمانہ میں صوبہ بہار میں ایک خاص قوم جو بھوجپوری کے نام سے مشہور تھی اور بہار کے عوام میں اس کا نام آج تک لیا جاتا ہے بہت زیادہ سر اٹھائے ہوئے تھی۔ مہابت جنگ نے بھوجپوریوں کے مقابلہ کا بہانہ کر کے فوج جمع کرنی شروع کر دی۔ اور جب کافی طاقت فراہم ہو گئی تو فوج کے ہندو اور مسلمانوں کو فراہم کر کے مسلمانوں سے کلام اللہ اٹھوا کر اور ہندوؤں کے ہاتھ گنگا جلی دے کر رفاقت اور وفاداری کا عہد لیا۔ اور پھر اپنے چھوٹے داماد۔ زین الدین خاں بہادر کو عظیم آباد (پٹنہ) میں اپنا نائب مقرر کر کے ذی الحجہ ۱۱۵۲ھ میں نہایت پوشیدہ طور پر مرشد آباد کا قصد کیا۔ اور دفعتاً سرفراز خاں کے سر پر جا پہونچا۔ سرفراز خاں نے

---

[1] شجاع الدولہ کا انتقال اس عرصہ ہوا تھا جب کہ نادر شاہ ہندوستان میں آیا ہوا تھا جس کا تذکرہ آگے آئے گا (انشاء اللہ) نادر شاہ کی واپسی پر بہت بڑی رقم دربار دہلی کو ادا کرنی تھی۔ اس لئے مہابت جنگ کی اس پیش کش کو غنیمت سمجھا گیا۔ ۱۲ سیر المتاخرین ج ۱ ص ۱۰۲

تھوڑے سے عرصہ میں جنگ کی تیاری کی۔ مگر پہلے ہی معرکہ میں اس کے گولی لگی اور شہید ہو گیا۔ اس کے رفقا اور مقربین داد شجاعت دیتے ہوئے ایک ایک کر کے میدان میں کام آئے۔ اب یہ تینوں صوبے بلا شرکت غیرے مہابت جنگ کے ہو گئے۔ اڑیسہ میں سرفراز خاں کا بہنوئی مرشد قلی خاں صوبہ دار تھا۔ اس کا ارادہ صلح کا تھا مگر اپنے داماد باقر خاں کے کہنے سے وہ جنگ پر آمادہ ہو۔ مگر نتیجہ میں شکست سہنی پڑی۔ مہابت جنگ کامیاب ہوا۔ مرشد قلی خاں بھاگ گیا اور اس کی جگہ مہابت جنگ نے اپنے بھتیجے صولت جنگ کو صوبہ دار مقرر کیا۔ اس جنگ سے مہابت جنگ کو فراغت اس وقت ملی کہ جب برار کے راجہ رگھوجی بھونسلے نے اپنے سپہ سالار بھاسکر پنڈت کو پچیس ہزار فوج دیکر بنگال پر حملہ کرا دیا تھا۔ میر حبیب جو مہابت جنگ کا سردار تھا مگر اس سے ناراض ہو کر مرہٹوں سے جا ملا تھا۔ اور مرہٹوں کی راہنمائی کرتا ہوا مرشد آباد تک لے گیا۔ مہابت جنگ بردوان سے لگاتار کوچ کرتا ہوا مرشد آباد پہونچا۔ اس نے شہر کو تو لوٹنے سے بچا لیا مگر اپنے دوست جگت سیٹھ کو نہ بچا سکا تیس لاکھ روپیہ مرہٹے اس کے گھر سے لوٹ کر لے گئے۔ اس سے پہلے مرہٹے مہابت جنگ سے تیس لاکھ روپیہ مانگ رہے تھے جس کو مہابت جنگ نے قوت کے زعم پر منظور نہ کیا تھا۔ بہرحال اس وقت مرہٹوں کا خوب تسلط ہوا مگر اتفاق سے موسم برسات آ گیا جس سے مرہٹوں کی نقل و حرکت بند ہو گئی مہابت جنگ نے اسی اثنا میں بڑا لشکر تیار کر کے دفعتاً مرہٹوں کو جا دبایا۔ مرہٹے ایسے بدحواس ہوئے کہ ان کو اپنا تمام ساز و سامان چھوڑ کر بھاگنے کے سوا کچھ نہ سوجھا۔ وہ سارا ساز و سامان مہابت جنگ کے ہاتھ لگا

بادشاہ نے اس موقعہ پر صفدر جنگ کو بھی مہابت جنگ کی امداد کیلئے بھیجا تھا۔ مگر مہابت جنگ خود ہی شکست دے چکا تو صفدر جنگ کو واپس کر دیا اور دس لاکھ روپیہ بطور سفر خرچ نذر گذرانی دی۔

درحقیقت بادشاہ کا خیال یہ بھی تھا کہ مہابت جنگ سے رفتہ رفتہ ان صوبوں کو نکال لے۔ صفدر جنگ کی آمد کو مہابت جنگ اسی نتیجہ کا پیش خیمہ سمجھا۔

ایک خاص بات یاد رکھنے کی ہے کہ مہابت جنگ کی امداد کے لئے بادشاہ نے اس موقعہ پر بالاجی راؤ کو بھی بھیجا تھا۔ بہرحال راگھوجی کو جب شکست کا حال معلوم ہوا تو اس کو بہت طیش آیا۔ وہ بذات خود لشکر جرار لیکر بنگال پر چڑھ آیا۔ جس کا مقابلہ بالاجی راؤ اور مہابت جنگ نے بڑی قوت سے کیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ راگھوجی ۱۱۵۷ھ ۱۷۴۴ء میں شکستیں دیکر اضلاع بنگال سے بالکل خارج کر دیا۔ اگلے سال پھر بھاسکر پنڈت فوج لے کر آیا۔ مگر اس مرتبہ مہابت جنگ نے گفتگوئے صلح کے بہانے سے بھاسکر پنڈت اور اس کے ۱۹ بڑے بڑے رفقا کو بلا کر قتل کرا دیا یہ ۱۱۵۸ھ ۱۷۴۴ء کا واقعہ ہے جب راگھوجی کو بھاسکر پنڈت اور انیس[19] افسروں کے قتل کا علم ہوا تو وہ بڑی فوج لے کر حملہ آور ہوا مگر اس کو شکستیں ہی ہوتی رہیں حتی کہ ایک مرتبہ تو وہ گرفتار ہی ہونے لگا تھا لیکن مہابت جنگ کے دو افغان سردار دل شمشیر خاں اور سردار خاں کی امداد سے وہ گرفتاری سے بچ گیا۔ مہابت جنگ نے ان دونوں افسروں کو اپنے پاس سے الگ کر کے کچھ فوج دیکر بہار رہنے کا حکم دیا۔ اس عرصہ میں یہ ضرور ہوا کہ کٹک پر مرہٹوں کا قبضہ ہو گیا جس کا گورنر انھوں نے میر حبیب کو بنا دیا۔ شمشیر خاں اور سردار خاں بہار پہونچے تو انھوں نے بغاوت

شروع کردی۔ ہیبت جنگ بہار کا صوبہ دار تھا اس نے چچا سے سفارش کرکے
ان افغانوں کی خطا معاف کرادی اور ان کو دوبارہ فوج میں ملازم رکھ لیا
مگر ان کمبختوں نے پہلی مرتبہ ہی اپنی نمک حرامی کا ثبوت پوری طرح دیا جس کی
تفصیل یہ ہے کہ ہیبت جنگ نے اپنی صفائی ظاہر کرنے کے لئے ان دونوں کی دعوت
کی اور تنہا خیمہ میں ان سے ملاقات کی۔ جب شمشیر خاں نے تنہائی دیکھی تو ہیبت جنگ
کو قتل کر کے چل دیا اور پھر اپنی فوج کو ساتھ لے کر فوراً ہی پٹنہ پر قبضہ کر لیا ہیبت جنگ
کا باپ حاجی احمد جو مہابت جنگ سے ناراض ہو کر گوشہ نشیں ہو گیا تھا باغیوں کے ہاتھ
گرفتار ہو گیا۔ اس سے خزانہ کا پتہ دریافت کیا گیا اس نے نہیں بتلایا تو اس کو
اتنا مارا کہ وہ مر گیا ہیبت جنگ کی بیوی یعنی مہابت جنگ کی بیٹی کو یہ افغان لیکر
بھاگ گئے یہ تمام واقعہ سنہ ۱۱۶۱ھ کا ہے۔ مہابت جنگ کے لئے یہ زمانہ نہایت سخت
تھا۔ بھائی اور بھتیجہ باغیوں کے ہاتھ قتل ہوا بیٹی باغیوں کے ہاتھ پڑی۔ ملک
اور بہار اس کے قبضہ سے نکلا۔ مگر اس نے ان تمام ناگواریوں کے باوجود ہمت
نہیں ہاری۔ اور پھر سے فوج کو ترتیب دیکر مقابلہ کے لئے بہار آیا۔ شمشیر خاں
بھی پچاس ہزار فوج سے مقابلہ کے لئے میدان میں آیا اور اس کی امداد کیلئے
میر حبیب اور رگھوجی کا بیٹا جانوجی بھی پہونچ گیا۔ مگر اتفاق سے شمشیر خاں
میر حبیب میں کچھ ناچاقی ہو گئی۔ وجہ یہ تھی کہ شمشیر خاں کی یہ تمام کارروائی
میر حبیب خاں کے اغوا سے تھی جو مرہٹوں کا نائب تھا۔ جب شمشیر خاں اور مراد خاں
کو وعدہ کے موافق روپیہ نہ ملا تو انھوں نے میر حبیب کو گرفتار کر لیا۔ اور چالیس
لاکھ کا دعوی کیا۔ میر حبیب نے دو لاکھ روپیہ دیکر نجات پائی لیکن یہ چپقلش
مہابت جنگ کے لئے بہت مبارک ثابت ہوئی۔ اس نے اس تمام جماعت کو نہایت
اطمینان سے شکست دی شمشیر خاں مارا گیا۔ اس کے مال و اسباب پر مہابت جنگ کا

قبضہ ہوا، اور سب سے زیادہ مسرت یہ ہوئی کہ جب شمشیر خاں کے خیموں پر قبضہ ہوا تو مہابت جنگ کی بیٹی بھی وہیں موجود تھی۔ مرہٹے نامراد واپس ہوئے۔ اس کے بعد مہابت جنگ، کی فوج اور سرداروں میں کچھ اندرونی چپقلش شروع ہوگئی جو اس کی موت تک ختم نہ ہو سکی۔ اور اس طرح اس کی آخری زندگی بہت زیادہ تلخ تھی۔ سب سے زیادہ تلخی کا باعث یہ تھا کہ اس کا نواسہ سراج الدولہ جس کو اس نے نہایت محنت اور پیار سے بیٹے کے بجائے پالا تھا، اس سے باغی ہو گیا اور اس کی نالائقی سے وہ بہت زیادہ کشتار رہا۔

**نتیجہ** اس تمام قصہ کے بعد آپ کو جس طرح مہابت جنگ کی اس سرکشی کا اندازہ ہوا جو اس نے آقا زادہ یعنی سرفراز خاں کے مقابلہ پر کی۔ اس طرح یہ بھی اندازہ ہو گیا کہ مرہٹوں کے ساتھ جو جنگ تھی وہ ہندو مسلم جذبات پر مبنی نہ تھی۔ کیونکہ ایک طرف مہابت جنگ کے ساتھ بالاجی راؤ مرہٹوں سے جنگ کر رہا تھا۔ دوسری طرف میر حبیب مرہٹوں کے ساتھ تھا۔ جو کٹک کا گورنر بنایا گیا۔ اور پھر شمشیر خاں اور سردار خاں نے عین معرکہ جنگ میں راگھوجی کی امداد کی۔ اور پھر اس کے مقابلہ پر آخر تک صف آرا رہے۔

مہابت خاں نے بھاسکر پنڈت اور اس کے رفقاء کے ساتھ مل کر کے اس تاریخی دھوکے کا اعادہ کیا جو سیوا جی نے عالمگیرؒ کے سپہ سالار افضل خاں کے ساتھ کیا تھا۔

اس تمام معرکہ میں آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرما لیا کہ دربار دہلی سے سراج الدولہ کو کوئی خاص امداد نہیں ملی۔ بالاجی راؤ آیا تو وہ اپنی قوت پر صفدر جنگ دربار کی طرف سے آیا تھا اور کو مہابت جنگ نے واپس کر دیا یہی گویا استقلال کا اعلان تھا۔ بہرحال یہ تینوں صوبے دہلی سے الگ ہوئے۔

**خصائل اور اوصاف**

بڑا تعجب ہوگا کہ ان تمام جنگی پالیسیوں کے ساتھ مہابت جنگ صوم و صلوٰۃ کا بہت زیادہ پابند تھا۔ فقراء اور مساکین پر بہت زیادہ رحم دل۔ ہندو اور مسلمان دونوں کو ایک نظر سے دیکھتا۔ اس کی فوج میں دونوں قومیں ساتھ ساتھ کام کرتی تھیں۔ جگت سیٹھ اس کا خاص رفیق تھا۔ علماء کی بہت زیادہ وقعت کرتا۔ دو بجے شب سے اٹھ کر پورے دن اور ایک تہائی رات تک نماز۔ تلاوت قرآن۔ دربار عام علماء کی مجالس۔ ارکین دولت سے مشوروں۔ فوج اور ملکی امور کی نگہداشت میں مشغول رہتا تھا۔ بہت دور اندیش تھا انگریز اس کے زمانہ میں بڑھ رہے تھے۔ سراج الدولہ انگریزوں کا سخت مخالف تھا مگر اس کا خیال یہ تھا کہ

> اصحاب ولایت برائے کنند کہ بعد از ما سواحل ملک ہند در تصرف کلاہ پوشاں خواہد بود۔[1]

مصطفیٰ خاں۔ شہامت جنگ اور صولت جنگ۔ تینوں نے مل کر اس سے انگریزوں کے اخراج کی درخواست کی تو اس نے ٹال دیا پھر شہامت جنگ اور صولت جنگ کو تنہائی میں بلا کر کہا۔

> بابا مصطفیٰ خاں خود سپاہی و نوکر پیشہ است می خواہد کہ ہمیشہ رجوع من با او بودہ باشد شما را چہ شدہ است کہ در پئے اینہا بد اسنادے شوید جماعہ انگلش برائے من چہ بد کردہ اند کہ من بدخواہے اینہا کنم الی الآن آتشے کہ در صحرا گرفتہ است خاموش نمے شود۔ آتشے کہ در بحر درگیرد کیست کہ او را فرو نشاند زنہار گوش باین قسم سخنہا باز نخواہید داد کہ نتیجہ غیر از فساد ندارد۔

---

[1] سیر المتاخرین ص ۱۰۳/۱

افسوس اس کا ہے کہ سرفراز سے جنگ کرنے میں آقا زادہ کا سر قلم کرنے میں فساد نہیں معلوم ہوا۔ ہاں انگریزوں سے جنگ کرنے میں فساد معلوم ہوا کیونکہ مہابت جنگ کی ذات کو ان سے نقصان نہیں پہونچا تھا اگرچہ وہ سمجھتا تھا کہ کچھ عرصہ بعد سواحل ہندان ہی کے قبضہ میں ہونگے۔

افسوس ایسی قوم اگر برباد ہو تو وہ اپنی بربادی کا جرم دوسروں کے سر کیوں تھوپے۔

# سراج الدولہ

اصل نام مرزا محمد۔ پسر زین الدین خاں۔ یہ مہابت جنگ کا نواسہ ہے مہابت جنگ کی وفات ۹ رجب ۱۱۶۹ھ کو ہوئی۔ سراج الدولہ نے مراسم تعزیت سے فراغت پاکر نظامت بنگالہ کی مسند پر جلوس فرمایا۔ اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنی خالہ گھسی بیگم کو گرفتار کراکر اس کا مال اور جائداد ضبط کر لیا۔ جو ایک بہت بڑا فتنہ کا باعث ہوا۔

سراج الدولہ انگریزوں کا بہت زیادہ دشمن تھا۔ اس لئے اس کو بدنام بھی حد سے زیادہ کیا گیا۔

سراج الدولہ نے ایرج خاں کی لڑکی سے شادی کی تھی جس سے اس کی موافقت نہ ہوئی۔ ایک نومسلمہ جس کا نام لطیف النساء تھا دوسری شادی کی۔ جس سے اس کو خاص تعلق تھا۔ ایرج خاں اپنی بیٹی کی حمایت میں سراج الدولہ کا دشمن ہو گیا۔ اگرچہ بظاہر اس کے ارکان دولت میں سے تھا اور فوج کا کمانڈر تھا۔

اسی طرح میر جعفر خاں اس کا درپردہ دشمن تھا اور فوج کا

سپہ سالار اعظم۔ رشتہ میں پھوپھا ہوتا تھا۔ راجہ دولبہ رام اور جگت سیٹھ بھی ان مخالفین کے ساتھ متفق ہو گئے۔ انھوں نے در پردہ سراج الدولہ کے برخلاف سازش شروع کردی اور چونکہ سراج الدولہ کا مقابلہ انگریزوں سے شروع ہو گیا۔ اس لئے سراج الدولہ کی تباہی اور بربادی کے لئے انگریزوں کے ساتھ خفیہ معاہدہ کیا گیا۔ اور نتیجہ یہ ہوا کہ جب انگریزوں کی فوجیں سراج الدولہ پر حملہ آور ہوئیں تو ان سرداران فوج نے پشت دکھادی۔ آخر کار سراج الدولہ جان بچا کر بھاگا۔ اور ایک کشتی میں سوار ہو کر عظیم آباد کے ارادے سے روانہ ہوا ایک فقیر نے اس کو اپنے ہاں پناہ دی اور کھانا کھلایا چند روز سے بھوکے تھے۔ جب کھانا کھا کر آسودہ ہوئے تو انکو مکان میں بند کر کے فقیر جاسوسی کو چلا گیا سپاہی ملے ان کو پتہ بتا دیا۔ میر قاسم ان سپاہیوں کے ساتھ تھا۔ اس نے سراج الدولہ کو گرفتار کر لیا۔ میر قاسم جعفر کا داماد تھا۔ گویا سراج الدولہ کا پھوپھی زاد بہنوئی۔ سراج الدولہ کے پاس جو کچھ جواہرات تھے جو کئی لاکھ کی مالیت کے تھے سب لوٹ لئے۔

بہر حال سراج الدولہ گرفتار کر کے برہنہ بدن لایا گیا اور میر جعفر کے خاص نوکروں نے اس کی شہادت کے خوش گوار فرض کو انجام دیا۔ تذکرہ بہت طویل اور درد ناک ہے تفصیلات کے لئے سیر المتاخرین وغیرہ کتابیں ملاحظہ ہوں۔ ہم اس موقع پر بنگالہ کے حالات کو ختم کرتے ہیں باقی آئندہ بیان کئے جائیں گے۔

(انشاء اللہ) (ملاحظہ ہو شاندار ماضی جلد دوم)

---

[1] مہابت جنگ کی علاتی بہن جس کو مہابت جنگ ہی نے والد کی وفات کے بعد پالا تھا میر جعفر سے منسوب تھی۔ شاہ خانم نام تھا۔ میرن اسی کے بطن سے تھا جس کو سراج الدولہ نے باپ کے حکم سے پہلے ہی اس کے ایک خاص پروردہ محمدی بیگ کے ذریعہ سے قتل کرا دیا تھا سیر المتاخرین ص ٣٢٣۔

# نظام دکن

## نظام الملک آصف جاہ

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ سرہ العزیز کی اولاد اطہار میں سے ایک بزرگ حضرت شیخ عالم تھے۔ ان کے بڑے صاحبزادے کا نام میر شہاب الدین تھا چھوٹے کو میر بہاؤ الدین کہتے تھے۔

شیخ عالم رحمۃ اللہ کو زیارت بیت اللہ کا شوق ہوا۔ وہ دہلی پہونچے بادشاہ سے ملاقات کی۔ دہلی میں شاہجہاں خلد آشیاں کا دور تھا۔ بادشاہ کے حکم سے شاہزادہ عالی محمد دارا شکوہ نے شہر سے باہر جاکر میر بہاؤ الدین کا استقبال کیا۔ اور شاہانہ اعزاز و اکرام میں کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔

جب حضرت شیخ روانہ ہونے لگے تو جنس اور خیمہ وغیرہ کے علاوہ مبلغ پانچ لاکھ روپیہ۔ نقد شیخ کی خدمت میں پیش کیا۔ جس کو حضرت شیخ نے اسی سفر میں خرچ کر دیا۔ مگر بعد حجاز مقدس ہی میں انتقال بھی ہو گیا۔ بڑے صاحبزادے میر شہاب الدین رفیق سفر تھے۔ جو تابوت کو وطن لائے اور تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دہلی کے قصد سے روانہ ہو گئے۔ دہلی پہونچکر بادشاہ کے ہاں درخواست پیش کی کہ میں خدمت والا میں ملازمت کے لئے حاضر ہوا ہوں وال. صاحب کا سجادہ و گوشہ چھوٹے بھائی کے سپرد ہے۔

چونکہ اخلاق اور اوصاف بالا تھے۔ سلیقہ بہتر تھا۔ بادشاہ نے صد الصدور کے مرتبہ پر ان کو فائز کر دیا۔ میر شہاب الدین نے اپنے اہل و عیال کو بھی دہلی بلا لیا۔

میر شہاب الدین کے صاحبزادے۔ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ تھے۔ جن سے سعد اللہ خاں وزیر شاہجہاں کی دختر کی شادی ہوئی۔ غازی الدین خاں دکن کے صوبہ دار عرصہ تک رہے اور بہادر شاہ کے زمانہ میں احمد آباد کے صوبہ دار ہوئے۔ اسی سال یعنی ۱۱۲۲ھ میں وفات پائی۔ غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ کے صاحبزادے چین قلیچ خاں بہادر تھے[1] جن کو نظام الملک آصف جاہ[2] کا خطاب ملا۔ عالمگیر رح کے زمانہ میں پنج ہزاری منصب رکھتے تھے اور آخری دور عالمگیری میں بیجاپور کے صوبہ دار بنائے گئے۔ بہادر شاہ کے زمانہ میں خاندوران کا خطاب اور اودھ کی صوبہ داری عطا ہوئی پھر آصف الدولہ اسد خاں کے زمانہ میں وزیر اور بادشاہ کی ناشائستہ باتوں سے خفا ہو کر اودھ کی صوبہ داری سے مستعفی ہو کر گوشہ نشین ہو گئے۔ تمام نقد وجنس فقراء اور مساکین میں تقسیم کر دیا۔ ایک دن میں پانچ لاکھ روپیہ خیرات کیا۔

اس زمانہ میں اہلکاروں نے جواہر خانہ کے سچے جواہر بدل کر جھوٹے جواہر رکھ دیئے۔ جب وہ پھر صاحب منصب ہوئے تو اس چوری کی کچھ تحقیق نہیں کی۔

نظام الملک نے حضرت عالمگیر اورنگ زیب رح کے زمانہ میں تربیت پائی تھی۔ صاحب علم۔ بہترین مدبر۔ بلند اخلاق عالی حوصلہ۔ امانت دار تھے۔ سوائے زر جاگیر۔ اور کچھ نہ لیتے تھے۔ ہمیشہ اہل دیوان کو تاکید کرتے تھے کہ رعیتوں سے ایک پائی بھی بیجا نہ وصول کی جائے۔ جلیل القدر

---

[1] سیر المتاخرین میں اصل نام قمر الدین بتایا ہے۔ چین قلیچ خاں عالمگیر رح کا عطا کردہ خطاب تھا ۱۲۔ یہ تمام سلسلہ نسب عماد السعادت میں ذکر کیا ہے

[2] سیر المتاخرین ج ۲ ص ۲۵۔

علماء سے محبت کرتے اور ان کی مجالست کو غنیمت جانتے تھے۔ جسم کے دو زمرت سادہ لباس پہنتے اور کوئی زینت نہیں کرتے تھے۔
سخن فہمی کے سبب سے شاعروں کی قدر کرتے تھے۔ لیکن کی مدح میں کوئی قصیدہ یا شعر کہتا تو خلاف مرضی ہوتا۔ خود بھی شاعر تھے۔ شاکر تخلص کرتے ذیل کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

چوں گل ہوے وصل گریباں دریدنی ست — آہے ز سوز سینہٗ بریاں کشیدنی ست
زنہار دل بنقش و نگار جہاں مبند — رنگے کہ دیدهٗ زرنگ گل پریدنی ست

شاکر برنگ برق دریں ورطهٗ خیال
دامن ز خویش بر زده یک سو دویدنی ست

فرخ سیر کے زمانہ میں دوبارہ صوبہ دکن کی نظامت اختیار کی۔ اور نظام الملک بہادر فتح جنگ کا خطاب اور ہفت ہزاری منصب پایا۔ یہ دکن کے پیچیدہ معاملات سے بخوبی واقف تھے۔ ان کی کامیاب پالیسی یہ تھی کہ مرہٹوں میں کمزور جماعت کا ساتھ دیتے اور اس طرح ان کے دو فریقوں کو آپس میں لڑاتے رہتے۔ چنانچہ چند ماہ میں یہاں کے تمام نظام کو سنبھال لیا۔ مگر صرف ایک سال پانچ ماہ گذرے تھے کہ ان کو دکن سے بلا کر مراد آباد کا فوجدار بنایا گیا اور دکن کی صوبہ داری حسین علی خاں کے سپرد ہوئی۔ پھر رفیع الدرجات کے زمانہ میں مالوہ کا صوبہ دار بنایا گیا۔ پھر عہد محمد شاہ میں مالوہ ہی سے چل کر اول دکن۔ برار پر قبضہ کیا۔ پھر دہلی کی طرف سادات سے مقابلہ کے لئے روانہ ہوئے۔
جب سادات کا قلع قمع ہو چکا تو ان کو دوبارہ دکن بھیجدیا گیا۔ اور

---

ملہ سیر جلد ۲۵

آصف جاہ کا خطاب تجویز ہوا۔ محمد امین خاں اعتماد الدولہ کی وفات کے بعد ان کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ مگر پھر بادشاہ کے اور ارکان دولت سے ناموافقت کے باعث وزارت سے استعفا دیکر دکن چلے گئے۔ صمصام الدولہ کی وفات کے بعد پھر ان کو امیر الامراء بنایا گیا۔ مگر جب دکن میں ان کے ایک بیٹے نے ان سے بغاوت کی تو اپنی جگہ اپنے بڑے بیٹے غازی الدین خان فیروز جنگ کو امیر الامراء کی خدمات کے لئے نائب بنا کر خود دکن چلے گئے۔

۴ جمادی الآخری سنہ ۱۱۶۱ھ کو محمد شاہ بادشاہ کی وفات سے ۳ روز بعد وفات پائی۔ [1]

میر غلام علی آزاد بلگرامی نے محمد شاہ۔ اعتماد الدولہ۔ اور آصف جاہ کی تاریخ وفات ایک شعر میں جمع کی ہے۔ اس میں آہ کے عدد بھی ۶ بطور تعمیہ خارج کئے جاتے ہیں۔

گشت تاریخ چوں کشیدم آہ      موت شاہ و وزیر آصف جاہ

تاریخ    ۱۱۶۷ — ۶ = ۱۱۶۱

حضرت آزاد کا دوسرا قطعہ بھی ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں سنہ بھی ۳ کا عدد بطور تعمیہ گرایا جاتا ہے۔

## قطعہ

سر رکن مملکت ہند از جہاں رفتند      فتاد حیف سر دریگانہ از کف دھر

برائے رحلت ایں ہر سہ یافتم تاریخ      نماند شاہ زمان و وزیر و آصف جاہ

۱۱۶۴ — ۳ = ۱۱۶۱

---

[1] سیر المتاخرین ص ۲۶ ج ۱۔

**مرہٹہ** ان کا تذکرہ بہت طویل ہے۔ تاریخ کی جو کتابیں آجکل کورس میں داخل ہیں۔ ان میں کافی تذکرہ ان کا کیا جاتا ہے۔ اگرچہ ان کی صحت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ساہو کا وجہ تسمیہ یہ بیان کیا گیا ہے۔

سیواجی کا پوتا عالمگیر کی قید میں رہا۔ اورنگ زیب اس کو طنزاً ساہو یعنی چور کہا کرتا تھا۔ اس لئے اس کا یہی نام مشہور ہو گیا۔

حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ فارسی کتب میں ساہوکار بڑے دولتمند کو کہا جاتا ہے اور خود ہمارے زمانہ میں بھی ساہوکار اور ساہو کا لفظ نہایت شاندار اور تعظیمی لفظ مانا جاتا ہے۔ اس مصنف نے ان تمام احسانات کو فراموش کر دیا جو اورنگ زیب نے اس ساہو پر کئے تھے۔ اس کو تھوڑی سی عمر میں ہفت ہزاری منصب عطا کیا جو سب سے بڑا منصب تھا۔ اس کا خیمہ اپنے خیمے کی برابر لگواتا۔ اس کے اعزاز و اکرام کا اثر خود ساہو پر یہ تھا کہ جب وہ عالمگیر کی وفات کے بعد اپنی فوج سمیت شاہی کرو فر کے ساتھ اورنگ آباد سے گذرا تو عالمگیر کی قبر پر جا کر شاہانہ آداب بجالایا۔ اور شاہی دستور کے بموجب نذرانہ گذارا۔ اور اس طرف سے گھوڑے پر سوار ہو کر نہیں گذرا ـــــ لطف یہ ہے کہ یہی مؤرخ لکھتا ہے کہ اورنگ زیب کی وفات کے بعد جب اس نے قید سے خلاصی پائی تو خوشی سے اپنے تئیں سلطنت مغلیہ کا تابع تسلیم کر لیا۔ لطیفہ یہ ہے کہ قید سے خلاصی پا کر خوشی سے تابعدار ہو گیا۔ کیا معنے رکھتا ہے۔ اگر واقعی قید تھا تو پھر تابعدار کیوں ہوا ـــ؟

افسوس یہ ہے کہ انگریزوں کی پالیسی کہ "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" ہندو مسلم تعلقات کے بارے میں باشندگانِ ہند کی ذہنیت عموماً مسخ کر چکی ہے،

بہرحال مرہٹہ نسلی اعتبار سے برہمن ہیں۔ سلطنت مغلیہ کی ابتداء پر جب افغانوں کی طاقت ہندوستان میں ختم ہوگئی تو احمد آباد وغیرہ کی مسلمان حکومتیں بھی کمزور ہوگئیں۔ اس وقت ان میں دوبارہ جان پڑی۔ اور سیواجی سب سے پہلا شخص ہے جس نے ایک حکومت قائم کی۔

سیواجی کا باپ شاہ جی تھا جو پہلے تو سلطنت احمد نگر کے مدار المہام "ملک عنبر" کے ماتحت افسر رہا پھر بیجاپور کے بادشاہ کے یہاں ملازم ہوکر شاہجہاں اور مہابت خاں سے لڑتا رہا۔

سیواجی سلطان عالمگیر کے زمانہ میں تھا جس سے سلطان نے بنفس نفیس مقابلہ کیا۔ آخر کو شکست دیکر چند اضلاع اس کو بطور جاگیر دیدیے اور دکن کے چند اضلاع کی آمدنی کا چوتھائی حصہ جس کو چوتھ کہا جاتا تھا اس کے لئے مقرر کر دیا۔

صاحب عماد السعادت نے اس موقعہ پر ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے جو "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی کے زمانہ میں اگرچہ شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ مگر ہمیں یہ واضح کر دینا ہے کہ اب سے ڈیڑھ سو برس پیشتر کے مورخین کی روایت کیا ہے۔ جبکہ اس پالیسی کا زہریلا اثر ذہنوں کو تباہ کرنے پایا تھا۔

مصنف مذکور بیان کرتا ہے کہ جب عالمگیر کے حملوں سے سیواجی پریشان ہوگیا تو اس نے اس مضمون کی درخواست بادشاہ کی خدمت میں گذرانی کہ:-

| | |
|---|---|
| غلام ازیں جہت کہ اگرایں ہمہ خیل وخدم را جواب صاف دادہ بقلیلے | یہ غلام اس حشم وخدم اور اس فوج کو اس لئے جدا نہیں کرتا کہ اس لشکر |

اکتفاے نماید۔ در اقران و امثال
با وصف سبکی ننگ آباد گفته خواهد شد
این فوج و حشم را از خود جدا نمی تواند
کرد۔ چوں پرورش جمیع خانہ
زادگان ازیں آستانہ فیض نشانہ
میشود فدوی ہم امید وار فضل
و کرم است کہ ربع مداخل
ممالک محروسہ بایں غلام مرحمت
شود تا بطمانیت تمام بقیہ عمر
بدعاء عمر و دولت مشغول
باشد۔

کو صاف جواب دیکر تھوڑی سی فوج
پر اکتفا کرلے تو ایک تو یہ کہ اپنے معاصر
اور ہم پلہ لوگوں میں آپ کے خادم
کی بات ہلکی ہو گی۔ اس کے علاوہ
باپ دادوں کی رسوائی ہوگی جبکہ اس
آستانہ فیض نشانہ سے تمام خانہ زادوں کی
پرورش ہوتی ہے تو یہ فدوی بھی امیدوار
فضل کرم ہے کہ ممالک محروسہ کی آمدنی
کا ایک چوتھائی اس غلام کو عطا ہوجایا
کرے تاکہ باقی عمر آپ کی دولت اور
عمر کی ترقی کی دعاء میں گذار دے۔

اس کے بعد مصنف مذکور اس کی منظوری کے متعلق لکھتا ہے :-

وقتیکہ عرضداشت او بحضور
لامع النور آوردند۔ اشتداد گرمی و
صعود ابخرہ بدماغ کہ موجب عدم
توجہ نظر باشد مشرف
بشرف مصاحبت بود و نیز نظر
برانیکہ طرف ثانی موافق ارشاد ما
بدولت مدعاء خود را المعروض عرض
در آوردہ ست بلا تکرار دستخط
خاص بر عرضداشت او رشح نمود

جس وقت یہ درخواست حضور لامع النور
کے سامنے پیش ہوئی تو باوجودیکہ
مزاج برہم تھا۔ بخار سخت تھا اور
دماغ پر بخارات چڑھ رہے تھے اور
ایسی صورت درپیش تھی کہ کسی کام کی
طرف توجہ نہ کرنے کے لئے بہت قوی عذر
موجود تھا مگر صرف اس بنا پر کہ فریق
ثانی نے ہماری ایماء کے موجب درخواست
گذاری تھی بلا مزید بحث و تحقیق کے دستخط فرما دیئے۔

اس کے بعد مصنف بیان کرتا ہے کہ شاہزادہ محمد اعظم شاہ نے جب درخواست پر دستخط خاص دیکھے حیران ہو گیا اور سر پیٹ لیا کہ یہ کیا ستم ہوا۔ اور حضرت سلطان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یہ عطا رہی تو اعیانِ دولت کے لئے سخت مضر ہو گی آپ اس حکم کو منسوخ فرما دیجئے۔ بادشاہ نے فرمایا۔

| | |
|---|---|
| آنچہ شد۔ شد۔ ہمت عالی | جو کچھ ہونا تھا۔ ہو چکا اب |
| تقاضا ء آن نمی کند کہ دادہ | ہمت عالی اس کی اجازت نہیں |
| از کسے بستانم۔ بہر کس ہر چہ | دیتی کہ جو کچھ دیا گیا ہے وہ واپس لیا |
| بخشیدیم بخشیدیم۔ [1] | جائے۔ جسکو جو کچھ بخشنا تھا بخش دیا۔ |

کوئی وجہ نہیں کہ اس روایت کو غلط قرار دیا جائے زیادہ سے زیادہ یہی عذر ہو سکتا ہے کہ اس کو دوسرے مؤرخین نے نقل نہیں کیا مگر کسی کے نقل نہ کرنے سے کسی واقعہ کی تردید نہیں ہو سکتی اور اس سے تو کسی طرح انکار ہو ہی نہیں سکتا کہ عالمگیر نے سیواجی کو ایسی حالت میں معاف کیا جبکہ وہ مغلوب ہو چکا تھا اور صرف معاف ہی نہیں کیا بلکہ اس کو چوتھ اور دیس مکھی وصول کرنے کا حق بھی بخشا۔ سنبھاجی پسر سیواجی کو پنج ہزاری مرتبہ بھی عنایت فرمایا۔ آج مہذب دنیا کے مہذب بادشاہوں سے کوئی اتنی ہی سخاوت کرا دے۔

بیشک سنبھاجی پھر چلا گیا اور اس نے بغاوت کی عالمگیر نے اس کو گرفتار کرا کر قتل کرا دیا۔ لیکن اس کے بیٹے ساہوجی کے ساتھ وہ مراعات کی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ ساہو پانچ چھ سال کا ہی تھا مگر حکم ہوا کہ ہفت ہزاری ہفت ہزار سوار کا منصب مرحمت ہو جو اس

---

[1] عماد السعادت ص ۱۳۱

زمانہ میں سب سے اونچا منصب تھا، خاص اتالیق اس کی تعلیم کے لئے مقرر کئے جائیں اور اس کا خیمہ مابدولت کے خیمہ کے ساتھ ساتھ رہا کرے۔

دشمن کے لڑکے کے ساتھ مہربانیاں۔ یہ ہیں مراحم خسروانہ کیا اس کی کوئی نظیر پیش کی جا سکتی ہے؟

ساہو نے اپنا وزیر۔ بالاجی وشواناتھ کو بنایا تھا جو بہت لائق اور فائق تھا۔ اس کے زمانہ سے راجہ کا اقتدار وزیروں کے ہاتھ میں آگیا۔ جن کو پیشوا کہا جاتا ہے۔ اور پھر جیسے جیسے مغلیہ حکومت میں خانہ جنگی ہوتی رہی یہاں بھی بالاجی کی اولاد میں آپس میں بھی جنگ ہوتی رہی اور خود ساہو کے رشتہ داروں کو جب محسوس ہوا کہ راجہ کے خاندان میں ہوتے ہوئے محروم ہو رہے ہیں تو پیشوا کے سلسلہ کی مخالفت شروع کر دی۔ اب مرہٹوں کا سلسلہ بھی تین حصوں پر تقسیم ہو گیا۔

(۱) راجہ کے حامی (۲) پیشواؤں کے حامی۔ (۳) اولاد میں آپس میں مقابلہ۔ پیشواؤں اور سیواجی کے خاندان کا شجرہ درج ذیل ہے۔

شاہ جی
سیواجی
سنبھاجی — ساہو
راجہ رام بیوی تارا بائی سے — سیواجی ثانی، سنبھاجی راجہ کولہاپور

بالاجی وشواناتھ پیشوا۔ اول
باجی راؤ
بالاجی باجی راؤ — وسواس راؤ، مادھو راؤ، نرائن راؤ
نرائن راؤ — مادھو راؤ ثانی
رگھناتھ راؤ — باجی راؤ ثانی

عام طور سے مرہٹوں کی جنگ کو ہندو مسلم جنگ سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ پر نظر رکھنے والا شخص ہرگز اس کے تسلیم کرنے پر راضی نہ ہوگا۔ کیونکہ شیواجی کے مقابلہ کے لئے جو شخص بھیجا گیا وہ راجہ جے سنگھ تھا۔ موجودہ دور کے مشہور مصنف تاراچند اپنی تصنیف تاریخ اہل ہند میں تحریر فرماتے ہیں۔

۱۶۶۴ء میں شیواجی نے سورت کو لوٹا تو اس وقت اس کی سرکوبی کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ اورنگ زیب نے راجہ جے سنگھ کو کئی مسلمان اور ہندو افسروں کے ساتھ اس خدمت پر مامور کیا۔
جے سنگھ پوری طرح کامیاب ہوا۔ اور اس نے شیواجی کو صلح کرنے پر مجبور کر دیا۔ ص ج ۲۔

یہ تاراچند صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

مرہٹوں کی بغاوت ہندوؤں کی قومی یا مذہبی بغاوت نہیں تھی بلکہ اس کی حیثیت محض ایک قبیلہ کی سرکشی کی تھی۔ راجپوت۔ بندیلے اور خود شیواجی کے رشتہ دار اورنگ زیب کی طرف سے شیواجی اور ان کے جانشینوں سے لڑے۔ پھر یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ مرہٹے جس طرح مسلمانوں پر حملہ کرتے تھے اسی طرح ہندوؤں پر بھی کرتے تھے۔ انھیں اپنی فوج میں مسلمانوں کو بھرتی کرنے میں کوئی تامل نہیں تھا۔

تاریخ اہل ہند ص۶۶۔

نوابان بنگالہ کے سلسلہ میں آپ پڑھ چکے ہیں کہ بنگالہ اور بہار و اڑیسہ میں مہابت جنگ کے ساتھ بالاجی راؤ تھا۔ اور حملہ آور مرہٹوں کے ساتھ میر حبیب اور سردار خاں و شمشیر خاں وغیرہ افغانی تھے۔

یعنی جس طرح مسلمانوں کی خانہ جنگی تھی اسی طرح مرہٹوں کے بھی دو بھائی آپس میں لڑ رہے تھے۔ اسی طرح دکن میں نظام الملک آصف جاہ کی مستقل پالیسی یہی تھی کہ مرہٹوں کی دو طاقتوں میں سے کمزور کی امداد کر کے قوی سے لڑاتا رہتا۔

# محمد شاہ بادشاہ کے حالات کی طرف رجوع

مذکورہ بالا بیان سے جس میں ہندوستان کی ان طاقتوں کا ذکر کیا گیا ہے جو شاہ محمد شاہ کے عہد سلطنت میں یا جنم لے رہی تھیں یا جنم لے چکی تھیں، یہ واضح ہو گیا کہ دہلی۔ اور حکومت دہلی۔ باوجودیکہ شاہنشاہیت کا خطاب حاصل کئے ہوئے تھی۔ مگر درحقیقت وہ مختلف الاغراض طاقتوں کے بیچ میں ایسی تھی جیسے بتیس دانتوں کے بیچ میں ایک زبان۔ ملاحظہ فرمایئے مشرقی شمالی حصہ یعنی روہیلکھنڈ کمایوں میں روہیلہ ریاست۔ مشرقی صوبجات میں برہان الملک نواب اودھ۔ اور مہابت جنگ۔ نواب بہار۔ بنگال۔ اڑیسہ۔

مغربی شمالی حصہ (پنجاب میں) عبدالصمد خاں بہادر دلیر جنگ اور ۱۷ ربیع الثانی سنہ ۱۱۳۵ھ کو جب وفات ہو گئی تو ان کا بیٹا زکریا خاں سکھوں کی طاقت فرخ سیر کے زمانہ میں تباہ ہو چکی تھی) جنوب میں جاٹ۔ راجپوت مرہٹہ۔ نظام الملک آصف جاہ۔ اور انگریز۔

جاٹوں کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے کہ ان کی ریاست عالمگیر کی بخشش تھی۔

راجپوتوں کا سب سے بڑا سردار راجہ اجیت سنگھ اپنی بیٹی کی شادی فرخ سیر سے کر چکا تھا۔ حسین علی خاں وغیرہ کا بڑا حامی تھا۔ جب سادات

کی وزارت ختم ہوئی تو قدرتی طور پر اس کو نئی وزارت سے مخدوش رہنا چاہئے تھا اور جدید کابینہ وزارت بھی کوئی اس کو مخلص نہیں سمجھ سکتا تھا۔ چنانچہ اول اول اس کو گجرات کا گورنر بنایا گیا۔ مگر پھر کچھ مخالفت ہوئی تھوڑے عرصہ راجہ نے بغاوت کی مگر اس کو اس کے چھوٹے بیٹے بخت سنگھ[1] نے قتل کر دیا۔ دوسرے بیٹے دھونکل سنگھ نے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر باپ کی جانشینی کا خلعت پایا۔

بہرحال اس علاقہ میں مختلف طاقتیں تھیں۔ مگر لطف یہ ہے کہ سب ایک دوسرے سے خائف تھیں۔

جاٹ راجپوتوں سے خائف اور راجپوت مرہٹوں سے ترساں پھر مرہٹوں کے اندر خود خانہ جنگی مزید براں مرہٹوں کے ایک طرف نظام الملک حریف اور دوسری جانب پرتگیز۔ مد مقابل ان تمام طاقتوں کے متعلق تھوڑا تھوڑا بیان بھی کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہو جائے مگر آپ جس قدر گہرا مطالعہ کریں گے تو آپ کو تردد اور شک و شبہ نہ رہے گا کہ راجپوتوں نے دربار دہلی سے شادی بیاہ کی رسم جاری کر کے ذہنی یگانگت پیدا کر لی تھی جو مسلمان امراء دولت کو تھی۔

ملاحظہ فرمائیے، محمد شاہ کے زمانہ میں راجپوت محمد شاہ کے ساتھ رہے۔ بادشاہ اور احمد شاہ ابدالی کے مقابلہ میں راجپوتوں نے دربار کا ساتھ دیا اور بوقت ضرورت ان کو مرہٹوں کے مقابلہ پر بھی بھیجا گیا۔ [۱۳۲]

---

[1] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ صمصام الدولہ نے جودھپور کی ریاست کا لالچ دے کر بیٹے سے باپ کو قتل کرا دیا تھا۔ تاریخ ہندوستان ص ۳۲ بخت سنگھ کا نام ابھی سنگھ بھی ہے۔ ۱۲۰

میں جاٹوں نے کچھ سر اٹھایا جس کی صورت یہ تھی کہ برہان الملک کا نائب نیل کنٹھ جو ایک روز ہاتھی پر سوار جا رہا تھا۔ ایک جاٹ نے ایک درخت کے اوپر سے گولی مار کر اس کو ختم کر دیا۔ صمصام الدولہ نے جاٹوں کی سرکوبی کے لئے راجہ جے سنگھ راجپوت کو مقرر کیا جو جاٹوں کا پرانا دشمن تھا۔ چورامن جاٹ کے بیٹے محکم سنگھ نے باپ سے کچھ ایسی گستاخی کی کہ غیرت کے مارے چورامن زہر کھا کر مر گیا۔ غرض راجہ جے سنگھ نے اچھی طرح سرکوبی کر دی۔ (ہندوستان ص ۲۰۰)

مرہٹے بے شک دربار کے مخالف تھے مگر اپنی خانہ جنگی کے باعث صورت یہ تھی کہ تاریخ ہندوستان کے الفاظ میں "مرہٹے ہمیشہ طرف مغلوب کے پالسہ کو اپنی خوش طالعی جانتے تھے۔"

اسی طرح نظام الملک کی کامیاب پالیسی یہ تھی کہ وہ مرہٹوں کی کمزور طاقت کو امداد دے کر قوی کو کمزور کرتا تھا۔ مرہٹوں کے پیشوا بالاجی راؤ کے متعلق آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ اس نے بھابت جنگ کی حمایت میں راگھوجی اور بھاسکر پنڈت کا مقابلہ کیا۔ ملک کی اس عام افراتفری اور دربار دہلی کی بیچارگی کے باوجود ایک اور تماشہ ملاحظہ فرمائیے، واقعہ یہ ہے کہ نظام الملک آصف جاہ جس کی بدولت سادات کا اقتدار ختم ہوا۔ جب وہ ۲۲ ربیع الآخر ۱۱۳۳ھ کو جب دربار میں آیا تو اگرچہ ۵ رجمادی الثانی ۱۱۳۳ھ میں قلمدان وزارت اس کے سپرد کر دیا گیا تھا اور تاریخ ہندوستان کے الفاظ میں اس کی خواہش تھی کہ وزارت کی ترتیب اس طرح ہو کہ بادشاہ کی نیک نامی ہو اور خزانہ فراہم ہو۔ مگر برہم کار مخل ہوئے اور انھوں نے چند کلمات افتراء

بادشاہ کے کان میں پھونکے اور وزارت میں دخیل ہوئے خصوصاً بادشاہ کی کوکی "ایک زن سحر آفرین پُرفتن صاحب جوہر تھی۔ خواجہ خدمتگار خاں بادشاہ کا مقرب تھا۔ وہ اس کی ہمراز اور ہمدم ہوئی۔ کفایت اور خزانہ جمع کرنے کے لئے وہ بہت روپیہ پیشکش کے نام سے لیتی اور بندوبست وزارت میں خلل ڈالتی [1] سادہ لوح بادشاہ اور مقرب بھی نظام الملک کی طرف سے بہکاتے رہے۔ معز الدولہ حیدر قلی خاں جو میر آتش مستقل تھا چرب زبانی سے مقدمات مالی و ملکی میں دخیل ہوتا تھا۔ جب نظام الملک نے حیدر قلی خاں کی حرکات پر اشارہ کیا تو بادشاہ نے اس کو ملائمت سے نصیحت کی۔ تو اپنے صوبہ احمد آباد کو روانہ ہوا اور وہاں جاکر اکثر بندہ ہائے بادشاہی کی جاگیریں ضبط کیں۔ اس کی جب فریاد ہوئی اور اس کی فہمائش کی گئی۔ اس نے سنا نہیں تو اس کی جاگیریں اطراف شاہجہان آباد میں احمد آباد کی جاگیروں کے عوض میں ضبط ہو گئیں۔ [2] جب حیدر قلی خاں کو اس کا علم ہوا تو اس نے معافی مانگی دربار میں حاضر ہوا اور احمد آباد کا علاقہ نظام الملک کے بیٹے غازی الدین خاں بہادر کو سپرد ہوا۔ [3]

---

[1] خیانت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ دکن اول ولہ تو ۱۲ لاکھ روپیہ کابل بھیجنے کیلئے سالانہ دیا جاتا تھا مگر وہ ۶ لاکھ بھیجتے اور ۶ لاکھ خود ہضم کر جاتے۔ صرف دو یا تین سال بعد ہی جب مقدمہ چلا تو دو کروڑ روپیہ کا غبن ثابت ہوا۔ سیر ص ۴۵۰ اسی طرح عبدالغفور نامی سے بھی دو کروڑ روپیہ وصول کیا گیا۔ ص ۴۵۱ [2] تاریخ ہندوستان ص ۲۰۲ [3] اس واقعہ کو پڑھنے کے بعد آپ دوسرا واقعہ سنئے کہ راجا جیت سنگھ کہ نائب نے گجرات میں طوفان بپا کر دیا۔ جب دربار کو اس کی اطلاع پہونچی تو اس نے معافی مانگی مقصد یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے کارنامے مسلمانوں سے بھی سرزد ہوتے ہیں ہندوؤں سے بھی ۱۲

کوکی صاحبہ کے متعلق مصنف مذکور لکھتا ہے کہ :۔

آپ کا نام رحیم النسار تھا۔ شاہ صاحب محمد درویش کی صاحبزادی تھیں۔ بادشاہ سے اُس کو وہ تقرب حاصل تھا کہ بادشاہ کا قلمدان اُس کے سپرد تھا۔ اور وہ صاحب دستخط تھی ..... غرض بادشاہی کے کل اختیارات کوکی بی کوکی کے ہاتھ میں تھے۔ [۱]

## نظام الملک کی دربار سے ناراضگی

نظام الملک کو زیادہ عرصہ دہلی میں رہنا نصیب نہ ہوا۔ تھوڑے دنوں بعد ہی وہ واپس دکن چلا گیا۔

خافی خاں نے واپسی کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس ہی زمانہ میں ایران کی خانہ جنگی اور شاہ ایران کی بے بسی کی خبریں آرہی تھیں نیز یہ بھی خطرہ تھا کہ وہاں کا فساد ہندوستان پر اثر انداز ہو۔

نظام الملک نے اس وقت ملک کی اصلاح اور آنے والے خطرات کی پیش بندی ضروری سمجھی اور بادشاہ کی خدمت میں چند تجویزیں پیش کیں۔ مثلاً :۔

(الف) اجارہ محال خالصہ موقوف کردیا جائے، جو ملک کے لئے تباہی کا باعث بنا ہوا ہے۔

(ب) رشوت جس کا نام پیشکش رکھا گیا ہے۔ موقوف کی جائے اس سے وقار سلطانی پر برا اثر پڑ رہا ہے۔

(ج) شاہ عالمگیر کے عہد کے موافق محاصل کا بندوبست ہو۔

(د) شیر شاہ نے ہمایوں سے ہندوستان چھین لیا تھا اس وقت

---

[۱] تاریخ ہندوستان [illegible]

شاہ ایران نے ہمایوں کی امداد کی تھی، اس وقت جبکہ افغانوں نے ایران کو مغلوب کر رکھا ہے۔ شاہنشاہ ہند، شاہ ایران کی امداد کریں تو ایک خاندان تیموریہ کی تاریخی وفاداری ہوگی۔

بادشاہ نے فرمایا کہ ہمارے پاس ایسا آدمی کونسا ہے جس کو اس مہم پر مامور کیا جائے۔ فتح جنگ نے فوراً عرض کیا کہ بندگان کار طلب میں جس کو مامور فرمائیں گے وہ اس خدمت کے لئے حاضر ہوگا۔

لیکن جب اس تجویز کے متعلق بادشاہ نے دوسرے امراء دولت سے مشورہ کیا تو انھوں نے نظام الملک کی طرف سے ایسی باتیں بادشاہ سے عرض کیں کہ بادشاہ بدگمان ہو گیا۔ حتیٰ کہ نظام الملک معتوب ہوئے۔

نظام الملک نے اپنی آبرو اسی میں دیکھی کہ وہ دربار سے نکل جائے چنانچہ چند روز کے لئے شکار کے بہانہ سے رخصت لی۔ اسی اثنا میں خبر آئی کہ صوبہ احمد آباد اور مالوہ میں مرہٹوں نے شورش برپا کردی۔ چونکہ ان دونوں صوبوں کا تعلق اس سے اور اس کے بیٹے غازی الدین خاں سے تھا اس لئے بادشاہ سے باقاعدہ رخصت لے کر دکن پہونچ گیا۔ مرہٹے تو نام سنتے ہی بھاگنے لگے مگر نظام الملک کو ایک دوسری مشکل پیش آئی۔

دربار دہلی نے خفیہ طور پر[1] مبارز خاں کو جو حیدرآباد کا گورنر تھا نظام الملک کے برخلاف اکسا دیا۔ چنانچہ مبارز خاں اور اس کے بیٹے اسد خاں، سعود خاں اور خواجہ احمد خاں۔ بڑے لشکر کے ساتھ مقابلہ پر آگئے مگر نظام الملک کا اقبال سامنے تھا۔ اور اس کی اولاد کے لئے ازل سے حیدرآباد کی ریاست مقدر ہو چکی تھی۔ چنانچہ نظام الملک کامیاب رہا۔ سارے دشمن مغلوب ہوئے اور

---

[1] سیر المتاخرین ج ۱ ص ۵۰

مقتول ہوئے۔

دربار دہلی نے اس موقعہ پر ایک دوسری چال چلنی چاہی کہ سید عبداللہ قطب الملک سے جواب تک زندہ تھا اور اسیر تھا درخواست کی کہ وہ آزاد ہو کر نظام الملک کی سرکوبی کرے مگر اس نے جواب دیا کہ اس وقت میری قوت سے باہر ہے (سیر المتاخرین ص۴۶۲ ج۱)

جب دربار دہلی نے یہ دیکھا تو نظام الملک کو ان صوبوں کا گورنر بنا دیا یا گورنر تسلیم کر لیا۔ اور بتقاضائے وقت۔ ہاتھی اور جواہرات بطور انعام بھیجے اور آصف جاہ کا خطاب عنایت کیا[1]۔

دربار دہلی جب نظام الملک کے خلاف خفیہ سازش کر رہا تھا تو دوسری مہربانی یہ کی کہ نظام الملک کو وزارت کے منصب سے برطرف کر دیا۔ اس کا بیٹا غازی الدین خاں بہادر فیروز جنگ جو بطور نیابت کام کر رہا تھا معزول کیا گیا۔ اور اعتماد الدولہ قمر الدین خاں کو وزارت عظمیٰ کا مرتبہ تفویض ہوا لیکن جب نظام الملک کا اقتدار دکن میں اس طرح جم گیا کہ اسکی نظیر گذشتہ تاریخ میں نہیں تھی تو دلداری کے لئے اُس کو وکیل مطلق بنا دیا گیا۔

## نظام الملک کی تباہ کن تدبیر

اس میں شک نہیں کہ حیدر آباد کا گورنر ہونے کے بعد نظام الملک کو دو طرف سے خطرہ لگا ہوا تھا۔ ایک دربار کے امرار جو اس کے حاسد تھے۔ دوسرے مرہٹے جو ہمسایہ تھے مگر اپنے مخالف جذبات کے باعث مار آستین تھے۔ ان دونوں مشکلوں سے بچنے کے لئے جو آصف جاہ نظام الملک نے تدبیر کی وہ اس کی شاندار تاریخ کے دامن

---

[1] تاریخ ہندوستان ص۲۱۳۔

پر ایک نفرت انگیز دھبہ ہے۔ ہم اس کو تاریخ ہندوستان کے الفاظ میں درج کرتے ہیں۔

اگرچہ آصف جاہ بادشاہ سے دور حیدرآباد میں آزادانہ حکومت کرنے لگا اور بادشاہ کے قابو سے نکل گیا۔ مگر ہمسایہ مرہٹوں سے وہ محفوظ اور مطمئن نہ تھا۔ اس وقت مرہٹوں کی حکومت بڑے لائق فائق سرداروں کے ہاتھ میں تھی۔ آصف جاہ کا ایسا مقدور نہ تھا کہ وہ اس کی برابر ٹھہرا رہتا۔ اس لئے اس نے ایسی حکمتیں کیں اور پیچ پر پیچ ڈالے کہ مرہٹوں کا زور اس کی طرف سے ہٹ کر دہلی میں اس کے دشمنوں پر پڑا۔ مصنف سیر المتاخرین لکھتا ہے۔

چوں آصف جاہ۔ اوضاع حضور و شعور امراء۔ و رقد دانی مبارز الملک مشاہدہ نمود رغبت او در ترغیب افواج مرہٹہ بہ تسخیر ممالک ہند۔ بیشتر گردید[1]

بہر حال نظام الملک نے باجی راؤ کو آمادہ کر دیا کہ وہ صوبہ مالوہ اور صوبہ گجرات کو اپنے قبضہ میں کر لے۔ صوبہ گجرات کا گورنر بادشاہ کی طرف سے راجہ ابھے سنگھ راٹھور۔ پسر راجہ اجیت سنگھ تھا۔ اور صوبہ مالوہ کا صوبہ دار راجہ گردھر بہادر تھا۔ راجہ گردھر بہادر نے پوری قوت سے مقابلہ کیا اور دربار سے مدد مانگی مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسی جنگ میں کام آگیا۔ اس کے بعد راجہ چھبیلا رام بہادر کا ایک عزیز گردھر کا ہمقوم تھا اور جس کا نام دیا بہادر تھا بادشاہ کا حق ادا کرنے کے لئے گردھر نائب بنکر باجی راؤ کے مقابلہ میں آیا اور بادشاہ کو لکھا کہ جب تک میں زندہ ہوں

---

[1] سیر المتاخرین صفحہ ۴۶۲

مرہٹوں کو آگے نہ بڑھنے دوں گا اور حق نمک ادا کر دوں گا۔ مگر جلد کمک پہونچنی چاہئے تاکہ کامیابی ہو۔ اور ہندوستان اس سے محفوظ رہے۔ مگر بادشاہ کے دربار سے اس کے جواب میں بھی خاموشی تھی۔ آخر وہ بھی میدان میں ختم ہو گیا۔ اور صوبہ مالوہ مرہٹوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

سنہ ۱۱۴۳ھ میں محمد خاں بنگش (افغان) کو مالوہ کی تسخیر کے لئے روانہ کیا گیا مگر ناکام رہا۔ اس کے بعد راجہ جے سنگھ کو بھیجا گیا اس نے کچھ مرہٹوں سے گفت و شنید کر کے بادشاہ کی جانب سے یہ صوبہ انہیں کو دلوا دیا(۱) یہی حشر گجرات کا بھی ہوا۔ ان دونوں صوبوں پر قابو پانے کے بعد وہ آگے بڑھے۔ حتیٰ کہ وہ الہ آباد اور پھر اکبر آباد کے قریب تک پہونچ گئے۔

غرض مرہٹے یونہی دن بدن آگے بڑھ رہے تھے مگر صمصام الدولہ صاحب یہ چاہتے تھے کہ نظام الملک اور مرہٹوں جیسی طاقتوں کو یوں ہی باتوں ہی میں ٹالتے رہیں۔

جب پانی سر سے گذرنے لگا اور مرہٹے دہلی کے قریب قصبہ سانبر تک قدم جا چکے تو بادشاہ نے ان کی تنبیہ کا قصد فرمایا۔ تیس چالیس ہزار فوج اور توپ خانہ وغیرہ سب سامان فراہم کیا گیا اور ۲ ذی قعدہ سنہ ۱۱۴۹ھ کو اس فوج نے کوچ شروع کیا۔ بڑے بڑے راجہ مہاراجہ اور ایرانی اور تورانی امراء سپہ سالار تھے مگر یہ ہمت کسی کی نہ تھی کہ آگے بڑھ کر مرہٹوں پر حملہ کر دیں۔ ان غریبوں نے کبھی جنگ کی ہو تو وہ اقدام بھی کریں چنانچہ صمصام الدولہ صاحب کچھ تجویزیں لیکر راجہ جے سنگھ

---

(۱) گیا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ باغی اور سرکش مرہٹے بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وارث ملک درحقیقت مغل بادشاہ ہے۔ اس نے اگر صوبہ داری کا پروانہ لکھ دیا تو یہ باغی بھی مطمئن ہو گئے اور ہندوستان کی تمام دوسری ریاستوں اور حکومتوں نے بھی ان کو اس علاقہ کا جائز حکمراں تسلیم کر لیا۔

کے پاس بھیجدیتے تھے اور راجے سنگھ لمبا مضمون لکھ صمصام الدولہ کے پاس بھیجدیتے
راجہ ابھے سنگھ افیون کی پینک میں پڑے رہتے یہی حال اعتماد الدولہ
کا تھا وہ آصف جاہ کی امداد کی امید لگائے ہوئے تھا۔ دہاں آصف جاہ
صمصام اور بادشاہ سے ناراض، وہ چاہتا تھا کہ صمصام الدولہ اور ارکان
دولت ذلیل ہوں۔ بادشاہ آصف جاہ سے ناراض، دوسرے لوگ امیرالامراء
صمصام الدولہ کی ناخوشی کے خوف سے رائے پیش کرتے ہوئے ڈرتے۔
ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ دہلی کی واپسی ہی کو سب سے زیادہ مناسب
سمجھا گیا۔ مرہٹے دہلی کی طرف بڑھ رہے تھے بظاہر مسلمانوں سے جنگ تھی
مگر یہ کیا بات ہے کہ مسلمانوں کی طرح شمالی ہند کے ہندو بھی محفوظ نہیں
ہیں۔ انھوں نے اکبرآباد پہونچتے پہونچتے ہندو اور مسلمان دونوں ہی
طاقتوں سے مقابلہ کیا۔ راجہ بھدورا کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ وہ برہان الملک
نواب اودھ کا حلیف تھا۔ برہان الملک اس کی امداد کے لئے بڑھا اور
چند شکستیں مرہٹوں کو دیں۔ اس وقت صمصام الدولہ اور قمرالدین خاں
بھی فوجیں لے کر برہان الملک کے پاس پہونچ گئے۔
مرہٹے ان سب کے مقابلہ سے خائف تھے۔ وہ پسپا ہونے لگے اور
ملک میں برہان الملک کی کامیابی کا چرچا ہونے لگا۔ تو باجی راؤ کو اس کا فکر ہوا
اس نے شرمندگی مٹانے کے لئے دوسرے راستے سے دہلی پر یورش کردی
چنانچہ ۸ ذی الحجہ ۱۱۴۹ھ کو تغلق آباد میں آیا۔ اس دن کالکا کا میلہ تھا۔
وہاں ہندو مسلمانوں کو خوب لوٹا۔ پھر عرفہ کے روز مینا بازار اور آبادی
کی دوکانوں کو غارت کیا۔ اس موقعہ پر صاحب عماد السعادت لکھتے ہیں کہ دہلی
میں بہت سی فوج اور کافی بندوقیں تھیں مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ مقابلہ

کرے۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ مگر اصل صورت یہ ہے کہ وزیر اعظم اور میر الامرا دونوں دہلی سے فوجوں سمیت غائب تھے یہاں دہلی والے تھے وہ گھروں اور مکانات میں چھپ گئے۔ قلعہ کے دروازے بند کر لئے گئے۔ مگر اطراف کی فوجوں کو جب مرہٹوں کے حملہ کا علم ہوا تو فوراً پایہ تخت کی طرف دوڑیں ادھر برہان الملک وغیرہ بھی دہلی کی طرف بڑھے۔ باجی راؤ بھاگ کر ریواڑی وغیرہ کو لوٹتا کھسوٹتا سیدھا مالوہ پہنچا

اس موقعہ پر مؤرخین نے برہان الملک کی بہت تعریف کی ہے صمصام الدولہ ——— اور قمر الدین خاں کے سر الزام تھوپا ہے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جب سادات کی برکت سے خزانہ شاہی خالی ہو چکا ہو۔ اس کے بعد رشوت ستانی اور خباثت کے باعث فراہمی خزانہ کی اب تک کوئی صورت نہ بنی ہو۔ مزید براں صوبے مرکز کی امداد سے بے پروا ہوں تو پھر صمصام الدولہ تو کیا عالمگیر بھی ہوتا تو کیا کرتا؟

بہر حال سید حسین علی خاں کے دور کے بعد مرہٹوں کی یہ دوسری آمد تھی۔ مگر آپ پڑھ چکے ہیں کہ پہلی آمد کی طرح یہ بھی مسلمان گورنر کی شہ پر ہوئی تھی۔ اور مسلمانوں ہی نے اپنے مرکز کو دوسروں سے لٹوانے کی فکر کی تھی۔

**باجی راؤ کا منشا** مگر باجی راؤ کا مقصد اس یورش میں بادشاہ کو ناراض کرنا یا دہلی کو لوٹنا نہ تھا بلکہ محض اپنی قوت کا اظہار مقصود تھا۔ چنانچہ اس نے اس زمانہ میں جو خط و کتابت کی وہ شاہی آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسی مضمون کی تھی۔ وہ اس میں یقیناً کامیاب ہوا چنانچہ بادشاہ نے صوبہ مالوہ اور ۱۳ لاکھ روپیہ اس کو دیدیا۔ اس سے بڑھ کر

اور کامیابی کیا ہوسکتی تھی مگر افسوس یہ ہے کہ دربار دہلی ان تمام کمزوریوں اور لاچاریوں کے باوجود اخلاص سے محروم اور دسیسہ کاریوں میں مبتلا تھا۔ اس نے اس موقعہ پر نئی چال چلی کہ ایک طرف مرہٹوں کو راجپوتوں کے ملک سے خراج وصول کرنے کا اختیار دیدیا اور دوسری جانب آصف جاہ نظام الملک کے ملک میں جس قدر حقوق ان کو پہلے سے تھے ان میں اضافہ کر دیا۔ مقصود یہ تھا کہ اس طرح مرہٹے راجپوتوں اور نظام الملک میں الجھ جائیں اور دربار کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ جائے۔

باایں ہمہ۔ دربار نے اس وقت محسوس کیا کہ نظام الملک کی ناراضی ان کے لئے پیغام موت ہے تو اس کی منت سماجت شروع کی اس کو اپنی حمایت کے لئے بلایا۔ اور پورا اختیار دیدیا کہ وہ جو کچھ لڑائی کا سامان دہلی کی سلطنت سے فراہم کر سکے فراہم کرے۔ ادھر خود نظام کو بھی خیال ہوا کہ مرہٹوں کو اتنا ڈھیل دینا اور دہلی کا تباہ ہوجانا خود اپنے لئے بھی تباہی کا پیش خیمہ ہے چنانچہ آصف جاہ نے دربار کی دعوت منظور کی اور دکن سے روانہ ہو کر ربیع الاول ۱۱۵۰ھ ۲۷/۱۷۳۷ء میں دہلی پہونچا۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ خزانہ خالی تھا اور شاہجہاں کا لال قلعہ جو دولت و ثروت کا مرکز تھا۔ اب درویش خانہ بن چکا تھا بہت کوشش کی گئی مگر عمدہ سامان جنگ فراہم نہ ہوسکا خود نظام کے پاس اس وقت صرف بتیس ہزار فوج تھی جس میں متعدد ہندو راجہ بھی شامل تھے۔ صفدر جنگ بہادر (نواب برہان الملک کا بھانجہ) بھی اودھ سے فوج لے کر امداد کے لئے آیا۔ راجہ بندیل کھنڈ بھی نظام الملک کے ساتھ ہولیا۔ یہ تمام فوجیں بھوپال تک پہونچیں اور ایک محفوظ مقام پر مقیم ہوگئیں۔ مرہٹے ان سے دوچند سہ چند فوج لے کر مقابلہ کے لئے آئے۔ ان کے پاس ہر قسم

کا سامان مہیا تھا۔ جو حملے بڑھے ہوئے تھے مقابلہ شروع ہوا چند بار بوڑھے نظام الملک کو میدان میں اترنا پڑا مگر جب نادر شاہ کی آمد آمد کی خبریں سنیں تو نظام الملک کو دربار دہلی کی نجات اسی میں نظر آئی کہ مرہٹوں سے صلح کرے چنانچہ ایک نیا عہد نامہ مرتب ہوا صوبہ مالوہ (جس کو بادشاہ پہلے ہی عطا کر چکا تھا) نئے عہد نامہ میں بھی اس پر کچھ اور زیادتی بھی کردی گئی اور پچیس لاکھ روپیہ تاوان جنگ شاہی خزانہ پر ڈالا گیا۔ مگر اس معاہدہ پر ابھی شاہی دستخط ثبت نہ ہوئے تھے کہ نادر شاہی بلا دہلی پر آپڑی۔

## نادر شاہ کا حملہ اور قتل عام

**تعارف** اصل نام نادر قلی۔ باپ کا نام امام قلی۔ قوم افشار۔ (جو ترکوں کی ایک برادری ہے) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ پوستین دوز تھا سنہ ۱۱۰۰ھ میں پیدا ہوا۔ سترہ سال کی عمر میں وہ اپنی ماں سمیت ازبکوں کے ہاتھ میں گرفتار ہوا جو خراسان کو لوٹنے کے لئے آرہے تھے اس کی ماں اسی قید میں ختم ہو گئی۔ مگر نادر شاہ چار سال بعد رہا ہوا وہ اپنے ملک کے ایک امیر کے یہاں ملازم ہو گیا جس کا نام بابل بیگ تھا مگر تھوڑے دنوں بعد آقا کو قتل کر کے اس کی لڑکی بھگا کرلے گیا۔ رضا قلی مرزا اسی سے پیدا ہوا پھر لیٹروں کو ساتھ لے کر لوٹ مار کرتا رہا۔ اسی میں ایک جمعیتہ فراہم کرلی۔ والی خراسان نے اس کو نوکر رکھ کر ازبکوں سے لڑایا۔

یہی زمانہ وہ تھا کہ خاندان صفویہ پر زوال آرہا تھا۔ سارے ملک میں شور و غوغا مچ رہا تھا۔ تین ہزار فتنہ برپا کرنے والے نادر کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے۔ اس کو اپنا امیر بنا لیا۔ اور اس گروہ نے اب تاخت

تاراج شروع کردی۔ اس زمانہ میں افغانوں اور ایرانیوں کی جنگ جاری تھی۔ افغانوں نے ایران کے بادشاہ کو قتل کردیا تھا۔ شاہزادہ طہماسپ جو موجود فرمانروا تھا اس نے نادرشاہ کو اپنے ساتھ ملا کر فوج کا افسر اعلیٰ بنادیا۔ اور اس کو افغانوں کی طرف متوجہ کردیا۔ اس نے تھوڑے ہی عرصہ میں افغانوں کی فتح کو شکست سے بدل دیا۔ اور نہ صرف پسپا کیا بلکہ ان کا تعاقب کرتے ہوئے جلال آباد تک آپہنچا۔ کابل اس زمانہ میں دہلی کے ماتحت تھا۔ وہاں کا گورنر ناصر خاں تھا۔ لاہور اور پنجاب کے متعلق پہلے گذر چکا کہ گورنر عبدالصمد خاں تھے۔ جس کی وفات پر زکریا خاں کو گورنر بنایا گیا تھا۔

## ہندوستان پر حملے کے اسباب

جلال آباد میں داخلہ نادرشاہ کی طرف سے گویا اعلان جنگ تھا۔ مگر ہندوستان نے اس کو نظر انداز کیا مگر جو تباہی اور بربادی ہندوستان بالخصوص دہلی کی قسمت میں لکھی جا چکی تھی اس کے لئے ایک دوسرا بہانہ پیدا ہوگیا۔

نادرشاہ جن کے تعاقب میں جلال آباد تک پہونچا تھا ان میں سے کچھ جلال آباد سے جان بچا کر ہندوستان پہونچ گئے۔ نادرشاہ نے ان کا مطالبہ کیا۔ دربار دہلی سے جب نادرشاہ کے خط کا کوئی جواب نہ پہنچا تو اس نے ایک سفیر خاص اس مقصد کے لئے بھیجا۔ وہ بھی عرصہ تک پڑا رہا اور جواب سے محروم رہا۔

جواب نہ دینے کی ظریفانہ وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ قلمدان وزارت کے ذمہ دار دو سال تک اسی غور و فکر میں رہے کہ نادرشاہ کو کس عنوان

سے خطاب کیا جائے۔

ارباب قلم کے لئے یہ مسئلہ بھی سنجیدہ تھا کیوں کہ "محمد شاہ" شہنشاہ ہند اکبر، جہاں گیر، شاہجہاں، اورنگ زیب جیسے شاہنشاہوں کا وارث، اس کے برخلاف نادرشاہ کی حقیقت صرف یہ کہ ایک کم ذات، نچلا نوجوان جس نے اپنی شوخیوں سے اپنی دھاک اور ہیبت بٹھا دی تھی، نہ خاندان باعظمت نہ خود اس کی ذات باعظمت، نہ اس کی حکومت باضابطہ۔ اس کو شاہانہ خطابات سے مخاطب کرنا محمد شاہ اور اس کی باضابطہ متمدن ومہذب حکومت کی شان کے خلاف تھا اور نادرشاہ کی حیثیت اور اس کی حقیقی شان کو سامنے رکھ کر اس سے خطاب کرنا اپنی تباہی کا پروانہ خود اپنے قلم سے لکھنا تھا۔

آجکل کی سیاسی اصطلاح میں یہ پیچیدگی اس لئے پیدا ہوگئی کہ اگر اس کو شاہانہ القاب سے خطاب کیا جاتا تو اس کی بادشاہت تسلیم کر لی جاتی۔ جس کے لئے بظاہر دربار دہلی تیار نہیں تھا۔ اس کے لئے نزاکت اس لئے بھی پیدا ہوگئی تھی کہ روہیلوں کی طاقت جو دہلی سے بالکل قریب دن بدن بڑھتی جارہی تھی وہ ان مغرور افغانوں کی حامی ہوسکتی تھی۔ پھر پنجاب اور خود کابل کے گورنر بھی افغانوں کے ہم قوم اور ہمدرد وبہی خواہ تھے دربار دہلی کی اس وقت یہ حیثیت نہیں تھی کہ وہ ان سب کو اپنا مخالف بنالیتا۔

نادرشاہ شیعہ تھا۔ اس کے حامی شیعہ بھی خود دربار میں موجود تھے اور ان کا قائد وسربراہ برہان الملک اودھ میں ایسی طاقت فراہم کرچکا تھا کہ اس سے بگاڑنا بھی دربار کی طاقت سے باہر تھا۔

وجوہات کچھ بھی ہوں خلاصہ یہ کہ جب دو سال گذر گئے۔ نہ مفرور اور ملزم نادر شاہ کے حوالے ہوئے نہ خط کا کوئی جواب ملا۔ انتہا یہ کہ ایلچی بھی جواب سے محروم رہا۔ تو نادر شاہ جیسے وحشی کے لئے اس سے بہتر موقعہ کیا ہو سکتا تھا۔؟ اس نے ہندوستان پر یورش کر دی۔ کابل میں ناصر خاں اور لاہور میں زکریا خاں کی حقیقت ہی کیا تھی اُن کو شکست دیتا ہوا کرنال پہونچ گیا۔

دربار دہلی کی حمایت اور وطن عزیز سے مدافعت کے لئے ہندوستان کی منتشر طاقتیں جمع ہوئیں، مرہٹوں سے جوں توں صلح کر کے آصف جاہ پہونچا سے پہلے کر میدان جنگ میں پہونچ گئے۔ ادھر اودھ سے بہت بڑی فوج لے کر نواب سعادت علی خاں برہان الملک حاضر ہو گئے، مگر قسمت ہندوستان گردش میں تھی۔ پہلے ہی معرکہ میں صمصام الدولہ اور اس کے خاص خاص آدمی قتل ہو گئے۔

برہان الملک گرفتار ہو گیا۔ اور رسا تھ ہی جو ایک کھیل کھیلا گیا وہ ان مقتولین کے قتل سے کہیں زیادہ شرمناک اور تباہ کن تھا۔ برہان الملک گرفتار ضرور ہوئے مگر اُن کی گرفتاری ایک تماشہ تھی۔ ایک نیشاپوری نوجوان برہان الملک کے ہاتھی کے سامنے آیا۔ برہان الملک اس پر تیر چلانا چاہتے تھے کہ اس نوجوان نے ڈانٹ کر کہا۔

محمد امین۔ دیوانہ شدہ۔ باکہ میجنگی و بکدام فوج اعتماد داری

محمد امین۔ پاگل ہو گئے ہو کس سے لڑ رہے ہو۔ اور کونسی فوج پر اعتماد کئے ہوئے ہو۔

یہ کہہ کر اپنا نیزہ زمین میں گاڑا اور گھوڑے کو اس سے باندھکر

ایک جست لگائی اور برہان الملک کی برابر عماری پر آبیٹھا۔ نیشاپوری تہذیب میں گرفتاری کی شکل یہی ہوتی ہے۔ لہذا اس وقت سے برہان الملک نے خود کو گرفتار تصور کر لیا۔ اور نیشاپوری نوجوان کے پیچھے نادر شاہ کے حضور میں حاضر ہوئے جہاں آپ کا پورا اعزاز و احترام کیا گیا (جسکی تفصیل چند سطروں بعد آرہی ہے۔)

صمصام الدولہ۔ امیر الامراء نے مرتے وقت ایک خاص وصیت کی تھی۔

ما خود - کار خود را تمام کردیم
شما دانید و کار شما - این قدر
میگوئیم کہ بادشاہ را بملاقات
نادر شاہ و نادر شاہ را شاہجہان
آباد نخواہید رفت و بہر کیفیتے کہ
توانید از ہمیں جا این بلا را بگردانید

ہم اپنا کام پورا کر چکے ہیں، اب تم جانو
تمہارا کام، اتنی بات کہتا ہوں کہ نہ تو
بادشاہ کو نادر شاہ کی ملاقات کیلئے
لیجانا، اور نہ نادر شاہ کو شاہجہان آباد (دہلی)
میں لیجانا جس طرح اور جس صورت سے بھی
ممکن ہو نادر شاہ کو یہیں سے واپس کر دینا

وصیت کے مضمرات پر غور کیجئے۔ معلوم ہو جائے گا کہ نازک مسئلہ صرف یہی نہیں تھا کہ ملک میں نادر شاہ اور اس کے مغرور قوموں کی حامی پارٹیاں موجود تھیں بلکہ خود ارکین دولت جو میدان جنگ میں بظاہر محمد شاہ کی حمایت میں موجود تھے ان میں بھی شدید اختلاف تھا۔ اور ہر ایک کا منصوبہ دوسرے سے متضاد تھا۔

**تحسبهم جميعاً وقلوبهم شتى** (تم ان کو متحد سمجھتے ہو اور انکے دل ایک دوسرے کے مخالف ہیں) یہ تباہ ہونے والی قوموں کا نشان ہوا کرتی ہے وہی یہاں کار فرما تھی۔

---

حاشیہ سیر المتاخرین ص ۹۷

## قتلِ عام کے اسباب

برہان الملک گرفتار کر کے نادر شاہی فوج میں لایا گیا۔ جب بادشاہ کو علم ہوا تو فوراً اعزاز و اکرام کے ساتھ حضور میں طلب کیا۔ برہان الملک کو وہیں معلوم ہوا کہ صمصام الدولہ کا انتقال ہو گیا۔

برہان الملک کو امیر الامراء بننے کی تمنا تھی۔ اس موقعہ کو غنیمت سمجھکر چاہا کہ کوئی ایسا کام کر گزرے کہ بادشاہ کی نظر میں قدر بڑھے۔ اس نے نادر شاہ سے صلح کی گفتگو شروع کر دی۔ نادر شاہ اس پر آمادہ تھا مگر وہ کچھ روپیہ بھی لینا چاہتا تھا۔ جس کے متعلق گفتگو کا طے کرنا آصف جاہ کے ذمہ رکھا گیا۔ چنانچہ برہان الملک کی طرف سے بادشاہ اور آصف جاہ کے پاس رقعہ پہونچا۔ آصف جاہ کو بلایا گیا۔ آصف جاہ نادر شاہ کے حضور میں حاضر ہوا۔ صلح کی گفتگو چلی۔ آصف جاہ نے کچھ اس طرح بات کی کہ نادر شاہ اس پر آمادہ ہو گیا کہ صرف دو کروڑ روپئے لیکر واپس ہو جائے۔

محمد شاہ بادشاہ نے آصف جاہ کے اس کارنامے سے خوش ہو کر اسی روز یعنی ١٩ ذی قعدہ ۱۱۵۱ھ امیر الامرائی کا منصب اور خلعت وغیرہ عنایت فرمادیا۔ پھر اگلے روز خود نادر شاہ اور محمد شاہ کی ملاقات ہوئی جو بہت ہی زیادہ لطف و کرم پر مشتمل تھی۔

برہان الملک کو جب معلوم ہوا کہ امیر الامرائی کی امید پر پانی پھر گیا اور آصف جاہ اس منصب کو لے اڑا تو افسوس اور غصہ سے بے قابو ہو گیا اور فوراً نادر شاہ کی خدمت میں پہونچ کر عرض کی "آصف جاہ جیسے امیر کبیر" اور دہلی جیسے شہر سے صرف دو کروڑ کی رقم؟ کچھ بھی تو نہیں۔

آصف جاہ ۔ محمد شاہ کی سلطنت میں سب سے بڑا آدمی ہے ۔ اس کے لحاظ سے دو کروڑ کی کیا حقیقت ۔ دو کروڑ اگر حضور فرمائیں تو یہ غلام اپنے پاس سے پیش کر دے

نادر شاہ نے اس کے سنتے ہی آصف جاہ اور بادشاہ کو طلب کر کے ایک خیمہ میں ٹھہرا دیا اور فرمائش کر دی کہ اپنی عورتوں بچوں اور نوکروں غلاموں غرض جن جن کو چاہو یہاں بلا لو ۔ اس کے بعد ۹ ذی الحجہ ۱۱۵۱ھ کو فوج لے کر دہلی آیا ۔ قلعہ کی کنجیاں بادشاہ اور وزیر اعظم سے لے لی گئی تھیں ۔ تمام خزانے لوٹ لئے گئے ۔ اگلے روز جمعہ تھا اور بقرعید بھی تھی [۱] خطبوں میں نادر شاہ کا نام پڑھا گیا ۔ شہر میں محمد شاہ بادشاہ کے متعلق مختلف افواہیں پھیل رہی تھیں ۔ عام طور پر خیال یہی تھا کہ قتل کر دیا گیا ۔ باشندگان دہلی کی طبیعتوں میں ہیجان تھا ۔ کچھ قزلباشوں کو باشندگان دہلی نے قتل کر دیا ۔ پھر کیا تھا نادر شاہ نے اپنی فوج کو پریڈ کا حکم فرمایا ۔ نادر شاہ روشن الدولہ کی مسجد کے پاس آکر کھڑا ہوا تلوار نیام سے نکال لی جو قتل عام کی علامت ہے اور اب جس قدر سپاہی موجود تھے قتل میں مشغول ہو گئے ۔ جو سامنے آیا مرد عورت ۔ بوڑھا بچہ ۔ آدمی جانور ہر ایک کو قتل کر دیا ۔ جب بادشاہ کو اس ماجرے کی خبر ہوئی تو خواہ وہ کچھ بھی تھا اور کیسا بھی تھا مگر دہلی کا بادشاہ تھا ۔ ملک والوں سے ایسی محبت کرتا تھا جیسے اولاد سے اس کا دل باشندگان دہلی کی مصیبت سے لرز گیا ۔ آصف جاہ کو نادر شاہ کی خدمت میں بھیجا کہ جو مجرم تھے وہ کیفر کردار کو پہونچ گئے ۔ اب بے گناہوں کا قتل ہو رہا ہے میری خاطر باقی ماندہ کو معاف فرما دیجئے ۔

نظام الملک نے محمد شاہ کا پیغام پہونچایا ۔ اور نادر شاہ نے تلوار نیام میں کر لی ۔ نقیبوں نے فوراً امان ۔ امان پکارا ۔ جس کو جس حالت میں یہ آواز پہونچی اسی حالت میں رک گیا ۔ اگر کسی کی تلوار گردن پر رکھی ہوئی تھی تو وہیں رک گئی آگے نہیں چلی ۔ کچھ قزلباش ایک مالدار کو لوٹ رہے تھے

---

۱ سیر المتاخرین صفحہ ۹۵/۱ ۔ ۲ عماد السعادت صفحہ ۲۷ ۔

ایک کان کاٹ چکے تھا۔ دوسرا کان کاٹنے والے تھے۔ جیسے ہی اماں کا لفظ سنا چھوڑ کر واپس ہو گئے۔" نادر شاہ کی فوج کی یہ تربیت قابل تعریف مانی جاتی ہے کہ محض اشارے پر اس قدر مستعد اور ایسی مطیع" اور سرگرم۔ اس لوٹ کھسوٹ۔ اور قتل عام کے متعلق مؤرخین کے بیانات بہت طویل ہیں۔ ہم اُردو کی کتاب تاریخ ہندوستان کے چند اقتباسات بطور "مشتے نمونہ از خروارے"۔

اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ کتنے آدمی مرے، آٹھ ہزار سے ڈیڑھ لاکھ تک تخمینہ کیا جاتا ہے مگر سچ یہ ہے کہ جن لوگوں کا خانہ حیات تاریک ہو اُن کی خانہ شماری اور مردم شماری کون کرتا ہے۔ نادر شاہ کے آدمیوں کی تعداد جو ہندوستانیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے کوئی سات سو بتاتا ہے کوئی ایک ہزار کہتا ہے۔ پانی پت کی لڑائی میں نادر کے تین آدمی مرے تھے۔ اور بیس زخمی ہوئے تھے ہندوستانی بیس ہزار مرے (اور لطف یہ ہے کہ صرف دو گھنٹہ گھمسان کی لڑائی رہی) اور بس!

جو امرا بھاگ کر دہلی سے کچھ فاصلہ پر کسی قلعہ میں محصور تھے ان سب کو نادر شاہ نے مار ڈالا جس شخص پر اس کو گمان اس معرکہ میں شریک ہونے کا ہوا اسکی جان نہ چھوڑی بعد اُس کے اپنے پسر دوم نصر اللہ مرزا کا محمد شاہ کی بیٹی سے نکاح کیا۔ جو محفلیں سوگ اور سوز کی تھیں اب وہ سرود اور رقص و سرود کی مجلسوں سے بدل گئیں خدا کی پناہ دلی کے آدمی کیسے لہو و لعب کو پسند کرتے تھے۔ اور امراء دہلی کس درجہ نالائق ہو گئے تھے کہ ہنوز ایرانی دہلی سے گئے نہ تھے کہ اُن کی مجلسوں میں یہ نقلیں ہونے لگیں۔ ایرانیوں کے چہرے خونخوار بنائے جاتے اور ہندوستانی گڑگڑاتے ہوئے ان کے پاؤں میں گرتے اور اس پر یہ اہل مجلس خوش ہوتے اور قہقہے لگاتے۔

غرض دہلی میں نادر شاہ ۵۸ روز رہا۔ محمد شاہ سے خلوت میں ملاقاتیں ہوئیں

امرا کو محمد شاہ کی اطاعت کی فہمائش کی۔ اطراف کے حاکموں کے نام گشتی حکم گھمایا کہ محمد شاہ کی اطاعت کرو آخری فقرہ اس حکم کا یہ تھا کہ "من و محمد شاہ ایک جان و دو بدن۔ اگر خدا نخواستہ خبر طغیانی شما شنیدم از صفحۂ خلقت محو خواہیم کرد" جو اس نے کہا اگرچہ اس کے کرنے کی فرصت تو اس کو نہ ملی مگر جن کو اس نے دکھایا تھا انھوں نے اس کی تقلید کر کے بہت جلد اس خاندان کو خاک میں ملا دیا گویا نادر شاہ اس خاندان کے ذلیل و خوار کرنے کا خود سبق لوگوں کو سکھا گیا اور اس کی ہیبت کو لوگوں کے دلوں سے اٹھاتا گیا۔

اس قتلِ عام ہی پر بس نہیں۔ اس چڑھائی سے نادر شاہ کا بڑا مطلب یہ تھا کہ یہاں کے مال سے اپنے تئیں مالا مال کرے۔ جب سے اس نے فتح حاصل کی تھی۔ دولت کے لوٹنے میں مصروف تھا۔ اول اس روپیہ کا دلانے والا سعادت مند، سعادت خاں (برہان الملک) تھے جس نے اپنے بھتیجے شیر جنگ کی معرفت دو کروڑ روپیہ گھر سے منگا کر خزانہ نادری میں داخل کیا تھا۔ جب سعادت خاں مر گیا تو ان کی جگہ سربلند خاں ہندوستانی اور طہماسپ خاں ایرانی کھڑے ہوئے۔ اول انھوں نے بادشاہی خزانوں اور جواہر پر تصرف کیا۔ بیگمات تک کا زیور اتروا لیا۔ تخت طاؤس لے لیا۔ اس کے بعد بڑے امیروں کے گھر ضبط کئے۔ بعض امیروں پر زجر و تعدی کر کے بہت سا مال چھین لیا۔ پھر چھوٹے چھوٹے ملازموں اور عام رعایا کی کمبختی آئی۔ سارے شہر کے دروازوں پر پہرہ بندی تھی۔ کہ کوئی شہر سے مال لیکر نہ نکل جائے۔ غرض مال بتلانے کے لئے ہر دولتمند کے گلے پر چھری رکھی ہوئی تھی بہت سے غیرتمند زہر کھا کر مر گئے۔ بہت سے لوگ بیچارے پکڑے گئے۔ باندھے گئے۔ نادر کی طرف سے جو ظلم تھا سو تھا۔ بیچ کے یہ اہلکار اپنا گھر دولت سے بھر لیتے تھے غرض یوں

کی جان کھا رہے تھے۔ دس وصول کرتے تو پانچ خود کھا جاتے غرض جان مال عزت اور آبرو کے لئے گھر گھر رونا تھا۔ اہل صوبہ سے برسوں کا باقی روپیہ وصول کیا گیا۔ جب نادر کو خوب معلوم ہو گیا کہ اب کوئی ٹھکانا روپیہ ہاتھ لگنے کا نہیں رہا تو اس نے مراجعت کا ارادہ کیا محمد شاہ کو خود تخت سلطنت پر بٹھایا سارا زیور پہنایا۔ عہد نامہ لکھا جس میں دریار سندھ کی مغرب کی طرف کا سارا ملک اس کی قلم رو میں داخل ہوا[1]۔

جو لوٹ کھسوٹ وہ ہندوستان سے لے گیا اس کے تخمینہ میں زمین آسمان کا اختلاف ہے۔ کوئی ستر کروڑ بتاتا ہے کوئی پندرہ کروڑ لکھتا ہے اور بہت سے جواہرات بتلاتا ہے جن کی قیمت کا تخمینہ نہیں ہو سکتا[2]۔

بہر حال شہر مردوں سے پُر تھا۔ زندوں سے خالی تھا۔ مکانوں پر ویرانی برستی تھی محلے کے محلے اجڑے پڑے تھے۔ مردوں کے تعفن سے بھیجا نکلا جاتا تھا۔ نہ کوئی کسی کو کفن دینے والا تھا نہ گور میں دفن کرنے والا تھا۔ مرکر ہندو مسلمان سب ایک ہو گئے۔ کوتوال شہر نے سب کو اکٹھا کر کے آگ لگوا دی[3]۔

---

[1] سیر المتاخرین میں ہے۔ ملک سندھ و صوبہ کابل را بالعض محال پنجاب کہ بہ تنخواہ صوبہ کابل است از مملکت ہندوستان و تصرف محمد شاہ وضع نمودہ ملحق ممالک ایران ساخت ۱۲ ص ۹۰۔ [2] اس موقعہ پر یہ چیز فراموش نہ ہونی چاہیے کہ گورنمنٹ برطانیہ کے عہد مبارک میں ہندوستان سے ہر سال ۴۵ کروڑ روپیہ صرف سرکاری ملازمین کی تنخواہوں میں یورپ چلا جاتا ہے۔ اس کے ماسوا ٹیکسوں اور کرنسی پالیسی۔ یا تجارتی چیزوں کے سلسلہ میں جو روپیہ ہر سال یورپ جاتا ہے اس کی تعداد تو اربوں سے زیادہ ہے ۱۲۔ گویا مالی اعتبار سے ہر سال نادر شاہ دو تین مرتبہ آتا رہتا ہے ۱۲۔ [3] تاریخ ہندوستان ص ۲۵۰ و ص ۲۵۱ سیر المتاخرین ج ۱ ص ۹۰۔

یہ تو شہر کی کیفیت تھی۔ دربار کا یہ حال تھا کہ کچھ دنوں تو وہ بھاری نیند سو رہا اور جب اٹھا تو اس کی آنکھوں میں اسقدر چیپڑ تھا کہ دیکھنے سے گھن آتا تھا۔ خزانہ میں پھوٹا بادام نہ تھا۔ محاصل اور خراج کا کہیں پتہ نہ تھا۔ سپاہ تباہ اور خستہ حال تھی۔ مرہٹوں کا خوف بھی گیا نہ تھا۔ دربار کی پارٹیاں آپس میں مصروف پیکار تھیں جس وقت یہاں نادر شاہ کا دور دورہ تھا۔ باجی راؤ سینہ پیٹتا تھا۔ اُس کا خیال تھا کہ نادر شاہ کے وقت آپس کے جھگڑوں کو سمیٹ کر رکھ دیں۔ اور دکن کے ہندو مسلمان دونوں مل کر دشمن سے سمجھ لیں۔ مگر اتفاق کہاں ملا

اس زمانہ میں سلطنت کے تین ارکان دنیا سے کوچ کر گئے۔

صمصام الدولہ امیر الامراء۔ جو میدان جنگ میں زخمی ہو کر مرا۔

برہان الملک۔ سعادت خاں۔ نواب اودھ۔ جو مرض سرطان میں مبتلا ہو کر چند روز میں وفات پا گیا۔

شجاع الدولہ۔ گورنر بہار و بنگال و اڑیسہ۔ بیمار رہ کر راہی ملک عدم ہوا۔

**نادر شاہ کی موت** ممکن تھا نادر شاہ زندہ رہتا تو جیسا کہ اس نے امراء ہند کو بادشاہ کی اطاعت کی تاکید کی تھی اس کی پابندی کراتا مگر اس کو ہندوستان سے واپس ہو کر کچھ روسیوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ اس نے فتح تو حاصل کی اور ایران کا جو حصہ روسیوں نے دبا لیا تھا وہ واپس لے لیا مگر درحقیقت وہ خونخوار نادر شاہ ہو گیا تھا۔ اور اس کو قتل و خون کا اس قدر جنون ہوا کہ جب تک وہ ہر صبح کو انسانی کھوپڑیوں کا ایک منارہ نہ دیکھ لیتا چین نہ آتا۔ درحقیقت اس کے دماغ میں خلل آ گیا تھا فوج کے حکام نے

ـــــــــــــــــــــــــــــــــــــ

[۱] تاریخ ہندوستان صفحہ ۲۷۲

اس جنون کی مصیبت سے بچنے کے لئے اس کو ۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء میں قتل کر ڈالا۔

## احمد شاہ درانی

احمد خاں پہلے نادر شاہ کے ہاں فوج میں ملازم تھا۔ ترقی کرتے کرتے بڑا افسر ہو گیا جب نادر مر گیا تو خود غزنین اور قندھار پر قابض ہو گیا۔ شاہی کا اعلان کر دیا۔ اپنے نام کا سکہ اور خطبہ جاری کرایا۔

## نادر شاہی کے بعد

دہلی لٹ چکی۔ قتل عام ہو چکا۔ دربار دہلی کا وقار خاک میں مل گیا۔ سلطنتِ مغلیہ کی شوکت کا آفتاب غروب ہو چکا مگر افسوس اہلِ دربار کی چپقلش بدستور ہے۔ خطابات کی بھرمار اور عہدوں کی تقسیم میں رد و حسد اسی طرح باقی ہے۔ مردہ ہاتھی کی لاش پر جنگِ زرگری ہو رہی ہے۔

نادر شاہ کے بعد دوبارہ دربار جما۔ تو امیر خاں کو عمدۃ الملک کا خطاب اور میر بخشی گری صدر الصدور کا عہدہ تفویض ہوا۔ اس نادر شاہی رست و خیز میں اسحاق خاں نئے پیدا ہوگئے، انکو مؤتمن الدولہ کا خطاب اور دیوانی خالصہ عنایت ہوئی عظیم اللہ خاں صدر الصدور بنایا گیا وغیرہ وغیرہ۔

بہر حال اب اک بار ان نئے پہلوانوں نے چاہا کہ وزیر اعظم اور امیر الامرا یعنی قمر الدین خاں اور نظام الملک کو میدان سے نکال بھگائیں۔ بادشاہ سلامت کو پہلے سے کچھ خیال تھا کہ نادر شاہ کا حملہ تورانی امیروں کی سازش ہے۔ اب ان نئے وزرا اور خطاب یافتگان نے اس پر اور نمک مرچ لگا دیا۔ بادشاہ سلامت کی تیوری بدل گئی۔ تو قمر الدین خاں اور

---

لہ تاریخ ہندوستان صہ ۲۷۲

نظام الملک نے باہر جاکر اپنے خیمے الگ کھڑے کئے جو ناراضگی کی دلیل ہوتی تھی۔ تب بادشاہ سلامت بہت پریشان ہوئے۔ اس پر طرہ یہ کہ یہ دونوں وزراء حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم دونوں کو حج کی اجازت دی جائے یا عمدۃ الملک امیر خاں کو دربار سے ہٹاکر الہ آباد کا صوبیدار بناکر ڈیوٹی پر بھیج دیا جائے۔ بادشاہ نے کچھ خفیہ تحقیق کی اور قمرالدین خاں اور نظام الملک کی رضاجوئی ہی ضروری سمجھی۔ بہر حال عمدۃ الملک امیر خاں بہ یک بینی و دو گوش دربار سے خارج کئے گئے۔ مگر امیر الامراء نظام الملک کو زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ خبر پہونچی کہ دکن میں نظام الملک کے صاحبزادے ناصر جنگ نے مرہٹوں سے ساز باز کرکے علم بغاوت بلند کر دیا۔ تب چار ناچار نظام الملک اپنا نائب بڑے بیٹے غازی الدین خاں کو بناکر دکن تشریف لے گئے۔ اور ملک کی اصلاح کی۔ اور چلتے چلتے غازی الدین کی شادی قمرالدین خاں کی لڑکی سے کر گئے۔ اس صورت سے ان دونوں تورانی امیروں کے درمیان اتحاد و اتفاق کی بنا پڑ گئی اور مخالفین کی ریشہ دوانی میں فرق آیا۔

**روہیلوں سے جنگ** روہیلوں کا تذکرہ پہلے آچکا ہے اب ۱۱۵۲ھ ہے یہی وہ زمانہ ہے جس کا ذکر روہیلوں کے تذکرہ میں اس طرح کیا گیا تھا کہ بادشاہ نے اول پرتندراجہ کو ان کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا مگر علی محمد خاں نے قمرالدین خاں وزیر اعظم کے ذریعہ سے معافی مانگی۔ حافظ الملک نے قلعہ کے سامنے ہو کر فوجوں کی صف بندی کر دی اور اس طرح علی محمد خاں کو قید سے رہا کر کے سرہند شریف کا گورنر بنا دیا گیا۔

مگر درحقیقت یہ روہیلہ اس وقت ہندوستانی سیاست کے اور بالخصوص درباری سیاست کے بڑے رکن تھے۔ قمرالدین خاں وزیر اعظم ان کے ذریعہ سے نوابان اودھ کی طاقت گھٹانا چاہتا تھا اور نوابان اودھ روہیلوں کی طاقت کو اپنی بربادی کا پیش خیمہ سمجھتے تھے۔ اس کشاکش کا کیا نتیجہ ہوا۔ وہ انشاء اللہ آئندہ آئے گا۔

## احمد شاہ کا ہندوستان پر پہلا حملہ

آپ پڑھ چکے ہیں کہ نادر شاہ کے بعد اس کی فوج کا ایک بڑا افسر احمد خاں غزنی اور قندھار پر قابض ہو گیا تھا۔ اب وہ احمد خان کے بجائے احمد شاہ ہوا۔ اس نے کابل کے افسر اعلیٰ ناصر خاں کو (جو پہلے محمد شاہ کی طرف سے پھر نادر شاہ کی طرف سے کابل کا گورنر تھا) بدستور کابل کا حاکم اعلیٰ رکھا مگر اس سے زر مطالبہ مبلغ پانچ لاکھ مطالبہ کیا۔

جب ناصر خاں۔ احمد شاہ کی خدمت میں حاضر تھا تو اس رقم کی ادائیگی کا وعدہ کر لیا۔ لیکن جب وہ کابل آیا تو اس نے اس وعدہ کو فراموش کر دیا۔ تو احمد شاہ اس کو سزا دینے کے لئے کابل آیا۔ ناصر خاں بھاگ کر پشاور آیا تو احمد شاہ نے بھی اس کا تعاقب کیا۔ مگر یہاں پہونچکر اس نے پنجاب کا برا حال دیکھا۔

یہاں زکریا خاں کے مرنے کے بعد ۱۱۵۸ھ میں اس کا بیٹا میر یحیٰی خاں دارالسلطنت لاہور میں پہنچا۔ اور اس پر متصرف ہو گیا۔ اس کے بعد شاہنواز خاں دوسرا بیٹا لاہور میں پہونچا۔ اور باپ کے ورثہ کا مطالب ہوا۔ اب دونوں بھائیوں میں لڑائی شروع ہوئی۔ انجام یہ ہوا کہ میر یحیٰی خاں اور اس کا بیٹا قید ہوئے مگر وہ قید سے چھوٹ

کر بادشاہ کے پاس چلے آئے۔ اور شاہنواز خاں لاہور کا مالک ہوا۔

مرزا آدینہ بیگ نے جو بڑا شیطان تھا شاہنواز خاں کو سمجھایا کہ تم تو قمرالدین خان کے فقط بھانجے ہو۔ اور تمہارا بھائی بھانجا بھی ہے اور داماد بھی۔ اور قمرالدین خاں آجکل وزیر اعظم ہے۔ تمہارا بھائی بادشاہ کے پاس گیا ہے ضرور بادشاہ اور وزیر اس کی مدد کریں گے اور تم کو ہارنا پڑے گا۔ بہتر ہے کہ شاہ ابدالی سے جو اس وقت ہندوستان کی سرحد پر موجود ہے اتحاد اور رفاقت پیدا کی جائے۔

شاہنواز کہنے میں آگیا اور اس نے احمد شاہ کو لکھدیا کہ آپ بادشاہ اور میں وزیر۔ شاہ ابدالی تو خدا سے چاہتا تھا۔ وہ فوراً راضی ہو گیا۔

اب آدینہ بیگ نے دوسری طرف آگ لگائی۔ اس نے قمرالدین خاں وزیر اعظم کو لکھ بھیجا کہ آپ کا بھانجہ شاہنواز احمد شاہ ابدالی سے ساز باز رکھتا ہے۔ اس پر قمرالدین خاں نے بھانجے کو لکھا کہ بیٹا آج تک ہمارے ہاں نمک حرامی نہیں ہوئی۔ خبردار اس افغان بادشاہ سے ساز باز نہ رکھنا پانچوں صوبے۔ کشمیر۔ لاہور۔ ٹھٹھہ۔ ملتان۔ کابل۔ اس نورچشم کے عمل میں رہیں گے۔

شاہنواز نے اس حکمنامہ کے پہنچتے ہی شاہ ابدالی سے قطع تعلق کر لیا۔

اسی اثنار میں ناصر خاں حاکم کابل شکست پا کر شاہنواز کے پاس آگیا۔ اب احمد شاہ نے شاہنواز کو ایفاء وعدہ کے لئے خط لکھا تو وہاں رنگ ہی دوسرا تھا اس نے پشاور سے لاہور پر چڑھائی کر دی۔ مگر پہلے اس نے گفتگو کے لئے اپنے چھوٹے بیٹے عمر کو شاہنواز کے پاس بھیجا

مگر شاہنواز نے اُس کو گرفتار کر لیا۔

اب جنگ شروع ہوئی۔ شاہنواز نے شکست کھائی۔ مگر چونکہ دہلی سے بہت بڑا لشکر آگیا اور احمد شاہ کے پاس کل ۱۲ ہزار فوج تھی اس لئے اس مرتبہ احمد شاہ کو پسپا ہونا پڑا۔ اگرچہ شجاعت کے جوہر بہت کچھ دکھاتا گیا لیکن قمر الدین خان وزیر اعظم گولہ کی ضرب سے میدان جنگ میں مارا گیا۔

قمر الدین خاں کی وفات سے تورانیوں کی طاقت دربار میں کمزور ہوگئی اور روہیلوں کا ایک درباری ہمدرد جاتا رہا۔ قمر الدین خاں کے بیٹے میر منّو کو معین الملک کا خطاب دے کر لاہور اور ملتان کی صوبہ داری پر روانہ کیا گیا۔

## محمد شاہ کی وفات

ربیع الاول ۱۱۶۱ھ مطابق مارچ ۱۷۴۸ء کو اس جنگ سے نجات ملی اور ۲۶ ربیع الثانی کو بادشاہ کا انتقال ہوگیا۔

## احمد شاہ۔ کی برائے نام سلطنت

محمد شاہ کے انتقال کی خبر ملتے ہی فوج کے سرداروں نے سلطنت مغلیہ کا تاج احمد شاہ کے زیب سر کر دیا تھا۔ مگر اب سلطنت برائے نام رہ گئی تھی۔ تمام صوبے اپنی اپنی جگہ مستقل حکومتیں بن گئی تھیں۔ پنجاب میں کوئی حکومت نہیں قائم ہوئی۔ مگر ایک طرف افغان اور دوسری جانب سکھ اس کو تاخت و تاراج کا زرمگاہ اور اپنی حوصلہ مندیوں کا جولان گاہ بنائے ہوئے تھے۔ جنوبی مغربی صوبوں میں مرہٹوں کا عمل دخل تھا۔ اس تمام زبوں حالی کے باوجود درباریوں کی پھوٹ اور آپس کی رسہ

کشی بدستور تھی۔ ایک پارٹی کے سربراہ صفدر جنگ تھے دوسری کے رہنما شہاب الدین۔ اسی کشاکش میں وہ چھ سال گزار کر ۱۷۵۴ء میں اس جہاں سے رخصت کر دیا گیا۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے شاندار ماضی جلد دوم۔